بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ نور السماوات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح

مِصباحُ الخُطباء

جلد سوم

مختلف عنوانات پر بیش قیمت

تقاریر کا بے مثال مجموعہ۔ حقائق ودقائق کا انمول خزینہ۔

مبلغین ومقررین کے لیے ایک نادر تحفہ۔

مرتبہ

حکیم حافظ عبد الخالق

خوشاب

مکتبۃ البشیر

جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب

احقر العباد محمد عارف محسن غفر الله الصمد

28/4/20

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ نور السماوات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح القرآن

مصباح الخطباء

جلد سوم

مختلف عنوانات پر بہترین تقاریر کا بے مثال مجموعہ۔
حقائق و دقائق کا انمول خزینہ۔ عوام و خواص کیلئے
یکساں مفید۔ مبلغین اور مقررین کے لیے نادر تحفہ۔

مرتبہ

حکیم حافظ عبدالخالق

خوشاب

ناشر: مکتبۃ البشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب

نام کتاب	مصباح الخلفاء (جلد سوم)
نام مؤلف	علامہ حکیم عبدالخالق خوشاب
کتابت	محمد عمران امر۔ جوہر آباد
تاریخ طباعتِ دوم:	دسمبر 2009
مطبع :	یمانی پرنٹرز ۲۵ ہجویری پارک ریٹی گن روڈ لاہور
ناشر	مکتبۃ البشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب
قیمت	-/330 روپے

ملنے کے پتے

☆ مکتبۃ البشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم خوشاب۔
☆ مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی۔
☆ دفتر ماہنامہ نغمہ توحید جامع مسجد بخاری فیصل گیٹ گجرات۔
☆ ادارہ اشاعت التوحید والسنت مسجد شہداء مال روڈ لاہور۔
☆ مکتبۃ الیمان پنج پیر ضلع صوابی (صوبہ سرحد)۔
☆ اشاعت اکیڈمی قصہ خوانی بازار پشاور۔
☆ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
☆ مکتبہ حمادیہ جامعہ اسلامیہ بدر العلوم رحیم یار خان۔
☆ مکتبہ اشاعت الاسلام فیصل آباد۔
☆ مکتبہ حقانیہ جامعہ حقانیہ نزد سوئی گیس دفتر گوجرانوالہ
☆ مکتبہ توحید وسنت بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا۔
☆ مکتبہ حسینیہ جامع مسجد معاویہ واٹر سپلائی روڈ سرگودھا۔
☆ محمدیہ کتب خانہ گرڈھا چوک منڈی بہاؤالدین۔
☆

آئینہ

انتساب

انہی کے نام جن کے فیضِ صحبت سے میں اس قابل ہوا

رئیس الموحدین پیر طریقت خطیب اسلام

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نور اللہ مرقدہ

گجرات

••••••••••••••••••••••

قاطع شرک و بدعت، داعی توحید و سنت، مجاہد ملت

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ

راولپنڈی

••••••••••••••••••••••

شیخ التفسیر والحدیث، جامع المعقول والمنقول

استاذ العلماء حضرت مولانا بشیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ

خوشاب

عَرضِ مُرتّب

مُبسملاً و مُحمدلاً و مُصلیاً و مُسلماً.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مصباح الخطباء جلد اول' جلد دوم کو علمی حلقوں میں جو غیر معمولی مقبولیت اور شانِ محبوبیت عطاء فرمائی ہے میں اس پر تہہ دل سے اس کا شکر بجالاتا ہوں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانه بخشد خدائے بخشندہ

اُسی ذات عالی کا بے پایاں فضل و احسان ہے کہ آج میں مصباحُ الخطباء کی تیسری جلد قارئین گرامی کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ عوام وخواص اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھر پور فائدہ اٹھائیں گے۔

علماء کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی کمی' کوتاہی محسوس فرمائیں تو اپنی قیمتی آراء سے ضرور مستفید فرمائیں۔ (شکریہ)

میں دعاء گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ میری اس کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور اسے ہم سب کے لیے ذریعہ ہدایت اور سرمایہ آخرت بنائے۔ (آمین)

قارئین گرامی سے دردمندانہ گزارش ہے کہ اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے اور میرے مرحوم والدینؒ کو ضرور یاد رکھیں۔

احقر العباد

فقیر عبدالخالق از خوشاب

۲ جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ

مطابق ۲۲ جون ۲۰۰۷ء یوم الجمعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

۱ :- شانِ صحابہ کرامؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعاً سُجَّداً یَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَاناً سِیْمَا ھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ الخ (الفتح) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کچھ عظمت شان بیان کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

صحابی کسے کہتے ہیں؟

لغوی اعتبار سے صحابی کا معنی ہے ساتھی' ہم نشین' رفیق وغیرہ۔ اصطلاح شریعت میں صحابی کی تعریف یہ ہے ھُمُ الَّذِیْنَ اَدْرَکُوْا صُحْبَۃَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْاِیْمَانِ وَ الْاِسْلَامِ وَمَاتُوْا عَلَیْہِ. یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایمان و اسلام کے ساتھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اختیار کی اور پھر اسی ایمان و اسلام پر مرتے دم تک قائم رہے۔

صحابہؓ کا مقام بلند کیوں؟

گرامی قدر سامعین! صحابہ کا مقام اس لیے بلند ہے کہ انہیں نسبت رسولؐ مل گئی۔ اور وہ بلا واسطہ آپؐ کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے۔ بعد میں آنے والے لوگ چاہے جتنی نیکیاں کر لیں وہ درجہ صحابیت کو نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ

صحبت نبویؐ سے محروم ہیں۔ جس طرح نبوت کا دروازہ بند ہے اسی طرح اب صحابیت کا دروازہ بھی بند ہے۔

بعد میں آنے والو! تم محنت کر کے عالم، مفتی، قاضی، متقی، فقیہ، مجتہد اور ولی اللہ تو بن سکتے ہو لیکن صحابہ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ آخر تم وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمال محمدؐ کا دیدار کیا ہو؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلمات نبویؐ سے مستفید ہوئے ہوں؟ وہ ہونٹ کہاں سے لاؤ گے جنہوں نے مہر نبوت کے بوسے لیے ہوں۔ وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو سیدالکونین کے ہاتھوں سے مس ہوئے اور شرف مصافحہ حاصل کیا؟ وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو تعلیمات نبوی سے زندہ ہوئے۔ وہ ایڑی کہاں سے لاؤ گے جس پر محمد رسول اللہؐ نے اپنا لعاب دہن لگایا ہو۔ وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جو لعاب نبوی سے صحت یاب ہوگئی، تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدیؐ سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے۔ وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے۔ تم وہ نماز کہاں سے لاؤں گے جو امام الانبیاء کی اقتداء میں ادا کی گئی ہو۔ تم وہ محفلیں، مجلسیں کہاں سے لاؤ گے جن میں جبریل امین نازل ہوا کرتے تھے۔

تم ایمان، اخلاص، تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کر کے آسمان کی بلندیوں کو تو چھو سکتے ہو مگر صحابہ کرامؓ کی خاک پا کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔

جہنم حرام:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور مجلس سے صحابہ کرامؓ کو اتنا مقام ملا کہ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِیْ وَ رَاٰی مَنْ رَآنِیْ (ترمذی) کہ جس مؤمن نے مجھے دیکھ لیا جہنم کی آگ اس کو نہیں چھو سکتی یا جس نے اس کو دیکھ لیا جس نے مجھے دیکھا تھا اس پر بھی جہنم کی آگ حرام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صحابی ہو یا تابعی ان کے اوپر جہنم حرام کر کے جنت واجب کر دی گئی ہے۔

قلوب صحابہؓ:

حدیث شریف میں ہے حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَوَجَدَ قَلْبَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَاصْطَفَاہُ وَبَعَثَہٗ بِرِسَالَتِہٖ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تمام بندوں کے دلوں سے بہتر پایا تو اسے چن لیا اور رسالت کے منصب پر فائز فرمایا ثُمَّ نَظَرَ فِیْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ پھر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نظر ڈالنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی فَوَجَدَ قُلُوْبَ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ خَیْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ فَجَعَلَھُمْ وُزَرَاءَ نَبِیِّہٖ یُقَاتِلُوْنَ عَلٰی دِیْنِہٖ (استیعاب) تو تمام لوگوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے دلوں کو بہترین پایا پھر ان کو آپؐ کے وزراء کے طور پر چن لیا جو اس کے دین کی سر بلندی اور سرفرازی کے لیے جہاد کرتے رہیں گے۔

عبداللہ بن مبارکؒ کے تاثرات:

مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے ایک موقعہ پر کسی نے سوال کیا کہ سید التابعین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ افضل ہیں یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ؟

آپ اس شخص کا سوال سن کر بڑے حیران ہوئے کہ ٹھیک ہے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ انتہائی عادل تھے تمہ خلافت راشدہ تھے۔ سید التابعین تھے مگر صحابی

تو نہ تھے۔ تو نے ایک صحابی اور غیر صحابی کے درمیان موازنہ کیوں کیا؟ ایک صحابی کے مقابلہ میں سید التابعین کی کیا حیثیت ہے؟ پھر فرمایا غُبَارٌ دَخَلَ فِی اَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِیَۃَ حِیْنَ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ (مکتوبات) کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کے لیے نکلے تو ان کے گھوڑے کے سموں سے جو غبار اڑ کر اس کی ناک میں جمع ہو گیا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز اس غبار کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمایئے نسبت نبویؐ کی وجہ سے ایک صحابی کا مقام کتنا بلند و بالا ہے۔

فرقِ مراتب:

یہ بات طے شدہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ یکساں درجے کے نہ تھے۔ ان کے اندر فرق مراتب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (سورۃ الحدید) تم میں سے جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد و قتال کیا تم اس کی برابری نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ درجے کے اعتبار سے ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اور بھلائی کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ نے سب سے کر رکھا ہے۔

گرامی قدر سامعین! اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر صحابہ کرامؓ کے دو گروہ بیان فرمائے ہیں (۱) فتح مکہ سے پہلے جہاد و انفاق کرنے والے (۲) فتح مکہ کے بعد جہاد و انفاق کرنے والے۔ پھر بڑی وضاحت سے اعلان فرمایا کہ

پہلوں کا درجہ بعد والوں سے بہت بلند ہے اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً۔

معلوم یہ ہوا کہ سب صحابہ کرامؓ کامیاب و کامران اور جنتی ہونے کے باوجود مرتبہ اور شان میں آپس میں برابر نہیں ہیں۔

سیدنا علیؓ نے صحابہؓ کو دیکھا:

صحابہ کرام کی عظمت سے وہی آدمی واقف ہوسکتا ہے جس نے پوری بصیرت اور گہرائی کے ساتھ ان کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کیا ہو۔ ان کی شخصیت کے بارے میں جتنی بھی گہرائی میں جائیں گے ان کی عظمتِ شان نکھر کر سامنے آتی جائے گی بشرطیکہ دل میں اخلاص ہو تعصب نہ ہو۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لَقَدْ رَأَیْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا اَرٰی اَحَداً مِنْکُمْ یُشْبِھُھُمْ لَقَدْ کَانُوْا یُصْبِحُوْنَ شُعْثًا غُبْرًا بَاتُوْا سُجَّدًا وَّ قِیَامًا یُرَاوِحُوْنَ بَیْنَ جِبَاھِھِمْ وَاَقْدَامِھِمْ یَقِفُوْنَ عَلٰی مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِکْرِ مَعَادِ ھِمْ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ ھَمَلَتْ اَعْیُنُھُمْ حَتّٰی بَلَّ جِبَاھُھُمْ وَمَا دُوْا کَمَا یَمِیْدُ الشَّجَرُ مِنْ ذِکْرِ مَعَادِ ھِمْ (نہج البلاغت) لوگو! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تم میں سے کوئی آدمی بھی مجھے ان کے مرتبے اور پائے کا نظر نہیں آتا۔ دن کے وقت وہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہوئے پراگندہ بال اور غبار آلود ہوتے تھے۔ اور اپنی راتیں اللہ کے حضور قیام اور سجدوں میں گزار دیتے تھے۔ کبھی وہ قیام کو طول دیکر اور کبھی سجدے کو لمبا کر کے راحت پاتے تھے۔ خوفِ آخرت سے وہ اتنے بے قرار ہوتے گویا انگاروں پر کھڑے ہیں۔ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے رخسار اور داڑھیاں تر ہو جایا کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور یوم آخرت کے تصور سے وہ اس طرح لرزہ

براندام ہو جاتے جیسے سخت طوفان میں درخت جھومتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین ! حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے لوگوں کے سامنے صحابہ کرامؓ کی یہ صفات بیان کر کے ان کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

حضرت عبداللّٰہ بن مسعودؓ نے فرمایا:

ایک موقعہ پر سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا اُولٰئِکَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ پیروی اور اتباع کے لائق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں کَانُوْا اَفْضَلَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبَرَّھَا قُلُوْبًا وَ اَعْمَقَھَا عِلْمًا وَ اَقَلَّھَا تَکَلُّفًا یہ اس امت کے بہترین لوگ ہیں' ان کے دل انتہائی پاکیزہ ہیں' انکا علم انتہائی پختہ اور گہرا ہے' تکلف اور نام و نمود کا ان میں نشان بھی نہیں ہے۔اِخْتَارَ ھُمُ اللّٰہُ لِصُحْبَۃِ نَبِیِّہٖ وَلِاِ قَامَۃِ دِیْنِہٖ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پیغمبر کی صحبت اور دین قائم کرنے کے لیے چن لیا ہے۔فَاَعْرِفُوْا لَھُمْ فَضْلَھُمْ وَ اتَّبِعُوْھُمْ عَلٰی اَثْرِھِمْ وَ تَمَسَّکُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِھِمْ وَسِیَرِھِمْ اے لوگو! ان کے فضائل اور مناقب کو پہچانو' ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور ان کے اخلاق و سیرت کو ہر ممکن اپناؤ فَاِنَّھُمْ کَانُوْا عَلَی الْھُدٰی الْمُسْتَقِیْمِ بے شک یہ لوگ صراط مستقیم پر گامزن تھے (مشکوۃ)

فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عظیم الشان خطبہ عظمت صحابہؓ کو چار چاند لگا رہا ہے۔

عُروہ بن مسعود کی گواہی:

۶ھ میں جب حدیبیہ کے مقام پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادائیگی عمرہ سے روک دیا گیا تو بعدازاں بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ قریش مکہ کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی سفیر بن کر آیا جو انتہائی تجربہ کار اور جہاندیدہ انسان تھا۔ ابتداء گفتگو میں ہی وہ کہنے لگا کہ یہ آپ کے ساتھی کوئی خاندانی آدمی نہیں ہیں یہ تو گھٹیا اور خودغرض قسم کے لوگ ہیں۔ آپ ان کے بل بوتے پر قریش کی مخالفت مول نہ لیں۔ یہ لوگ تو وقت پڑنے پر آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات چیت بھی کرتا رہا اور گوشہ چشم سے صحابہ کرامؓ کی عقیدت واحترام کے مناظر بھی دیکھتا رہا۔ اس نے جب پروانگان شمع رسالت کی محبت وعقیدت کے حیرت انگیز جلوے دیکھے تو اپنی رائے بدل لی اور اپنی قوم میں واپس جا کر کہنے لگا۔ یَا قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَ فَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَ كِسْرٰى وَالنَّجَاشِى اے میری قوم! اللہ کی قسم میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں قاصد بن کر گیا ہوں۔ بلاشبہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی بنظر غائر دیکھا ہے وَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ اَصْحَابُهُ مَايُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا اللہ کی قسم میں نے کسی بادشاہ کا اتنا احترام کبھی نہیں دیکھا جتنا احترام اصحاب محمد اپنے نبی کا کرتے ہیں۔ وہ آپ کی مجلس میں اس طرح احترام سے بیٹھتے ہیں كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفِضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يَحِدُّوْنَ النَّظَرَ اِلَيْهِ تَعْظِيْمًالَهُ جب آپ بات کرتے ہیں تو وہ اپنی آواز پست کر لیتے ہیں اور آپ کی تعظیم اور ادب واحترام کے پیش نظر کوئی آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ پاتا۔ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى

وَ ضُوئِهٖ آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں گویا باہم لڑ پڑیں گے۔ وَلَا یَسْقُطُ مِنْ شَعْرِهٖ اِلَّا اَخَذُوْهُ آپ کے وجود کا کوئی بال گرتا ہے تو وہ اسے بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو ایک دوسرے سے بڑھ کر تعمیل کرتے ہیں وَاللّٰهِ لَقَدْ رَاَیْتُ قَوْمًا لَا یُسْلِمُوْنَهٗ لِشَیْءٍ اَبَدًا اللہ کی قسم یہ لوگ کسی قیمت پر بھی اپنے نبی کا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں (الشفاء)

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں جب تک عروہ نے صحابہؓ کو نہیں دیکھا تھا رائے اور تھی اور جب دیکھا تو اس کی رائے بدل گئی اور حقیقت واضح ہو گئی۔ آج بھی جو لوگ صحابہ کرامؓ سے بدظن ہیں درحقیقت انہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا ہی نہیں۔

راویٔ قرآن:

گرامی قدر سامعین! قرآن مجید ہم تک تین واسطوں سے پہنچا ہے اگر ان میں سے کوئی ایک واسطہ بھی مشکوک ہو جائے تو قرآن مجید کی حقانیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں واسطوں کی ثقاہت و عدالت اور عظمت و فضیلت بیان فرمائی ہے اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات خود ارشاد فرمائے ہیں۔

پہلا واسطہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت بھی قرآن میں بیان فرمادی اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّةٍ الخ اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے۔ حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے دشمنی رکھنے والوں کو اپنا دشمن قرار دیا۔ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ الخ مقصد یہ تھا کہ جبریل امین اگر مشکوک ہو جائے تو

قرآن مشکوک ہو جاتا ہے۔

دوسرا واسطہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انکی عظمت و شان سے تو قرآن بھرا پڑا ہے ان کی ایک ایک ادا کی اللہ تعالیٰ نے تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ کفار نے اعتراضات کیے تو اللہ تعالیٰ نے خود جوابات ارشاد فرمائے آپ کو شاعر' ساحر' مفتری کذاب اور مجنون وغیرہ کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے بالتفصیل تردید فرمائی۔

تیسرا واسطہ: امت تک قرآن پہنچانے کا تیسرا واسطہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ صحابہ کرامؓ پر بھی جب اعتراضات ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے خود جوابات دیئے۔ صحابہ کرامؓ کو سفہاء (بے وقوف) کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا اَلَآاِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ کہ خبردار صحابہ کرام کو بے وقوف کہنے والے خود بے وقوف ہیں۔

جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے دلوں کی پاکیزگی اور ان کے ایمان و اخلاص کی گواہی اسی لیے دی ہے کہ اگر بالفرض صحابہ کرامؓ کی حیثیت مشکوک ہو جائے تو قرآن کی حقانیت پر حرف آتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی عدالت کے بارے میں خطیب بغدادیؒ نے کیا خوبصورت بات نقل فرمائی ہے اِذَارَأَیتَ الرَّجُلَ یَنْتَقِصُ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاعْلَمْ اَنَّهٗ زِنْدِیْقٌ کہ جب تو کسی ایسے شخص کو دیکھے جو صحابہ کرامؓ کی تنقیص کرتا ہے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے۔ وَذَالِكَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عِنْدَنَاحَقٌّ وَالْقُرْآنُ حَقٌّ کیونکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید بالکل برحق ہے وَاِنَّمَا اَدّیٰ اِلَیْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَنَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے تک یہ قرآن مجید اور سنت نبوی صحابہ کرامؓ نے ہی پہنچائی ہے وَاِنَّمَا یُرِیْدُوْنَ اَنْ

يَجْرَحُوْا شُهُوْدَنَا لِيُبْطِلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ اور یہ زندیق لوگ ہمارے ان گواہوں کو مجروح کر کے درحقیقت کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں وَالْجَرْحُ بِهِمْ اَوْلٰى وَهُمْ زَنَادِقَةٌ حالانکہ یہ زنادقہ خود تنقید وتنقیص کے زیادہ حق دار ہیں۔(الکفایہ)

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں صحابہ کرامؓ کی اتنی عظمت ہے کہ اگر ان سے اعتماد اٹھ جائے تو پھر قرآن وسنت کی حقانیت ثابت ہی نہیں کی جاسکتی۔

صحابہؓ کے ایمان کی گواهی:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ مہاجرین وانصار کے ایمان کی گواہی ان الفاظ میں دی ہے وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال) کہ جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ پکے اور سچے مؤمن ہیں۔ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (حجرات) کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تمہیں بے زار کر دیا۔

گرامی قدر سامعین! جن کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈالنے والا اور پھر ایمان کو ان کے دلوں میں سجانے والا خود خدا تعالیٰ ہو ان کے ایمان کے کیا کہنے! مزید غور فرمائیں اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے دلوں میں ایمان کی محبت ڈالنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہر طرح کے کفر، فسق اور عصیان کی نفرت ان کے دلوں میں کوٹ

کوٹ کر بھر دی۔

معیارِ ایمان:

گرامی قدر سامعین! صحابہ کرامؓ صرف مؤمن ہی نہیں ہیں' بلکہ معیار ایمان ہیں۔ یعنی وہ ایمان کے معاملہ میں ایک ماڈل اور نمونہ ہیں۔ کسی صاحب ایمان کا ایمان اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوسکتا جب تک وہ صحابہ کے ایمان کو نمونہ نہ بنائے۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرة) کہ اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو تب ہدایت یاب ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان اتنا معیاری ہے کہ بعد میں آنے والے لوگوں کو اپنا ایمان ان کے ایمان کو سامنے رکھ کر سنوارنا چاہیے۔

صحابہؓ پر خدا راضی:

صحابہ کرامؓ ایسی ہستیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی ان کو اپنی رضا مندی کا سرٹیفکیٹ عطاء فرما دیا ہے۔ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ کہ سبقت کرنے والے اگلے مہاجرین اور انصار اور ان کے متبعین اور پیروکار رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہشت کے باغات تیار کیے ہیں خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وہ ہمیشہ ہمیشہ ان باغات میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے (توبہ)۔

گرامی قدر سامعین! یہاں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے تین طبقے بیان فرمائے ہیں (ا) مہاجرین (ب) انصار (ج) ان کی اتباع کرنے والے لوگ۔

ان تینوں طبقوں کے لیے پھر تین انعامات بیان فرمائے۔ (ا) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (ب) باغہائے بہشت (ج) جنت میں ان کا ابدی قیام۔ پھر آخر میں فرمایا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ کہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ کہ اللہ تعالیٰ ان ایمان والوں سے راضی ہوگیا جبکہ اے نبی وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ پس معلوم کیا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا پھر ان پر سکینت اتاری اور ان کو بدلے میں فتح قریب دے دی (فتح)

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے اور ہمارے راضی ہونے میں فرق ہے۔ ہم ظاہر حال دیکھ کر راضی ہوتے ہیں۔ ہمیں کسی کے دل کا حال معلوم نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے ان کے دلوں کی کیفیت جان کر راضی ہو رہا ہے فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِھِمْ۔ یعنی ان کے دلوں کی نیک نیتی اور اخلاص کو جان کر اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں آئندہ کے حالات کا علم نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے آج جس پر ہم راضی اور خوش ہیں کل وہ ہماری مخالفت پر اتر آئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے۔ آئندہ کے حالات بھی اس کے سامنے ہیں۔ لہٰذا اس نے صحابہ کرامؓ کا ماضی حال اور مستقبل جانتے ہوئے یہ اعلان فرمایا ہے "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ" اگر خدانخواستہ صحابہ کرامؓ سے آئندہ کوئی فعل مرضی الٰہی کے بغیر صادر ہونے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز ان پر راضی ہونے کا اعلان نہ فرماتا (فافہم وتدبر)۔

گرامی قدر سامعین! رضاء خداوندی کا مژدہ اتنی عظیم نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت میں بھیجنے کے بعد انہیں جو آخری نعمت عظمیٰ عطاء فرمائے گا

وہ رضاء خداوندی کا اعلان ہوگا۔ اُحِلُّ عَلَیْکُمْ رِضْوَانِیْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَیْکُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا (بخاری) لیکن قربان جایئے صحابہ کرامؓ کی عظمت پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں ہی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرما دیا۔

صحابہؓ کے تذکرے:

گرامی قدر سامعین! صحابہ کرام وہ ہستیاں ہیں کہ جن کے تذکرے اور اوصاف اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں میں بھی بیان فرمائے ہیں۔ قرآن مجید تو یقیناً ان کی مدح وتعریف سے بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی کتابوں تورات و انجیل میں بھی صحابہ کرامؓ کے اوصاف بیان فرما دیے ہیں۔

یعنی صحابہ کرامؓ کی پیدائش سے سینکڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف بیان کرنا شروع کر دیے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ہمراہ ہیں کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔

گرامی قدر سامعین! اس سے قبل کہ میں پوری آیت کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کروں ایک بات آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کی ابتداء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک سے فرما کر آگے آپ کے صحابہ کرامؓ کا ذکر کیوں شروع کر دیا؟ استاد کا نام لے کر شاگردوں کے فضائل کیوں شروع کر دیے؟ مقتداء کے فضائل کو چھوڑ کر آگے مقتدیوں کے اوصاف گننا کیوں شروع کر دیے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس کے شاگردوں کے یہ فضائل ہیں اس استاد کے کیا کہنے؟ جو استاد کی عظمت سمجھنا چاہے وہ اس کے شاگردوں کو دیکھ لے۔ مقتدیوں کے یہ سارے کمالات اس امام کے طفیل ہیں۔

یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ ایک دعویٰ ہے اور وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ الخ اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ کہ میرے پیغمبر کے صحابہ کو دیکھنے سے آپ کی رسالت اور نبوت سمجھ آئے گی دلائل اگر مضبوط ہیں تو دعویٰ یقیناً ٹھوس اور مضبوط ہوگا۔

معلوم ہوا صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کہ وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔ یہ صحابہ کرامؓ کی ان دو صفتوں کا بیان ہے جن کا تعلق بنی نوع انسان کے ساتھ ہے۔ یہ صفات معمولی نہیں ہیں بلکہ عظیم صفات ہیں۔ ایک انسان کا پورا کردار اور شخصیت انہی دو قوتوں کے گرد گھومتی ہے۔ (ا) قوت غضبیہ (ب) قوت شہوانیہ۔ جن کو دوسرے لفظوں میں غصہ اور محبت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی یہ دونوں قوتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ یعنی ان کا غصہ بھی اور محبت بھی دونوں حکم خدا کے تابع ہیں۔ ظاہر ہے جس انسان کی یہ دونوں قوتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہو جائیں پھر اس سے خلاف شریعت امور کا صادر ہونا مشکل ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا کہ دیکھتا ہے تو ان کو رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے۔ یہ ان کے وہ معاملات ہیں جن کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ تمام عبادات میں سے نماز کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور نماز کے دو رکن اعظم رکوع اور سجدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ جب ان کا رکوع اور سجدہ اتنا عمدہ ہے تو دوسری عبادات کا کیا پوچھنا؟

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں جس بندے کے رکوع و سجود کو اللہ تعالیٰ اتنا پسند فرمائے کہ ان کی تعریف قرآن مجید میں کر دے اور پھر قیامت تک رات

دن ان آیتوں کی تلاوت ہوتی رہے اس بندے کے نصیب کے کیا کہنے؟

بعض علماء کرام نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدیہ کے چار گواہوں کو بالترتیب بیان فرمایا ہے کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے مراد حضرت ابوبکرؓ۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے مراد حضرت عمرؓ۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے مراد حضرت عثمانؓ اور تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ معیت میں حضرت ابوبکرؓ۔ شدت علی الکفار میں حضرت عمرؓ۔ رحم دلی میں حضرت عثمانؓ اور رکوع و سجود میں حضرت علیؓ دیگر صحابہ سے نمایاں اور ممتاز تھے۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور اس کی خوشنودی کو چاہتے ہیں۔ یہ ان کے خلوص نیت کی گواہی ہے۔ کیونکہ کوئی عبادت کیسی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو بغیر خلوص نیت کے بے کار ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ان کی عبادت کسی دنیاوی غرض یا ریاکاری پر مبنی نہیں ہے بلکہ ان کا مطلوب ومقصود اللہ تعالیٰ کی رضاء اور اس کا فضل ہے۔

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے نمودار ہے۔ یعنی ان کے مقرب نور محبوب الٰہی ہونے کی ظاہری علامت ان کے چہروں سے پھوٹنے والا نور ایمان ہے۔ یعنی ان کا باطن انوارات سے اس حد تک لبریز ہو چکا ہے کہ اب وہ انوارات ان کے چہروں سے بھی عیاں ہونے لگے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی صحابی کسی مجمع میں بیٹھتے تو اپنے چہرے کے نور سے دور سے پہچانے جاتے تھے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جس طرح دنیا کے بادشاہ اپنی فوج کی پہچان کے لیے کوئی علامت مقرر کرتے ہیں' مخصوص وردی پہناتے ہیں' انہیں تمغے اور بیج لگاتے

ہیں' اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی فوج کی پہچان کے لیے ان کے چہروں پر نور کے تمغے سجا دیے۔

ذَالِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ان کے یہ اوصاف تورات میں ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ آج سے ہمارے محبوب نہیں ہوئے بلکہ روز ازل سے ہمارے منظور نظر ہیں۔ ان کا تذکرہ ہم نے صرف قرآن مجید میں ہی نہیں کیا بلکہ ان کے دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے تورات و انجیل میں ہم ان کے اوصاف بیان کر چکے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ کتاب خدا کی' اتری موسیٰ علیہ السلام پر اور تذکرہ اصحاب محمد کا۔ کتاب خدا کی' اتری عیسیٰ علیہ السلام پر اور تذکرہ اصحاب محمد کا۔ سبحان اللہ

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ گویا وہ ایک کھیتی ہیں' جس نے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا' پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔

کھیتی کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی تدریجی ترقی کا ذکر فرمایا ہے۔ جس طرح کھیتی ابتدائی طور پر انتہائی کمزور ہوتی ہے۔ دانہ سے ایک باریک سی سوئی (اکھوا) نکلتی ہے۔ یہ کھیتی کی انتہائی کمزوری کی حالت ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی جماعت ابتدائی طور پر انتہائی کمزور تھی۔ پھر وہ اکھوا مضبوط ہو جاتا ہے اور امید لگ جاتی ہے کہ اب یہ ضائع نہ ہوگا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی جماعت رفتہ رفتہ مضبوط ہوتی چلی گئی اور ان کے ضائع ہونے کے احتمالات نابود ہوتے چلے گئے۔ پھر وہ درخت کا تنا موٹا ہو جاتا ہے اس میں قوت آ جاتی ہے' اسی طرح ایک وقت آیا کہ صحابہ کرامؓ کے لیے حالات سازگار ہو گئے اور ان کو قوت مل گئی اور لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ پھر وہ کھیتی منتہائے

کمال تک پہنچ جاتی ہے اور اپنے تنے پر بڑی مضبوطی سے کھڑی ہو جاتی ہے اور اس پر برگ و بار لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ترقی دے کر اتنے عروج پر پہنچایا کہ وہ خود اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے اور کسی دنیاوی سہارے کی ضرورت نہ رہی۔

ابتداً صرف چار تھے' پھر دارارقم میں چالیس ہوئے' شعب ابی طالب میں بیاسی تھے' بوقت ہجرت ایک سو پندرہ تھے' غزوہ بدر ۲ھ میں تین سو تیرہ تھے' غزوہ احد ۳ھ میں سات سو پچاس تھے' غزوہ خندق ۵ھ میں ایک ہزار تھے' غزوہ خیبر ۶ھ میں پندرہ سو تھے' غزوہ موتہ ۸ھ میں تین ہزار تھے' فتح مکہ ۸ھ میں دس ہزار تھے۔ غزوہ حنین ۹ھ میں بارہ ہزار تھے' غزوہ تبوک ۹ھ میں تیس ہزار تھے۔ پھر حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ایک لاکھ چالیس ہزار تھے۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ.

آگے فرمایا يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پھر وہ کھیتی اتنی مضبوط اور خوبصورت ہو جاتی ہے کہ کھیتی بان اپنی محنت کا نتیجہ دیکھ کر انتہائی خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری دن جب حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجرے کا پردہ ہٹا کر اس جماعت کو دیکھا اور آپؐ کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے کہ میں نے ۲۳ سال تک جس کھیتی پر محنت کی آج وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ دیر تک کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے ثُمَّ تَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا اور مسکراتے رہے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے اپنی کنکھیوں سے آپؐ کا رخ انور دیکھا تو وہ ایسے چمک رہا تھا جیسے قرآن کا ورق ہو كَاَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ۔

کھیتی کی ترقی سے کھیتی بان تو خوش ہوتا ہے اور دشمن کا دل حسد وبغض سے جلتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کی ترقی وعظمت کو دیکھ کر کفار کا دل جلتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ سے بغض رکھنے والوں کو کفار میں شامل کیا ہے۔ دشمن کو اصل دشمنی تو کھیتی بان سے ہوتی ہے لیکن وہ اس کو نقصان پہنچانے کے لیے اس کی کھیتی پر حملہ آور ہوتا ہے اسی طرح کفار کو اصل دشمنی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر ان کی دشمنی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَهُمْ کا یہی مفہوم ہے۔

آگے فرمایا وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْماً اور جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

اب یہاں آخر میں ان کے اخروی انعامات کا ذکر فرمایا کہ ان سے ہم نے دو چیزوں کا وعدہ کیا ہے (ا) مغفرت۔ یعنی ان سے اگر کوئی خطاء سرزد ہو جائے گی تو ہم اس کو بخش دیں گے۔ (ب) اجر عظیم۔ یعنی آخرت میں بڑے مرتبے عطاء کریں گے۔

☆ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اوصاف اس انداز میں بیان فرمائے ہیں۔ اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِاللّٰهِ وَبَشِّرِالْمُؤْمِنِيْنَ (توبہ) کہ وہ توبہ کرنیوالے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے نیک کاموں کا حکم کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اے پیغمبر! ان مومنوں کو بہشت کی خوشخبری

سنا دو۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! اللہ تعالیٰ کس طرح صحابہ کرامؓ کی ایک ایک ادا کی تعریف وتوصیف کر رہا ہے۔

اُمّتِ مُحمدیہ کے تین گروہ:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مال فئے کے مستحقین کا ذکر کرتے ہوئے امت محمد یہ کے تین گروہ بیان فرمائے اور پھر ان تینوں گروہوں کی نشانیاں اور اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں۔

ا) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ کہ وہ مال غنیمت جو بطور فئے کے ہاتھ آئے ان فقراء مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رضا مندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

ب) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور وہ مال ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ان کی آمد سے پہلے دارالہجرت (مدینہ) کو اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا اور ایمان میں مضبوط ہو چکے تھے۔ اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان مہاجرین کو ملا اس سے اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ وہ خود محتاج ہوں۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد

پانے والے ہیں۔

ج) وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ اور وہ مال ان لوگوں کے لیے ہے جو ان کے بعد آئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان کی طرف سبقت کر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں مومنوں کے لیے کینہ اور حسد پیدا نہ ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ الحشر)

گرامی قدر سامعین! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے تین گروہ اور ان کی علامات واوصاف بیان فرمائے ہیں۔ (ا) مہاجرین (ب) انصار (ج) قیامت تک آنے والے باقی مسلمان۔

اور اس تیسرے گروہ کا وظیفہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کا ذکر خیر کرتے ہیں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ان کی عداوت و دشمنی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ آج ہم نہ تو مہاجرین میں شامل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انصار میں۔ لامحالہ ہم تیسرے گروہ میں ہی شامل ہو سکتے ہیں۔ اور تیسرے گروہ کی علامت یہی ہے کہ وہ مہاجرین وانصار سے محبت کرنے والا اور ان کے حق میں دعاء خیر کرنے والا ہوگا۔

اب جو حضرات مہاجرین وانصار سے بغض وعداوت رکھتے ہیں یقیناً ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یاد رکھیں یہ چوتھا گروہ کفار اور ملحدین کا تو ہو سکتا ہے مسلمانوں کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (فافہم وتدبر)

☆ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسی نکتہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلا گروہ مہاجرین کا ہے جو ختم ہو چکا ہے۔ دوسرا انصار کا ہے وہ بھی ختم ہو چکا ہے' تیسرا ان لوگوں کا ہے جو ان کے بعد ہوں اور ان کے لیے استغفار کریں اور دل میں ان کے بارے میں کسی قسم کا میل نہ رکھیں۔ اب یہ گروہ باقی ہے اور تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اس گروہ میں داخل ہو جاؤ۔

☆ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا کہ ایک شخص مہاجرین میں سے کسی کی بدگوئی کر رہا تھا۔ آپؓ نے اسے بلایا اور اس کے سامنے یہی آیات پڑھیں اور اس سے سوال کیا کیا تو مہاجرین میں سے ہے؟ وہ کہنے لگا "نہیں" پھر فرمایا کیا تو انصار میں سے ہے؟ وہ بولا "نہیں" پھر پوچھا گیا تو اس تیسرے گروہ میں سے ہے؟ وہ کہنے لگا "جی ہاں" آپؓ نے فرمایا جو شخص مہاجرین وانصار کو برا کہے وہ بھلا تیسرے گروہ میں سے کس طرح ہو سکتا ہے؟ یقیناً وہ چوتھے گروہ میں شمار ہوگا جو مسلمانوں کا نہیں بلکہ ملحدین اور زندیقین کا گروہ ہے (ازالۃ الخفاء)

صحابہؓ کا امتحان اللہ نے لیا:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنے حلقہ میں آنے والے لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے کر ان کا تزکیہ فرمائیں اور انہیں ہر قسم کے رذائل سے پاک وصاف کر کے اخلاق حسنہ سے مزین فرمائیں۔ آپؐ نے ۲۳ سال تک اس معاشرے پر محنت فرمائی۔ اور بالآخر ان شاگردان نبوت کا امتحان ہوا تا کہ دنیا کو پتہ چل سکے کہ آپؐ کی محنت کا ثمرہ اور نتیجہ کیا نکلا؟ پھر یہ امتحان بھی ظاہری احوال کا نہیں لیا گیا بلکہ ان کے دلوں کا لیا گیا اور امتحان بھی اس ذات نے لیا جو علیم بذات الصدور ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں کو تقویٰ کے لیے جانچ

لیا۔ یعنی ان کے دلوں میں تقویٰ ہی تقویٰ نکلا۔ پاکیزگی اور طہارت سے ان کے دل لبریز نکلے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا (سورۃ فتح) یعنی جما دیا ان کو تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے سب سے زیادہ حق دار اور سب سے زیادہ اہل تھے۔ حالات بدلے مصائب آئے تکالیف آئیں کھولتے ہوئے تیل میں جلائے گئے دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹائے گئے تختہ دار پر لٹکائے گئے مگر وہ کلمہ تقویٰ پر مضبوط ہی پائے گئے۔ کیونکہ وہی سب سے زیادہ اس کے اہل اور حق دار تھے۔

امتحان کے بعد پھر انعام بھی بیان فرما دیا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (سورۃ حجرات) کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

گرامی قدر سامعین غور فرمائیں! مکتب نبوی کے شاگردوں کا کتنا کڑا امتحان لیا گیا اور کتنا کھرا نتیجہ نکلا! خدانخواستہ اگر نتیجہ کمزور نکلتا تو حرف استاد پر آتا۔ ثابت ہوا جس طرح استاد عظیم ہے اسی طرح اس کے شاگرد بھی عظیم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر شاگردان نبوت کے لیے اپنے ریمارکس بیان فرمائے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (انفال)۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (توبہ)۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حشر)۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (حجرات)۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (حدید) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (بقرہ)۔ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً (حدید)۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ (مجادلہ)۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (مجادلہ)۔

بہترین زمانہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ

يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ الخ (مشکوۃ) کہ میری امت کا بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جوان سے ملتے ہیں' پھر وہ جوان سے ملتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آپ نے تین زمانوں کی بہتری کی گواہی دی ہے۔

(۱) اپنا اور صحابہ کا زمانہ۔ (۲) تابعین کا زمانہ۔ (۳) تبع تابعین کا زمانہ۔

صحابہؓ کی عزت کرو:

ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّهُمْ خِیَارُ کُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ (مشکوۃ) کہ میرے صحابہ کی عزت کرو اس لیے کہ وہ تم سے افضل ہیں۔ پھر وہ لوگ جوان کے قریب ہیں' پھر وہ جوان کے قریب ہیں۔

صحابہؓ ستارے ہیں:

ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (مشکوۃ) کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ یعنی ستاروں میں اگرچہ فرق مراتب ضرور ہوتا ہے مگر کوئی ستارہ بھی ظلمت افشانی نہیں کرتا بلکہ نور ہی بکھیرتا ہے۔ اسی طرح میرے سب صحابہ کرامؓ روشنی کا مینار ہیں سب ہادی اور مہدی ہیں۔

گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم راہرواں را شمع واعداء را رجوم

صحابہؓ کے اعمال:

ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا لَاتَسُبُّوا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَ کُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَابَلَغَ مُدَّاَحَدِ هِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ (بخاری) کہ میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ پس اگر تم میں سے کوئی آدمی احد پہاڑ کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کر دے تو وہ صحابہ کرامؓ کے ایک مد کے ثواب کو نہ پہنچے گا اور نہ ہی نصف مد کے

برابر پہنچے گا۔

مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی نسبت اتنی اونچی ہے ان کا ایمان اتنا وزنی ہے ان کا اخلاص اتنا زیادہ ہے کہ تمہارا اُحد پہاڑ جتنا سونا ان کے مٹھی بھر جو کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

صَحابہؓ کی محبت میری وجہ سے:

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَللہَ اَللہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ مِنْ بَعْدِیْ غَرَضاً کہ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ جو ان سے محبت کرتا ہے درحقیقت میری وجہ سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے درحقیقت میری وجہ سے بغض رکھتا ہے۔ وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے گویا مجھے تکلیف دی۔ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللہَ اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے گویا اللہ کو ایذاء پہنچائی۔ وَمَنْ آذَی اللہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں پکڑے (مشکوٰۃ)۔

دشمنانِ صَحابہؓ پہ لعنت:

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَۃُ اللہِ عَلٰی شَرِّکُمْ (مشکوٰۃ) کہ جب تم دیکھو کہ کوئی آدمی میرے صحابہ کو برا کہہ رہا ہے تو تم کہہ دو کہ تمہارے اس فعل بد پر اللہ کی لعنت ہو۔

عَالِم کی ذمہ داری:

ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا اِذَا ظَھَرَتِ الْفِتَنُ اَوِالْبِدَعُ وَسُبَّتْ

اَصْحَابِیْ فَلْیُظْهِرِ الْعَالِمُ عِلْمَهٗ کہ جب فتنوں اور بدعات کا ظہور ہو جائے اور میرے صحابہ کرامؓ کو برا کہا جانے لگے تو عالم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے۔ یعنی اس فتنہ کی روک تھام کے لیے پوری سعی اور کوشش کرے۔

وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ اور جو عالم ایسے پرفتن دور میں بھی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء کرام کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رسول مکرمؐ کے اصحابؓ سارے   بلا شک تھے رشد و ہدایت کے تارے
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ   سبھی تھے وفا و محبت کے پیکر
خدا و نبی کے فدا کار تھے سب   غریبوں یتیموں کے غمخوار تھے سب
خلوص و مروت کے خوگر یہی تھے   گلستان محمدؐ کے گل تر یہی تھے

نہیں ان کا جس قلب میں احترام
اس پہ سمجھو ہوئی بوئے جنت حرام

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۲:- شانِ عائشہ صدیقہؓ (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ (سورۃ احزاب) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج کی اس مجلس میں میں آپ کے سامنے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور شان بیان کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

نام و نسب:

آپؓ کا نام نامی اسم گرامی عائشہ ہے۔ لقب صدیقہ اور حمیرا ہے۔ خطاب ام المؤمنین اور کنیت ام عبداللہ ہے۔ (آپؓ نے اپنی کنیت اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر رکھی تھی)۔ آپؓ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں آپؓ کی والدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی۔ حضرت عائشہؓ کی ولادت نبوت کے چوتھے سال ہوئی۔

نکاح:

پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اپنی پہلی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کچھ ملول سے رہنے لگے تو حضرت خولہؓ بنت حکیم نے آپ کو دوسرا نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی عرض کیا کہ اگر آپؐ اجازت دیں تو میں حضرت ابوبکرؓ سے عائشہؓ کی نسبت بات کروں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ٹھیک ہے۔

اس طرح حضرت خولہؓ کی کوشش سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ام رومانؓ نے رضا مندگی کا اظہار فرما دیا۔ حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی کہ ہجرت سے پہلے ہی ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگیا۔ حق مہر پانچ سو درہم طے ہوا۔

یاد رکھیے! آپؐ نے جتنے بھی نکاح فرمائے وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمائے اور ان میں خاص حکمتیں تھیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا مَاتَزَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ نِسَائِيْ وَلَا زَوَّجْتُ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِيْ اِلَّا بِوَحْيٍ جَاءَ نِيْ بِهٖ جِبْرِيْلُ عَنْ رَبِّيْ (زرقانی) کہ میں نے جب بھی کسی عورت سے نکاح کیا یا اپنی بیٹیوں کو کسی کے نکاح میں دیا تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی الٰہی سے کیا جس کی خبر مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آ کر دی۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تیرے ساتھ نکاح سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری آمد کی بشارت دے دی تھی۔ وہ اس طرح کہ حضرت جبرئیلؑ خواب میں میرے ہاں تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں ریشمی رومال تھا اور اس میں ایک تصویر لپٹی ہوئی تھی کہنے لگے هٰذِهٖ اِمْرَءَ تُكَ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس عورت کا انتخاب فرمایا ہے آپؐ فرماتے ہیں فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِيَ میں نے جب اس تصویر سے کپڑا ہٹایا تو وہ تیری تصویر تھی (مسلم)۔

گرامی قدر سامعین! اندازہ لگائیں! حضرت سیدہ عائشہؓ کی عظمت شان کا! کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لیے ان کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور پھر خواب میں بشارت بھی دے دی۔

رُخصتی:

ہجرت کے بعد ایک موقعہ پر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ سے

عرض کیا کہ آپؐ اپنی بیوی عائشہؓ کو اپنے گھر کیوں نہیں لے آتے؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حق مہر کی رقم موجود نہیں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ عرض کرنے لگے کہ میری دولت حاضر ہے قبول فرمائیے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رقم لیکر حضرت عائشہؓ کے ہاں بھجوادی اور حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوگئی۔

حضرت عائشہؓ رخصت ہو کر جس گھر میں آئیں وہ کوئی عالی شان عمارت یا بنگلہ نہ تھا۔ بنو نجار کے محلّہ میں مسجد نبوی سے متصل صرف ایک حجرہ تھا' جس کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں اور چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنایا گیا تھا۔ حجرہ کی بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا تھا۔ دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا جس پر پردہ کے لیے ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔

اس گھر کی کل کائنات ایک چارپائی' ایک چٹائی' ایک بستر' ایک تکیہ' آٹا اور کھجور رکھنے کے لیے ایک دو مٹکے' پانی کے لیے ایک مشکیزہ اور پانی پینے کے لیے ایک پیالہ تھا۔ صاحب مسکن کے فقر کا یہ عالم تھا کہ کئی کئی ماہ تک چولھے میں آگ نہ جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ جب رخصت ہو کر اس گھر میں وارد ہوئیں تو آپؐ کے پاس ان کی ضیافت کے لیے صرف ایک پیالہ دودھ کا تھا۔ تھوڑا سا آپؐ نے خود پیا اور بقیہ ان کو پلایا۔

حضرت عائشہؓ اس گھر میں صابرہ و شاکر بن کر رہیں۔ معلم شریعتؐ سے علوم و معارف کا حاصل کرنا ان کا مشغلہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سیدہ عائشہؓ بالآخر صحابہ کرامؓ کے لیے ایک بہت بڑی معلمہ ثابت ہوئیں اور تشنگان علوم نبویہ بڑے بڑے ادق مسائل کے لیے آپؓ ہی کے حجرے کا رخ کرتے تھے۔

مَحبتِ زوجین:

ازدواجی زندگی میں میاں بیوی کی باہمی محبت وجاذبیت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے اس قدر محبت تھی کہ آپؐ اکثر پیار بھرے انداز میں ان کو ''حُمیرا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے (حُمیرا کا معنی ہے گوری رنگت والی خوبصورت عورت) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو یہ لقب عطاء فرمانا کمال درجہ کی محبت پر دال ہے۔

☆ اس طرح گھریلو زندگی میں بارہا ایسا موقعہ آیا کہ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کا جھوٹا پانی بلاتردد استعمال فرمایا بلکہ محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ پیالے کو وہیں سے منہ لگاتے جہاں سے حضرت عائشہؓ نے منہ لگایا ہوتا۔ اسی ہڈی کو چوستے جس کو حضرت عائشہؓ چوستی تھیں۔ (ابوداؤد)

☆ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے سوال کیا کہ آپؐ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ کو۔ پوچھنے والے نے عرض کی یارسول اللہ! مردوں کی نسبت سوال ہے آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا ''عائشہؓ کے ابا (حضرت ابوبکرؓ) کو'' (بخاری)

☆ ایک دفعہ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور تیزی سے بھاگ نکلا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا ''وَاعَرُوْسَاہُ'' ہائے میری دلہن (مسند احمد)

☆ ایک دفعہ سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم عائشہؓ کی ریس نہ کیا کرو۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے زیادہ محبوب ہے۔ (بخاری)

☆ صحابہ کرامؓ کو بھی بخوبی علم تھا کہ آپؐ حضرت عائشہؓ سے کس قدر محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ جس روز آپؐ کے قیام کی باری حضرت عائشہؓ کے ہاں ہوتی صحابہ کرامؓ قصداً اس دن آپؐ کے ہاں ہدیے اور تحفے بھیجتے تا کہ آپؐ زیادہ خوش ہوں۔ دوسری ازواج مطہرات کو اس سے ملال ہوا تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے حضرت فاطمہؓ کو بیچ میں ڈالا کہ آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کریں کہ وہ صحابہ کرامؓ کو حکم دیں کہ ہدیے اور تحفے معمول کے مطابق بھیجا کریں۔ یہ ایک دن مخصوص کر لینا درست نہیں ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ نے جب یہ سارا پیغام آپ تک پہنچایا تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا یَا بُنَیَّةُ اَلَا تُحِبِّیْنَ مَا اُحِبُّ؟ لخت جگر! جس سے میں محبت رکھوں کیا تم اس سے محبت نہیں رکھو گی؟ حضرت فاطمہؓ کے لیے اتنا ہی کافی تھا وہ واپس چلی آئیں۔ بالآخر دیگر ازواج مطہرات نے حضرت ام سلمہؓ کو اس کام کے لیے بھیجا انہوں نے موقعہ پا کر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ ازواج کا یہ مطالبہ پیش کیا تو آپؐ نے ناراض ہو کر ارشاد فرمایا یَا اُمَّ سَلَمَةَ لَا تُؤْذِیْنِیْ فِی عَائِشَةَ وَاللّٰہِ مَانَزَلَ عَلَیَّ الْوَحْیُ وَاَنَا فِیْ لِحَافِ اِمْرَأَۃٍ مِنْکُنَّ غَیْرِ ھَا (بخاری) کہ اے ام سلمہؓ! عائشہؓ کے بارے میں مجھے اذیت نہ دو۔ اللہ کی قسم عائشہؓ کا اتنا مقام ہے کہ میں اس کے بستر پر ہوتا ہوں تو وحی نازل ہوتی ہے۔

حضرت ام سلمہؓ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئیں اور سمجھ گئیں کہ عائشہؓ فقط رسول اللہ کو محبوب نہیں بلکہ یہ تو اللہ کو بھی محبوب ہے۔

گرامی قدر سامعین! جس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہؓ سے محبت رکھتے تھے اسی طرح حضرت عائشہؓ بھی آپؐ سے کمال درجہ کی محبت رکھتی تھیں جس کی مثالیں حدیث کی کتب میں بکثرت موجود ہیں۔

☆ بار ہا ایسے مواقع آئے کہ حضرت سیدہ عائشہؓ رات کو بیدار ہوئیں تو آپؐ کو بستر پر نہ پایا تو بے قرار ہو گئیں اور آپ کو تلاش کرنے لگیں۔ ایک دفعہ اسی طرح اندھیرے میں آپ کو تلاش کر رہی تھیں دیکھا کہ آپؐ عبادت میں مصروف ہیں اپنے قصور پر نادم ہو کر عرض کرنے لگیں میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس عالم میں ہیں؟

☆ ایک دفعہ تو اسی طرح آپ کو تلاش کرتے کرتے اور آپ کی خوشبو محسوس کرتے کرتے قبرستان میں پہنچ گئیں۔ دیکھا کہ آپؐ دعاء و استغفار میں مشغول ہیں۔ فوراً نادم ہو کر واپس آ گئیں اور صبح کو آپؐ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا ہاں رات کو کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم ہوتی تھی وہ تم ہی تھیں؟ عرض کیا ہاں میں ہی تھی۔

☆ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ آپؐ کا معمول تھا کہ اپنے اونٹ کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور جب پڑاؤ ہوتا تو حضرت عائشہؓ کے محمل میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے کہا کہ عائشہؓ! آج ہم اپنا اونٹ تبدیل نہ کر لیں؟ آپؐ اس اونٹ کی سواری کریں میں آپ کے اونٹ کی سواری کرتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے سادگی سے بلا تامل اس پیش کش کو قبول کر لیا۔

اب منظر یہ تھا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی اونٹ کے ساتھ ساتھ اپنی سواری کو چلاتے جا رہے تھے۔ اور پھر جب قافلہ نے پڑاؤ کیا تو آپؐ حسب معمول اسی محمل میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ حضرت حفصہؓ موجود ہیں آپؐ نے وہیں قیام فرما لیا۔ ادھر حضرت سیدہ عائشہؓ آپؐ کی تشریف آوری کی شدت سے منتظر تھیں۔ جب آپ تشریف نہ لائے تو اتنی بے قرار ہو گئیں کہ ضبط نہ کر سکیں اور

محل سے نکل کر بے اختیار آنسو بہانا شروع کر دیے۔ پھر اپنے دونوں پاؤں گھاس میں رکھ کر کہنے لگیں یَا رَبِّ سَلِّطْ عَلَیَّ عَقْرَبًا اَوْ حَیَّةً تَلْدِغُنِیْ رَسُوْلُکَ وَلَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ شَیْئًا (بخاری) خداوندا! میں ان کو تو کچھ کہہ نہیں سکتی وہ تو تیرے رسول ہیں۔ میری طرف کوئی بچھو یا سانپ بھیج دے جو مجھے ڈس لے اور میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ کیونکہ مجھ سے آپ کا یہ فراق برداشت نہیں ہو سکتا۔

☆ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نعل مبارک کو پیوند لگا رہے تھے حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ آپؐ کی پیشانی مبارک پر پسینہ کے قطرات نمودار ہیں اور ان کے اندر ایک نور سا جھلک رہا ہے۔ حضرت عائشہؓ اس حسین منظر میں کھو گئیں اور برابر دیکھنے لگیں۔ آپؐ نے جب نظر اٹھا کر دیکھا تو پوچھا کہ عائشہؓ! حیران سی ہو کر کیا دیکھ رہی ہو؟ عرض کرنے لگیں کہ آپؐ کے پسینے کے قطروں کے حسن سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔ بخدا آج اگر ابوکبیر ہذلی آپ کو دیکھ پاتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ اس کے اشعار کے صحیح مصداق آپؐ ہی ہیں۔ پھر آپؐ کے فرمان پر اس کے یہ شعر پڑھ کر سنا دیے۔

وَمُبَرَّءٍ مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حِیْضَةٍ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءِ مُغِیْلِ
وَاِذَا نَظَرْتَ اِلٰی اَسِرَّةِ وَجْهِهٖ بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

وہ اپنی ماں کے تمام عوارضات شکم سے اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہے۔ جب تم اس کی پیشانی کی سلوٹوں کو دیکھو تو وہ برستے بادلوں کی چمکتی ہوئی بجلیوں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ اشعار سن کر اتنے خوش ہوئے کہ ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ رکھ دیا اور حضرت عائشہؓ کو محبت بھری نگاہ سے دیکھ کر فرمایا مَا سَرَرْتِ مِنِّیْ

كَسُرُوْرِيْ بِشَكِّكِ عائشہ! تو مجھے دیکھ کر اتنی خوش نہیں ہوئی جتنا میں تیرا کلام سن کر خوش ہوا ہوں۔ (مدارج السالکین)

☆ حضرت عائشہؓ نے جب قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ پڑھا' مصر کی عورتوں کا حضرت یوسفؑ کے حسن سے متاثر ہو کر انگلیاں کاٹنے کا ذکر پڑھا تو بے اختیار بول پڑیں۔

لَوَاٰمِيْ زُلَيْخَا لَوْرَاَيْنَ جَبِيْنَهٗ لَاٰثَرْنَ بِقَطْعِ الْقُلُوْبِ عَلَى الْيَدِ

کہ اگر وہ عورتیں میرے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال دیکھ لیتیں۔ آپؐ کی جبین اطہر کی سلوٹوں کو دیکھ لیتیں تو یقیناً اپنے دلوں کو چیر دیتیں۔

☆ یہود بے بہود کی عادت تھی کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت دینے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ وہ آپؐ کی مجلس میں آ کر سلام کرتے تو اس میں بھی خبث باطن کا اظہار کرتے اور جلدی میں کہتے اَلسَّامُ عَلَيْكَ (تم پر موت آئے) آنحضرتؐ ان کے جواب میں فرماتے وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی)۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کسی یہودی کی زبان سے یہ الفاظ سن لیے تو ضبط نہ کر سکیں غصہ کے عالم میں تنگ کر جواب دیا وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ تم پر موت ہو اور لعنت بھی ہو۔

معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر بھی حضرت عائشہؓ کو درس اخلاق دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مَهْلاً يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ عائشہ تجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی اور اعتدال کو پسند کرتا ہے' جو میں نے کہہ دیا وہی ان کے لیے کافی تھا (بخاری)

☆ گھریلو زندگی میں بعض اوقات شکر رنجی بھی ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہوتو مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ عرض کرنے لگیں وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا عام حالات میں تم جب قسم اٹھاتی ہوتو کہتی ہو لَا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ مجھے رب محمد کی قسم۔ اور جب ناراض ہوتی ہوتو کہتی ہو لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِیْمَ مجھے حضرت ابراہیمؑ کے رب کی قسم۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سنا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگیں لَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَکَ اے اللہ کے پیغمبر! صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔ دل میں تو آپ ہی کی محبت کا دریا موجزن ہوتا ہے (مسلم)۔

فرمانِ رسولؐ:

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ان غیر معمولی خوبیوں کو دیکھ کر آپؐ نے ارشاد فرمایا کَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ کَثِیْرٌ وَ لَمْ یَکْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْیَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَ آسِیَةُ امْرَءَةُ فِرْعَوْنَ وَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَی النِّسَاءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری) کہ مردوں میں تو بہت سے لوگ کامل ہوئے اور اللہ کے ولی ہوئے ہیں مگر عورتوں میں چند ہی کامل عورتیں گزری ہیں۔ ایک عمران کی بیٹی مریم اور ایک فرعون کی بیوی آسیہ۔ اور عائشہ کو سب عورتوں پر اس طرح فضیلت و برتری حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔

(ثرید عرب کا ایک کھانا ہے جسے تمام کھانوں سے افضل و اعلیٰ سمجھا جاتا ہے)

جبریلؑ کے سلام:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ عظیم عورت ہیں کہ جن کو روح الامین نوریوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام نے سلام عقیدت پیش کیا۔ خود فرماتی ہیں کہ ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ارشاد فرمایا یَا عَائِشُ هٰذَا جِبْرِیْلُ یُقْرِئُکِ السَّلَامَ کہ اے عائشہ! یہ جبریل امین تجھے سلام پیش کرتا ہے۔ فرماتی

ہیں کہ میں نے جواباً کہا وَعَلَیْہِ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ (بخاری)

علم و فضل:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت و رفاقت میں رہ کر حضرت سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے علمی اعتبار سے بہت بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ آپؓ نے بہت بڑا علمی ذخیرہ امت تک پہنچایا ہے۔ کثیر الروایت صحابہ کرامؓ میں سے آپ چھٹے نمبر پر ہیں۔ آپؓ کی کل روایتوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے جن میں سے دو سو چھیاسی احادیث صحیحین میں داخل ہیں۔

کثرت روایت کے ساتھ ساتھ آپؓ کے اندر تفقہ اور قوت استنباط کی خوبی بھی بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ آپؓ کی روایات کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ آپؓ جن احکام و واقعات کو نقل کرتی ہیں اکثر ان کے علل و اسباب بھی بیان کرتی ہیں۔ بڑے بڑے اجلہ صحابہ کرامؓ آپؓ کے شاگرد تھے جن میں چند قابل ذکر نام یہ ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ۔ حضرت ابن عمرؓ۔ حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ حضرت زید بن خالد جہنیؓ۔ حضرت ربیعہؓ بن عمر۔ حضرت سائبؓ بن یزید۔ حضرت حارثؓ بن عبداللہ۔

علاوہ ازیں تابعین میں سے اس عہد کے تمام علماء حدیث آپؓ کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔ علماء کرام نے تقریباً ڈیڑھ دو سو تابعین کے نام ذکر فرمائے ہیں جنہیں آپؓ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ اسی طرح عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے بھی آپؓ سے کسب فیض کیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہؓ کے علمی مقام کو بھانپ گئے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا خُذُوْا شَطْرَ دِیْنِکُمْ عَنْ حُمَیْرَا (ابن اثیر) کہ اپنے دین کا آدھا حصہ حضرت عائشہؓ سے حاصل کرو۔

آپؓ شاعری میں بھی اچھی دستگاہ رکھتی تھیں۔ آپؓ کو جاہلی اور اسلامی دور کے بہت سے شعراز بر تھے۔ احادیث کی کتب میں آپؓ کی زبانی بہت سے اشعار مروی ہیں۔ آپؓ کے شاگرد کہا کرتے تھے کہ ہمیں حضرت عائشہؓ کے شاعرانہ ذوق پر تعجب نہیں ہے کیونکہ آپؓ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور حضرت ابوبکرؓ شعر و سخن کے جوہر شناس تھے۔

آپؓ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ آپؓ کے شاگرد حضرت موسیٰ ؒ بن طلحہ فرماتے ہیں مَارَأَيْتُ اَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ. کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ فصیح اللسان کوئی نہیں دیکھا۔

صحیح بخاری میں آپؓ کی زبانی ام زرع کا جو اخلاقی قصہ مذکور ہے اس کا ایک ایک لفظ عربی ادب کا شاہکار ہے۔

علاوہ ازیں علم تاریخ، علم طب، علم کلام، علم عقائد اور علم اسرار الدین کے اعتبار سے بھی آپؓ کا مقام انتہائی نمایاں نظر آتا ہے۔

اَخلاق و عادات:

آپؓ نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیر تربیت کاشانہ نبوت میں بسر کیا جس کی وجہ سے آپؓ کے اخلاق و عادات میں ایک امتیازی نکھار پیدا ہوا۔ آپؓ انتہائی صابر، شاکر، فیاض، قانع رحیم اور عبادت گزار تھیں۔ علاوہ ازیں آپؓ انتہائی خود دار تھیں کسی کا احسان بہت کم قبول کرتی تھیں۔ اگر قبول کر لیتیں تو اس کا معاوضہ ضرور ادا کرتی تھیں۔

مزید برآں آپ نہایت شجاع اور دلیر بھی تھیں غزوہ احد اور غزوہ خندق میں بہت سی خدمات بلا خوف و خطر انجام دیں۔ جنگ جمل میں وہ جس شان سے فوجوں کو لائیں وہ ان کی طبعی شجاعت کا ایک بین ثبوت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ آپؓ انتہائی رقیق القلب بھی تھیں خشیت الٰہی سے دل معمور تھا۔

☆ ایک دفعہ دجال کا خیال آیا تو اتنی رقت طاری ہوئی کہ رونے لگیں۔

☆ ایک دفعہ کسی بات پر قسم کھائی لوگوں کے اصرار پر قسم توڑنا پڑی تو اس کے کفارے میں چالیس (۴۰) غلام آزاد کیے۔

☆ ایک دفعہ ایک سائلہ اپنے دو بچوں سمیت آپؓ کے گھر آئی آپؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں اس نے ایک ایک کھجور بچوں کو دی اور تیسری اپنے منہ میں ڈالنے لگی تو بچوں نے حسرت سے دیکھا۔ ماں نے وہ کھجور بھی آدھی آدھی کر کے دونوں میں بانٹ دی اور خود کچھ نہ کھایا۔ ماں کی محبت اور اس کی بیکسی دیکھ کر آپؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

اکثر عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں تہجد باقاعدگی سے ادا کرتی تھیں رمضان المبارک میں تراویح کا بھی خصوصی اہتمام کرتی تھیں۔ اکثر روزے رکھتی تھیں بلکہ بعض روایات میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں۔ حج کی بہت زیادہ پابندی فرماتی تھیں۔ غلاموں کو آزاد کرنا آپؓ کا شیوہ تھا آپؓ کے کل آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سڑسٹھ (۶۷) ہے۔

پردہ کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ ہمیشہ اپنے شاگردوں کو پردہ میں رہ کر تعلیم دیتی تھیں۔ ایک دفعہ حج کے موقعہ پر محض اس لیے حجر اسود کو بوسہ نہ دیا کہ وہاں مردوں کا ہجوم ہے۔ طواف کی حالت میں بھی چہرہ پر نقاب ڈال کر رکھتی تھیں۔ اکثر طواف رات ہی کو کرتی تھیں۔ اگر کبھی دن کو طواف کا موقعہ پیش آتا تو خانہ کعبہ مردوں سے خالی کرالیا جاتا تھا۔

آپؓ کے اخلاق کا امتیازی جوہر آپؓ کی سخاوت اور فیاضی ہے۔ فقراء

اور اہل حاجت کی اعانت کرنا آپؓ کا خاص شیوہ تھا۔ اس سلسلہ میں اکثر اوقات سے قرض لیکر بھی فقراء کی امداد کرنے سے دریغ نہ کرتی تھیں۔ اس لیے آپؓ اکثر مقروض رہتی تھیں۔

فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپؓ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ آپؓ نے شام ہونے سے پہلے پہلے وہ سارا مال فقراء میں تقسیم فرما دیا حتیٰ کہ ایک حبہ بھی باقی نہ رہنے دیا۔ اتفاقاً اس دن آپؓ کو روزہ تھا جب افطار کا وقت آیا تو آپؓ کے گھر میں افطاری کے لیے سوائے پانی کے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ آپؓ کی لونڈی نے عرض کیا کہ آج آپؓ کے پاس اتنا مال آیا اور آپؓ نے تقسیم کر دیا۔ اگر ایک درہم رکھ لیتیں تو کیا اچھا ہوتا! فرمایا یہ پہلے یاد کرایا ہوتا۔

اسی طرح آپؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک موقعہ پر آپؓ کی خدمت میں رقم کی دو بوریاں بھیجیں آپ نے وہ ساری رقم شام سے پہلے پہلے تقسیم کرا دی اتفاقاً اس دن بھی آپؓ کو روزہ تھا اور مغرب کے وقت افطاری کے لیے کچھ نہ بچا۔ لونڈی کو افطاری لانے کو کہا تو وہ کہنے لگی کہ ام المومنین! اگر آپؓ اس رقم سے تھوڑا سا گوشت منگوا لیتیں تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ فرمایا اب ملامت نہ کرو تم نے اس وقت کیوں یاد نہیں دلایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اکثر آپؓ کی خدمت کرتے اور آپؓ کی ضروریات کے لیے رقم وغیرہ بھیجا کرتے تھے۔ آپؓ اپنی فیاضی کی وجہ سے وہ رقم جلد ہی فقراء میں تقسیم فرما دیتیں اور خود فقر و فاقہ میں گزارہ کرتی تھیں۔ آپؓ کی اسی فیاضی کو دیکھ کر ابن زبیر گھبرا گئے اور کہہ دیا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ حضرت عائشہؓ کو جب ان کے ارادے اور الفاظ کا علم ہوا تو آپ سخت برہم ہوئیں

اور قسم کھالی کہ اب ابن زبیرؓ سے کبھی بات نہ کروں گی اور نہ ہی اس کا کوئی ہدیہ قبول کروں گی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے۔ بڑی بڑی سفارشیں کرائیں آخر بڑی مشکل سے ان کو معاف فرمایا۔

تاثرات صحابہؓ و تابعینؒ :

☆ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مَااَشْکَلَ عَلَیْنَا اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثٌ قَطُّ فَسَاَ لْنَا عَائِشَۃَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَھَا مِنْہُ عِلْمًا (ترمذی) کہ ہم اصحاب محمد کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کے بارے میں ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق ہمیں معلومات نہ ملی ہوں۔

☆ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ تابعی فرماتے ہیں کَانَتْ عَائِشَۃُ اَفْقَہَ النَّاسِ وَ اَعْلَمَ النَّاسِ وَ اَحْسَنَ النَّاسِ رَأْیًا فِی الْعَامَّۃِ (مستدرک حاکم) کہ حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

☆ امام زہریؒ فرماتے ہیں کَانَتْ عَائِشَۃُ اَعْلَمَ النَّاسِ یَسْاَ لُھَا الْاَکَابِرُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (طبقات ابن سعد) کہ حضرت عائشہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔

☆ حضرت عروہؓ بن زبیر فرماتے ہیں مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْآنِ وَلَابِفَرِیْضَۃٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَلَابِفِقْہٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَلَا بِطِبٍّ وَلَا بِحَدِیْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَۃَ (زرقانی) کہ میں نے قران کریم فرائض حلال و حرام فقہ شاعری طب عرب کی تاریخ اور نسب کا حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر عالم

کسی کو نہیں دیکھا۔

☆ امام زہریؒ فرماتے ہیں لَوْجُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ وَعِلْمُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْسَعَهُمْ عِلْمًا (مستدرک) کہ اگر تمام مردوں اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم ان میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔

علمِ قرآن:

گرامی قدر سامعین! آپ سن چکے ہیں کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام کتنا بلند تھا۔ اب میں آپ کے سامنے ان کے قرآنی علم کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

☆ قرآن مجید کی آیت ہے إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (بقرہ) صفا اور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں۔ پس جو آدمی خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر ان کا بھی وہ طواف کرے۔ آپؓ کے بھانجے حضرت عروہؓ نے آپؓ سے سوال کیا کہ خالہ جان! اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان پہاڑیوں کا طواف (سعی) نہ بھی کرے تو کچھ حرج نہیں ہے یعنی اس آیت سے سعی بین الصفا والمروہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا صرف اباحت ثابت ہوتی ہے۔

آپؓ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تم نے آیت کا مطلب ٹھیک نہیں سمجھا اگر آیت کا وہ مطلب ہوتا جو تم نے سمجھا ہے تو عبارت یوں ہوتی لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا اگر کوئی ان کا طواف (سعی) نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ آپؓ نے مزید ارشاد فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ صفا اور مروہ پر رکھے گئے بتوں کی تعظیم اور عبادت کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ صفا اور مروہ کی

تعظیم انہی بتوں کی وجہ سے ہے۔ اسلام کی آمد کے بعد اگرچہ بت توڑ دیے گئے مگر پھر بھی صحابہ کرامؓ کے دل ان پہاڑیوں کے طواف سے منقبض ہوئے کہ یہ تو شرک کے اڈے رہے ہیں۔ اب ان کی تعظیم کیوں کی جائے؟

اس شبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو شعائر اللہ ہیں اوران کا طواف سنت ابراہیمی ہے۔ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں حضرت عائشہؓ نے کتنے خوبصورت انداز میں بہت بڑا عقدہ حل فرما دیا۔

☆ اسی طرح قرآن مجید کی ایک آیت ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ (نساء) اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو۔ آپؓ کے ایک شاگرد نے سوال کیا کہ آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑے میں باہم کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔ یتیموں کے حقوق میں ناانصافی اور عورتوں سے نکاح میں کیا مناسبت ہے؟

آپؓ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں سے موروثی رشتہ داری ہونے کی وجہ سے ان کے ولی بن جاتے ہیں اور پھر زبردستی انہیں اپنے نکاح میں لے کر ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیتے ہیں چونکہ ان لڑکیوں کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لیے ان کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہیں ڈر ہو کہ ہم ان یتیم لڑکیوں سے انصاف نہ کرسکیں گے تو پھر ان کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح کرلو۔ اس طرح تم شعوری اور لاشعوری انداز میں ناانصافی سے بچ جاؤ گے۔

☆ اسی طرح قرآن مجید کی ایک آیت ہے وَاِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِھَا

نُشُوْزاً اَوْ اِعْرَاضاً فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا الخ (نساء)

کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے ناراضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کرلیں۔

اس آیت کے بارے میں بھی جب آپؓ سے پوچھا گیا تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ درحقیقت یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں ہے۔ یا بیوی اس عمر کو پہنچ گئی ہے کہ شوہر کی خدمت کے قابل نہیں رہی۔ اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور بیوی رہ کر شوہر کو اپنے حق سے سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت قطعی علیحدگی سے بہر حال بہتر ہے۔

علمِ حدیث:

گرامی قدر سامعین جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو قرآنی علوم سے بہرہ مند فرمایا اسی طرح آپؓ علم حدیث میں بھی کمال درجے کی مہارت رکھتی تھیں۔

☆ صحابی رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہن لیے اور وجہ اس کی یہ بتائی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان جس لباس میں مرتا ہے اسی میں اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا رَحِمَ اللهُ اَبَا سَعِيْدٍ کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوسعید پر رحمت نازل کرے حدیث کا مطلب نہیں سمجھے۔ درحقیقت اس حدیث میں لباس سے مراد انسان کے اعمال ہیں کہ آدمی جن اعمال میں مرے گا انہی میں اٹھے گا۔ یعنی قیامت تک اسے ان اعمال کا ثواب ملتا رہے گا۔ ورنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ لوگ قیامت

کے دن برہنہ اٹھیں گے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَھْلِہٖ کہ مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی تو آپؐ نے اس کے ظاہری مفہوم کو ماننے سے انکار کر دیا اور بیان فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک یہودی عورت کے جنازہ سے گزرے اور اس کے اہل خانہ اس پر واویلا کر رہے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ تو اس پر واویلا کر رہے ہیں اور اس کی خوبیاں اور فضائل بیان کرتے ہوئے نوحہ خوانی کر رہے ہیں حالانکہ اس کو عذاب ہو رہا ہے۔

پھر آپؐ نے دلیل کے طور پر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل) کہ کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ حضرت ابن عمرؓ نے جب ان کا یہ استدلال سنا تو خاموش ہو گئے۔

☆ غزوہ بدر کے موقعہ پر جب مشرکین کی لاشوں کو آپؐ نے ایک کنویں میں ڈال کر ان سے فرمایا اِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَھَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّکُمْ حَقًّا کہ ہمارے ساتھ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ہم نے اس کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ مردوں سے آپؐ کا یہ خطاب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپؐ مردوں سے کلام کر رہے ہیں؟ کیا یہ سن رہے ہیں؟ تو بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْھُمْ کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ روایت سنی تو ارشاد فرمایا کہ یہ تو ظاہر قرآن کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد

فرمایا تھا اِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ الْآنَ اَنَّ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ کہ وہ اس وقت جان رہے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا ہوں وہ سچ ہے۔

اس کے بعد حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کی یہ آیت بطور استدلال پڑھی (۱) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اے پیغمبر تو مردوں کو بات نہیں سنا سکتا۔ (۲) وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں سنا سکتے۔

اسی لیے حضرت قتادہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر کے لیے ان کو زندہ کر دیا تھا اور انہوں نے آپ کی بات سن لی تھی۔ یعنی یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا اور اسی وقت کے لیے خاص تھا "اَلْآنَ" کا لفظ واضح طور پر معجزہ کی نشان دہی کر رہا ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ نے سنا کہ کس طرح حضرت عائشہؓ نے احادیث کی تشریح فرما کر بڑے بڑے اشکالات حل کر دیے۔ یہ ان کے تبحر علمی کی واضح دلیل ہے۔

مسروق تابعیؒ کے سوالات:

حدیث کی کتب میں ہے کہ ایک موقعہ پر آپؓ کے ایک شاگرد حضرت مسروق تابعیؒ نے آپؓ سے تین سوالات کیے۔ آپؓ نے معاً ان تینوں سوالات کے جوابات قرآن مجید کی روشنی میں ارشاد فرما دیے۔

ان کا پہلا سوال یہ تھا هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهٗ؟ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنے رب کو دیکھا ہے؟ دوسرا سوال یہ تھا هَلْ كَتَمَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِّمَّا اُوْحِيَ اِلَيْهِ؟ کیا آپؐ نے اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی سے کچھ چھپایا بھی تھا؟ تیسرا سوال یہ

تھا۔ هَلْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ؟ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے۔

آپؓ نے یہ تینوں سوالات سن کر ارشاد فرمایا لَقَدْ قَفَّ شَعْرِیْ مِمَّا قُلْتَ؟ تیرے یہ سوالات سن کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر یوں گویا ہوئیں۔ مَنْ حَدَّثَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ کَذَبَ یعنی جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ آپؐ نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھ لیا تو اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔

پھر اس پر قرآن مجید کی آیت کو بطور دلیل پیش فرمایا فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰی لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الانعام) کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں بھی اسی طرح ارشاد فرمایا مَنْ حَدَّثَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کَتَمَ شَيْئًا مِمَّا اُوْحِیَ اِلَيْهِ فَقَدْ کَذَبَ کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر نازل ہونے والی وحی سے کچھ چھپا لیا تھا تو اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا پھر اس پر قرآن مجید کی یہ آیت بطور دلیل پیش فرمائی۔ فَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالٰی يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ) کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے آگے پہنچا دیجئے۔ اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے رسالت کا حق ادا نہ کیا

تیسرے سوال کے جواب میں فرمایا مَنْ حَدَّثَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ کہ جو شخص کہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت بطور دلیل پیش فرمائی فَقَدْ قَالَ اللہُ تَعَالٰی قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللہُ (النمل) کہ اعلان فرما دیں کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

گرامی قدر سامعین! ان تینوں سوالات کے جوابات پر غور کریں تو آپ کو حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وسعت علمی کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ان کی قرآن فہمی اور قرآن دانی اسی ایک واقعہ سے عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اس ماں کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(آمین)



۳:- شانِ عائشہ صدیقہؓ (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصاً عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورۃ نور) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آپ کے سامنے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب عرض کیے جا رہے ہیں۔ آپؓ کی زندگی میں بعض ایسے اہم واقعات بھی رونما ہوئے ہیں کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا اور وہ حالات و واقعات قرآن کا حصہ بن گئے۔ میں اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف تین واقعات آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔

واقعہ تیمّم:

آپؓ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک سفر میں آپؓ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھیں۔ راستہ میں ایک مقام پر قافلہ تھوڑی دیر کے لیے رکا تو آپؓ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئیں۔ واپسی پر دیکھا کہ گلے میں جو ہار تھا وہ کہیں گر گیا ہے۔ آپؓ نے اس کے متعلق فوراً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع کیا تو آپؐ نے قافلے کو مزید رکنے کا حکم دیا۔ اور بعض صحابہ کرام کو ہار کی تلاش کے لیے روانہ فرما دیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس منزل پر پانی بالکل موجود نہ تھا۔ ہار کی تلاش میں کافی دیر ہوگئی اور نماز کا وقت قریب آ گیا۔ صحابہ کرامؓ انتہائی پریشان ہوئے کہ وضو وغیرہ کے لیے پانی بالکل موجود نہیں ہے اور نماز تو ضائع ہو جائے گی۔ بعض لوگوں نے گھبرا کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ گلا دیا کہ دیکھیں جی! آپ کی بیٹی کے ہار کی وجہ سے پورا قافلہ پریشان ہے۔ نماز ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ شکوہ سن کر غصے کے عالم میں سیدہ حضرت عائشہؓ کے ہاں پہنچے۔ حالت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانو پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کو سخت الفاظ میں ڈانٹا حتیٰ کہ ان کے پہلو میں کئی ضربیں بھی لگائیں۔ درد کی وجہ سے حضرت عائشہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر آپؓ نے اپنے وجود کو حرکت نہ دی کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ آئے۔

اتفاق کی بات ہے کہ تلاش بسیار کے بعد بھی وہ ہار نہ ملا اور نماز کا وقت انتہائی تنگ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے موقعہ کی مناسبت سے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ایک سہولت دے دی اور تیمم کا حکم نازل فرما دیا۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ الخ (نساء) کہ اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا قضائے حاجت کی ہے یا عورتوں سے مقاربت کی ہے اور تمہیں پانی میسر نہیں ہے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے کچھ منہ اور ہاتھوں پر پھیر لو۔

صحابہ کرامؓ اس رعایتی حکم کو سن کر انتہائی خوش ہوئے اور حضرت عائشہؓ کو دعائیں دینے لگے۔ بعض صحابہؓ جوش مسرت میں کہہ رہے تھے مَاهِيَ بِأَوَّلِ

بَرَکَتِکُمْ یَا آلَ اَبِیْ بَکْرٍ کہ اے ابوبکرؓ کے گھر والو! اسلام میں تمہاری وجہ سے یہ پہلی برکت نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی کئی برکات کا نزول ہو چکا ہے۔

ہوں میرے ماں باپ قربان اس مقدس نام پر
عائشہؓ کے سینکڑوں احسان ہیں اسلام پر

حضرت صدیق اکبرؓ جو ابھی ابھی غصہ کے عالم میں اپنی بیٹی کو ڈانٹ رہے تھے اب فرمانے لگے جان پدر! مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اس قدر مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تیری وجہ سے مسلمانوں کو کتنی بڑی رعایت سے نوازا ہے!

بعد ازاں قافلہ کی روانگی کے لیے جب وہ اونٹ اٹھایا گیا جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا ملا۔ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں فَبَعَثْنَا الْبَعِیْرَ الَّذِیْ کُنْتُ عَلَیْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ (بخاری)

گرامی قدر سامعین! اس واقعہ سے جہاں حضرت عائشہؓ کی فضیلت و عظمت ظاہر ہوتی ہے وہاں مسئلہ علم غیب بھی حل ہو گیا کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے غیب جاننے والا کوئی نہیں ہے۔

واقعہ ایلاء:

جب عرب کے ایک حصہ پر آپ کا حکومتی اقتدار قائم ہو گیا اور اطراف و اکناف سے مال غنیمت مدینہ منورہ آنے لگا تو صحابہ کرامؓ کے گھروں کے حالات بدل گئے۔ عسرتیں اور فاقے ختم ہونے لگے اور رفاہیت کا دور دورہ ہو گیا۔ مگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھروں کا وہی پرانا نقشہ قائم رہا۔ وہی فقر و فاقہ، وہی زہد و قناعت بحالہ موجود رہی۔

ازواج مطہرات نے باہم مشورہ کر کے آپؐ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس مطالبہ سے اس حد تک کبیدہ خاطر

ہوئے کہ آپؐ نے ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لیے ترک تعلق فرمالیا۔ اور ایک بالاخانہ میں قیام پذیر رہے۔ اس صورت حال سے مخلص مسلمان انتہائی پریشان تھے اور ازواج مطہرات کی حالت تو دگرگوں تھی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک ایک دن گنتی رہی کہ کب مہینہ پورا ہوتا ہے؟ بالآخر جب ۲۹ دن گزر گئے تو آپؐ بالاخانہ سے اتر آئے۔ اسی موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر نازل فرمائی کہ آپؐ اپنی بیویوں کے سامنے اس طرح دو ٹوک بات رکھیں یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۔ وَاِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (احزاب) یعنی اگر تم میرے گھر میں یہ فقر و فاقہ برداشت نہیں کر سکتیں اور تم دنیا کا عیش و آرام اور آسائش و زیبائش کی خواہاں ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دنیاوی فائدہ پہنچا دوں۔ لیکن پھر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھنا گوارا نہ کروں گا وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا یعنی طلاق دیکر باعزت رخصت کر دونگا۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی رضا، اور آخرت کا عیش و آرام مطلوب ہے تو پھر میرے ہاں انہی عُسرتوں اور فاقوں میں گزارہ کرنا ہوگا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ خدائی حکم لیکر سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے ہاں پہنچے اور فرمایا کہ عائشہؓ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں اس کا جواب خوب سوچ سمجھ کر اور اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔ پھر آپؐ نے مذکورہ آیات پڑھ کر سنادیں۔

آیات سنتے ہی حضرت عائشہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگیں اَوَفِیْ ھٰذَا اَسْتَأْمِرُ اَبَوَیَّ کہ کیا میں اس معاملہ میں اپنے ماں باپ سے

مشورہ کروں گی؟ اِخْتَرْتُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اے اللہ کے رسول! میں نے اللہ تعالیٰ اور آپ ہی کو چن لیا۔ فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَۃَ میں نے اللہ و رسول اور دار آخرت کو پسند کرلیا۔ پھر عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! میرا یہ جواب دوسری بیویوں کو نہ بتایئے گا۔ بھلا وہ کیا کہتی ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا عائشہؓ! میں معلم بن کر آیا ہوں جابر بن کر نہیں آیا۔

بعد ازاں آپؐ تمام بیویوں کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کے سامنے یہ دونوں باتیں رکھیں سب بیویوں نے پوچھا کہ اس معاملہ میں حضرت عائشہؓ نے کیا کہا ہے؟ آپؐ نے صاف بات بتا دی تو سب یہ کہتی چلی گئیں کہ ہمارا بھی وہی جواب ہے جو عائشہؓ کا ہے۔

واقعہ اِفک:

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا سب سے اہم اور مشہور واقعہ واقعہ افک ہے۔

نجد کے قریب مریسیع نامی بنی مصطلق کا ایک چشمہ تھا شعبان ۵ھ میں مسلمان اس چشمہ کے پاس ان سے معرکہ آرا ہوئے۔ چونکہ یہ بات واضح تھی کہ یہاں کوئی خون ریز جنگ نہ ہوگی اس لیے منافقین کی ایک خاصی تعداد فوج میں شریک ہوگئی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ جب کسی سفر میں جاتے تو ازواج مطہرات میں سے جس کے نام قرعہ نکلتا اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ اس سفر میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ آپؐ کے ساتھ تھیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر تقریباً ۱۴ سال تھی چلتے وقت اپنی بہن حضرت اسماءؓ کا ہار عاریتاً لے کر پہن لیا تھا۔ ہار کی لڑیاں اتنی کمزور تھیں کہ ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ چونکہ پردہ کا حکم نازل ہو

چکا تھا اس لیے ہودج میں سوار کی جاتی تھیں۔ ساربان محمل اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے اور چل پڑتے تھے۔ ایک تو آپؓ کم سن تھیں۔ دوسرا اتنی دبلی اور ہلکی پھلکی تھیں کہ محمل اٹھانے میں ساربانوں کو مطلق محسوس نہ ہوتا تھا کہ اس میں کوئی سوار ہے یا نہ؟

سفر سے واپسی پر کئی بار منافقین نے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے شرارتیں کیں۔ ایک دفعہ تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے پانی کے ایک معمولی تنازعہ پر انصار کو اتنا مشتعل کیا کہ قریب تھا کہ مہاجرین و انصار باہم لڑ پڑیں۔ بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔

ایک جگہ رات کو قافلہ نے پڑاؤ کیا۔ رات کے پچھلے پہر پھر روانگی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ قضائے حاجت کے لیے قافلہ سے ذرا دور نکل کر باہر آڑ میں چلی گئیں۔ فارغ ہو کر آ رہی تھیں کہ گلے میں ہاتھ پڑ گیا دیکھا تو ہار نہ تھا۔ ایک تو کم عمری دوسرا مانگے کی پرائی چیز' گھبرا کر وہیں ڈھونڈنے لگیں۔ ان کو یقین تھا کہ قافلہ کی روانگی سے قبل ہی ہار ڈھونڈ کر واپس آ جاؤں گی' اس بناء پر کسی کو اس بات کی اطلاع دینا مناسب نہ سمجھا۔

قافلہ اپنے وقت پر چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ ساربان حسب معمول محمل کو اونٹ پر رکھ کر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ انہیں محمل اٹھاتے ہوئے یہ محسوس بھی نہ ہوا کہ محمل خالی ہے۔ بالآخر کچھ وقت کے بعد آپؓ کو گم شدہ ہار مل گیا تو لشکر گاہ پر آئیں۔ یہاں تو سناٹا تھا۔ سب لوگ روانہ ہو چکے تھے۔ مجبوراً چادر لپیٹ کر یہاں لیٹ گئیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب اگلے پڑاؤ پر مجھے موجود نہ پائیں گے تو لازماً اسی جگہ میری تلاش کے لیے آئیں گے۔

حضرت صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو قافلہ کی گری

بڑی چیزوں کے اٹھانے کے لیے اور حفاظت لشکر کے لیے پیچھے چلنے پر مامور تھے صبح کو جب وہ پڑاؤ پر آئے تو دور سے کوئی شخص سویا ہوا نظر آیا۔ پردہ کے حکم کے نزول سے پہلے انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہوا تھا۔ پاس آئے تو فوراً پہچان لیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا اَنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

ان کی یہ آواز سن کر حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی فوراً چادر سے منہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ بٹھایا اور ان کو سوار کر کے مہار پکڑ کے اگلی منزل کے لیے روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں وَاللّٰهِ مَا كَلَّمَنِيْ كَلِمَةً وَّلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اِسْتِرْجَاعِهِ اللہ کی قسم! صفوانؓ نے مجھ سے بات تک کوئی نہیں کی۔ ان کی زبان سے سوائے انا للہ الخ کے میں نے کوئی اور کلمہ سنا ہی نہیں۔

گرامی قدر سامعین! یہ ایک معمولی واقعہ تھا جو سفر میں اکثر پیش آ سکتا ہے۔ حضرت صفوان جب اونٹ کی مہار پکڑے لشکر میں جا پہنچے تو منافقین نے واہی تباہی بکنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ اب حضرت عائشہؓ پاک دامن نہیں رہیں۔ مدینہ منورہ پہنچ کر بھی منافقین نے پوری قوت سے یہ پروپگنڈہ کیا۔ حتی کہ بعض مخلص مسلمان بھی اس پروپگنڈے سے متاثر ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کو ان حالات کا کچھ علم نہ تھا اتنا محسوس کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ میرے اوپر پہلے جیسی نہیں رہی۔

ایک رات مسطحؓ کی ماں کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ اسے ٹھوکر لگی اور اس کے منہ سے نکلا تَعِسَ مِسْطَحٌ کہ مسطح برباد ہو۔ حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ تم ایک مسلمان کو بددعا دیتی ہو؟ وہ بولی اے بھولی بھالی! تجھے خبر نہیں کہ وہ تیرے بارے میں کیا پروپگنڈہ کرتا پھرتا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے جب اس سے سارا واقعہ سنا تو جسم کانپنے لگا اور شدت سے بخار ہو گیا۔ آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہو گئے اور بغیر قضائے حاجت کے راستہ سے ہی واپس آ گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان سے میکہ جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے بلا تامل اجازت دے دی۔ میکے جا کر اس کے متعلق اپنی ماں سے سوال کیا تو انہوں نے تسلی دی کہ بیٹی رنج نہ کر جو عورت اپنے شوہر کے نزدیک بلند مرتبہ ہوتی ہے اس سے حسد کرنے والے حسد کیا کرتے ہیں۔ بعد ازاں ایک انصاریہ نے ان کو سارا واقعہ تفصیل سے بتایا تو سنتے ہی غش کھا کر گر پڑیں۔ والدہ نے سمجھایا اور تسلی دی۔ پھر ماں سے پوچھنے لگیں کہ کیا میرے باپ حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی اس سارے واقعہ کا علم ہے؟ والدہ نے اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگیں کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے سب لوگوں میں اس بات کا چرچا ہے اور تم نے مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ یہ کہتے ہوئے آپ کی چیخیں نکل گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ بالا خانے پر تلاوت کر رہے تھے ان کی چیخ سن کر نیچے آئے اور ان کی ماں سے دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اس کو واقعہ کی خبر ہو گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ مجھے اس شدت سے لرزہ آیا کہ میری والدہ ام رومانؓ نے گھر کے تمام کپڑے مجھ پر ڈال دیے۔ میری ساری رات روتے گزری' ایک لمحہ کے لیے بھی سکون نہ آیا۔

اگرچہ آپؓ کی بے گناہی مسلم تھی تاہم شریر لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیے تحقیق ضروری تھی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف صحابہؓ سے اس بارہ میں مشورہ کیا۔

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا هُمْ اَهْلُكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اے اللہ کے رسول! وہ آپؐ کے اہل خانہ ہیں۔ ان کی عصمت وعفت کا کیا پوچھنا! ان کی طہارت و پاکیزگی تو اظہر من الشمس ہے وَمَا نَعْلَمُ اِلَّا خَيْرًا ہم نے ان کے اندر سوائے خیر و خوبی اور بھلائی کے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپؐ کے رنج و غم اور حزن و ملال کے خیال سے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللهِ لَمْ يُضَيِّقِ اللهُ عَلَيْكَ . وَالنِّسَاءُ سِوَاهَا كَثِيْرٌ وَاِنْ تَسْأَلِ الْجَارِيَةَ تَصْدُقْكَ اے اللہ کے رسول! عورتوں کی آپؐ کے لیے کمی نہیں ہے۔ اگر آپؐ کے دل میں ملال ہے تو طلاق دے کر کسی اور عورت سے شادی کی جاسکتی ہے اور خادمہ سے پوچھ لیجیے۔ وہ یقیناً سچ سچ بتادے گی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادمہ بریرہ کو بلایا اور اس سے سوال فرمایا اَتَشْهَدِيْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ کیا تو گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ قَالَتْ نَعَمْ وہ بولی جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا میں تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں سچ سچ بتانا۔ پھر سوال فرمایا هَلْ رَأَيْتِ مِنْ عَائِشَةَ مَاتَكْرَهِيْنَهُ کیا تو نے عائشہؓ کے اندر کوئی خامی دیکھی ہے؟ بریرہ نے اس واقعہ کو اتنا مستبعد سمجھا کہ سمجھ ہی نہ سکی کہ مجھ سے کیا سوال ہو رہا ہے۔ بولی اور تو کوئی برائی نہیں بچپن ہے سوتی ہے تو بکری آٹا کھا جاتی ہے۔ پھر آپؐ نے ذرا صاف لفظوں میں سوال کیا تو کہنے لگی سبحان اللہ۔ خدا کی قسم! جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے اسی طرح میں ان کو جانتی ہوں۔ عائشہؓ کے اندر ذرہ برابر کھوٹ نہیں ہے وہ تو اس قسم کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

آپؐ نے ان کے بارے میں ان کی سوکن حضرت زینبؓ کی رائے بھی دریافت کی انہوں نے کانوں پر ہاتھ لگایا اور کہنے لگیں کہ عائشہؓ کے اندر بھلائی کے

سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح آپؐ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بھی سوال کیا تو انہوں نے بڑے عجیب انداز میں جواب دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا مَنْ زَوَّجَکَهَا کہ عائشہؓ کا انتخاب آپؐ کے لیے کس نے کیا ہے؟ آپؐ نے جواباً فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔ حضرت عمرؓ عرض کرنے لگے اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے وہ آپؐ کے لیے بدکردار بیوی کا انتخاب کیسے کرسکتا ہے؟ پھر سوال کیا کہ کیا آپؐ کے وجود پر گندی مکھی بیٹھتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ عرض کرنے لگے جو خدا آپؐ کے وجود پاک پر گندی مکھی نہیں بیٹھنے دیتا وہ آپؐ کے بستر پر بدکردار عورت کس طرح لاسکتا ہے؟ عائشہؓ تو اتنی پاکیزہ ہے کہ آپؐ خود فرماتے ہیں کہ میں عائشہؓ کے بستر پر ہوتا ہوں تو قرآن نازل ہوتا ہے۔ جو خدا عائشہ کو آپؐ کے گھر لایا۔ آپؐ کے گھر سے نکالنے کا حق بھی اسی کو ہے۔

پھر حضرت عمرؓ کہنے لگے مَایَکُوْنُ لَنَا اَنْ نَتَکَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ کہ ہماری تو یہ اوقات نہیں کہ اس معاملہ میں بات کریں یقیناً یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح اکثر صحابہ کرامؓ سے مشورہ کرنے کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے عبداللہ بن ابی منافق کا ذکر کر کے فرمایا۔ یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ یَّعْذُرُنِیْ مِنْ رَجُلٍ قَدْبَلَغَنِیْ اَذَاهُ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ اے گروہ مسلمین! کون ہے جو میری اس شخص کے مقابلہ میں مدد کرے جس نے مجھے میرے اہل بیت کے بارے میں ایذا پہنچائی ہے۔ یہ سن کر صحابہ کرامؓ کے اندر بڑا جوش وخروش پیدا ہوا۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے آنسو ایک منٹ کے لیے بھی نہیں تھمتے تھے۔ میری حالت اتنی ابتر ہو چکی تھی کہ ماں باپ سمجھتے تھے کہ اب اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

ایک دن میرے ماں باپ میرے قریب بیٹھے رو رہے تھے۔ انصار کی ایک عورت بھی آ گئی وہ بھی میری حالت زار دیکھ کر رونے لگی کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور میرے قریب آ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے یَا عَائِشَۃُ قَدْ بَلَغَنِیْ عَنْکِ کَذَا وَ کَذَا عائشہ مجھے تیرے بارے میں ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ فَإِنْ کُنْتِ بَرِیْئَۃً فَسَیُبَرِّئُکِ اللّٰہُ وَإِنْ کُنْتِ أَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِی اللّٰہَ ثُمَّ تُوْبِیْ إِلَیْہِ فَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبِہٖ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ عائشہؓ! اگر تو بے گناہ ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور تجھے بری کر دے گا۔ عائشہؓ! اگر تو نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لے کیونکہ گناہ گار بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں ارشاد فرمائیں تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ میرے محبوب شوہر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجھے ایسے کلمات کہہ سکتے ہیں۔ میں نے اپنے والد گرامی حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دیں۔ وہ کہنے لگے کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ جواب دیں۔ ماں نے بھی جواباً یہی کہہ دیا۔

پھر میں نے خود ہمت کر کے کہا کہ میں بالکل بری ہوں۔ لیکن یہ بات تمہارے دلوں میں اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں بری ہوں تو

تم یقین نہ کرو گے۔ حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔ اور اگر میں اس گناہ کا اعتراف کرلوں تو تم فوراً یقین کرلو گے۔

پھر میں نے روتے ہوئے کہا کہ آج غم و الم کی وجہ سے میری وہی حالت ہے جو حضرت یوسفؑ کے ابا کی تھی (فرماتی ہیں کہ سوچنے کے باوجود مجھے حضرت یعقوبؑ کا نام یاد نہ آ رہا تھا) آج میں بھی وہی کہتی ہیں جو انہوں نے کہا تھا اَشْکُوْبَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ یعنی میں اپنے غم و الم کی فریاد اللہ سے کرتی ہوں۔ میں بھی اسی طرح صبر کرتی ہوں جس طرح انہوں نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَاتَصِفُوْنَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی اثناء میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ میرے ماں باپ سخت پریشان تھے کہ خبر نہیں ہماری بیٹی کے بارے میں کیا حکم نازل ہوتا ہے؟ مگر میں مطمئن تھی۔

جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر مسرت و شادمانی کے آثار رونما ہونے اور آپؐ نے مسکراتے ہوئے پہلی بات جو مجھ سے فرمائی وہ یہ تھی۔ اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَۃُ فَقَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ بَرَاءَ تَکِ عائشہ تجھے مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرمادی۔

فرماتی ہیں کہ میری والدہ نے کہا عائشہؓ! اٹھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کر۔ مگر میرے اوپر ایسی بے خودی کی حالت طاری تھی کہ ماسوی اللہ سے نظر اٹھ گئی۔ میں نے ناز میں آ کر کہا "نہیں آج میں صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی"۔

فرماتی ہیں کہ اس وقت مجھے اتنا ہی معلوم تھا کہ میری پاکیزگی کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ دل میں خیال تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے مجمل انداز میں

گواہی دی ہے مگر یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں سورہ نور کی اٹھارہ آیات نازل فرمائی ہیں' جو قرآن کا حصہ بن گئی ہیں اور تلاوت کرنے والے ہمیشہ ان کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کی تلاوت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے خود محاکمہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (سورۃ نور) گندی عورتیں گندے مردوں ہی کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے۔ اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے۔ یہ لوگ اس سے پاک ہیں جو یہ منافق کہتے پھرتے ہیں ان کے لیے تو مغفرت اور رزق کریم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہتان لگانے والے منافقین کے بارے میں مزید فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ نور) جو لوگ پاک دامن اور گناہ سے بے خبر اور ایماندار عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت دونوں میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ تہمت حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی لگائی گئی تھی مگر ان کی براءت کی گواہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کا انتخاب کیا جس نے قمیض کو دلیل بنا کر گواہی دی اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (سورۃ یوسف)۔

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

کے بعد تہمت لگائی گئی۔ وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے بچے کی گواہی دلوائی اور ماں کی گود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوں گویا ہوئے قَالَ اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا الخ مگر جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی تو خدا تعالیٰ خود وکیل صفائی بن گیا۔

غور کریں! کیا حضرت عائشہؓ کا مقام حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت مریمؑ سے بلند ہے جو اللہ تعالیٰ ان کے لیے خود بول رہا ہے؟ درحقیقت وجہ یہ ہے کہ محض عائشہ صدیقہؓ کا معاملہ نہیں ہے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کا مسئلہ ہے۔ عائشہؓ اگر بدنام ہوتی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر حرف آتا ہے اس لیے عدالت خود گواہ بن کر میدان میں آ گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان آیات سے فارغ ہوئے تو میرے والد حضرت ابوبکرؓ نے اٹھ کر میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ میں نے ناز میں آ کر کہا پہلے کیوں نہ میری بات پر اعتماد کر لیا تھا؟ تو حضرت صدیق اکبر فرمانے لگے اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ وَ اَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِذَا قُلْتُ مَالَمْ اَعْلَمْ کون سا آسمان میرے اوپر سایہ ڈالتا اور کون سی زمین میرا بوجھ اٹھاتی اگر میں وہ بات کہتا جس کا مجھے علم و یقین نہ تھا۔

بعد ازاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد میں تشریف لا کر مجمع عام میں خطبہ دیا اور حضرت عائشہؓ کی براءت میں نازل شدہ آیات کی تلاوت فرمائی۔

یاد رکھیں! علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد جو شخص حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائے وہ مکذب قرآن ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مرضِ وفاتُ النّبی ؐ اور سیّدہ عائشہؓ:

ماہ صفر ۱۱ ھ کی ۲۸ تاریخ تھی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اہل بقیع اور شہداء اُحد کے لیے رقت آمیز دعاء فرمائی۔ واپسی پر مزاج مبارک ناساز ہوگیا۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لائے وہ شدید درد سر میں مبتلا تھیں اور فرمارہی تھیں وَا رَأْسَاہٗ کہ ہائے میرے سر میں شدید درد ہے۔ آپ ؐ نے بھی ارشاد فرمایا کہ میرے سر میں بھی شدید درد ہے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کا سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا عائشہؓ! غم نہ کر اگر تیری وفات میری موجودگی میں ہوگئی تو میں اپنے ہاتھوں سے تیری تجہیز و تکفین کروں گا۔ آپؓ بے تکلفانہ لہجہ میں بولیں کہ لگتا ہے آپ ؐ تو میری موت کے انتظار میں ہیں؟ اور اس حجرہ میں کسی نئی بیوی کو بسانا چاہتے ہیں؟ آپ ؐ ان کی بات سن کر مسکرا دیے۔

یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا آپ ؐ ان کے گھر جا کر صاحب فراش ہو گئے اور بدستور بیویوں میں کمال درجے کا عدل کرتے ہوئے ایک ایک دن ہر ایک کے حجرے میں قیام فرماتے رہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اس قیام کے دوران آپ ؐ روزانہ یہ پوچھتے تھے أَيْنَ أَنَا غَدًا أَيْنَ أَنَا غَدًا حِرْصًا عَلٰى بَيْتِ عَائِشَةَ (بخاری) کہ کل میں کس کے گھر ہوں گا؟ مقصد آپ ؐ کا یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ کے ہاں کب قیام ہوگا؟ ازواج مطہرات نے آپ ؐ کی اس خواہش کے مطابق آپ کو بخوشی حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی اجازت دے دی اور پھر آپ ؐ وفات تک اسی حجرے میں قیام پذیر رہے۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ہاں آپ ؐ کے قیام کا

مقصد یہ تھا کہ وہ آپ کی زندگی کے آخری احوال وافعال پوری طرح محفوظ کر کے امت تک پہنچا سکیں گی۔ چنانچہ آپ کی وفات کے اکثر حالات حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہی مروی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی تیمار داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ حتیٰ کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو درد کی شدت ہوتی تو حضرت عائشہؓ معوذات پڑھ کر آپ کو دم بھی کیا کرتی تھیں مگر آپ کے بدن پر اپنا ہاتھ پھیرنے کی بجائے برکت کے لیے آپ ہی کا دست مبارک پھیرتی تھیں۔ (بخاری)

ایک دفعہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یَا عَائِشَۃُ مَا اَزَالُ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْتُ بِخَیْبَرَ فَھٰذَا اَوَانُ وَجَدْتُ اِنْقِطَاعَ اَبْھَرِیْ مِنْ ذٰلِکَ السَّمِّ (بخاری) عائشہؓ خیبر میں کھائے جانے والے کھانے کی تکلیف میں برابر محسوس کرتا چلا آ رہا ہوں۔ اور اب تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری رگ جان کٹ رہی ہے۔

بیماری سے پہلے آپ نے کچھ اشرفیاں حضرت عائشہؓ کے ہاں رکھی تھیں جب دوران علالت وہ اشرفیاں یاد آئیں تو آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا اَنْفِقِیْھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کہ ان دیناروں کو جلدی سے اللہ کے راستہ میں صدقہ کر دے۔ چنانچہ انہوں نے وہ دینار صدقہ کر دیے۔

شدت مرض میں جب آپ نماز کے لیے مسجد میں نہ جا سکے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ کو کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس خیال سے کہ لوگ میرے ابا کو منحوس سمجھیں گے آپ کو مشورہ دیا کہ وہ تو انتہائی کمزور دل کے آدمی ہیں۔ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم ارشاد فرمائیں۔ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے میرے مشورہ کو جھٹک دیا اور فرمایا

اِنَّكُنَّ لَصَوَاحِبُ يُوْسُفَ کہ تم عورتیں تو یوسف والیاں ہو۔ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ ابوبکر ہی کو حکم دو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مسجد نبوی میں امامت شروع فرمادی۔

اسی بیماری میں ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہؓ کے سینہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن ہاتھ میں مسواک لیے اندر تشریف لائے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک کی طرف دیکھا تو حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ آپؐ مسواک لینا چاہتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ان سے مسواک لیکر آپ کو دیا تو آپؐ بیماری کی وجہ سے اس کو نہ چبا سکے۔ پھر میں نے سوال کیا اُلَيِّنُهُ لَكَ؟ میں آپ کو یہ چبا کر نرم کر دوں؟ تو آپؐ نے سر کے اشارہ سے فرمایا ''ہاں'' پھر میں نے اس مسواک کو چبا کر نرم کیا اور آپ کو پیش کیا تو آپؐ نے اسے استعمال فرمایا۔

اس لیے حضرت عائشہؓ اکثر فخریہ طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہوا اور تمام بیویوں میں سے مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ زندگی کے آخری دن بھی آپؐ نے میرا جھوٹا منہ لگایا۔ فَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ فِيْ آخِرِ يَوْمٍ مِنَ الدُّنْيَا وَ اَوَّلِ يَوْمٍ مِنَ الْآخِرَةِ (بخاری) کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب کو اس دن جمع فرمادیا جو آپ کی دنیاوی زندگی کا سب سے آخری اور اُخروی زندگی کا سب سے پہلا دن تھا۔

اسی بیماری میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِ هِمْ مَسَاجِدًا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ جنہوں نے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ یہ روایت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی

کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اب آخری وقت لعنت کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ پھر فوراً اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات القاء کر دی یُحَذِّرُ اُمَّتَہٗ کہ آپؐ درحقیقت اپنی امت کو ڈرانا اور تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہیں میری وفات کے بعد میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لینا۔

اسی طرح حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر نبی کی روح قبض کرنے سے پہلے انہیں جنت میں ان کی قیام گاہ دکھا دی جاتی ہے ثُمَّ یُخَیَّرُ پھر ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہے آخرت کی زندگی پسند کریں چاہے دنیا کی۔ فرماتی ہیں پھر جب آپؐ بیمار ہوئے تو آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا اور آپؐ بار بار فرما رہے تھے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی کہ اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں سکونت نصیب فرما۔ تو اس وقت مجھے آپ کی وہ بات یاد آ گئی جو آپ حالت تندرستی میں فرمایا کرتے تھے اور میں سمجھ گئی اِذًا لَا یُجَاوِرُنَا. اِذاً لَا یَخْتَارُنَا کہ اب آپؐ ہمارے پاس رہنا پسند نہیں فرما سکتے (بخاری)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپؐ کے وجودِ مقدس کی معیت نصیب رہی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے وجود کے ساتھ ٹیک لگائے رہے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی۔

آپ فرماتی ہیں وَھُوَ مُسْنِدٌ اِلَیَّ ظَھْرَہٗ کہ وفات کے وقت آپؐ اپنی پیٹھ کی ٹیک مجھ پر دیے ہوئے تھے اور فرماتی ہیں کہ اس طرح میں آپ کو سنبھالے بیٹھی تھی آپ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر فرما رہے تھے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی تو دفعتاً آپؐ پر عالم نزع طاری ہوا۔ آپؐ کی آنکھیں چھت کی طرف لگ گئیں آپؐ کے بدن مبارک کا پورا بوجھ مجھ پر پڑ گیا۔ اور آپ کا ہاتھ مبارک نیچے

گر گیا اور آپؐ کی روح مبارک کے نکلنے پر مجھے ایسی عمدہ خوشبو آئی کہ اس جیسی خوشبو میں نے کبھی نہیں پائی تھی۔ فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُهُ لَمْ اَجِدْ رِيْحًا قَطُّ اَطْيَبَ مِنْهَا (مسند احمد)۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے تو میں نے ان کا سر مبارک آہستہ سے تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگی۔

اس لیے اکثر آپؓ بطور تحدیث نعمت فرمایا کرتی تھیں تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِيْ وَ نَوْبَتِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَ نَحْرِيْ (بخاری) کہ آپؐ کی وفات میرے حجرے میں میری باری کے دن ہوئی دراں حالیکہ کہ آپؐ میرے سینے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

پھر دیکھیے حضرت سیدہ عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کو یہ شرف بھی نصیب ہوا کہ وہی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مدفن بنا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے خواب دیکھا تھا کہ میرے حجرے میں تین چاند ٹوٹ کر گرے ہیں۔ آپؓ نے اپنے والد گرامی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی تعبیر پوچھی تو وہ خاموش ہو گئے۔ پھر پوچھا تو فرمایا بیٹی وقت آنے پر بتاؤں گا۔

پھر جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی اور وہ اسی حجرہ میں دفن ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو وہ خواب یاد دلایا اور فرمایا بیٹی یہ پہلا چاند ہے جو تیرے حجرے میں جاگزیں ہو گیا اور یہ ان تینوں میں سے سب سے بہتر ہے۔ (موطا امام مالک)۔

پھر جب اسی حجرہ میں حضرت سیدنا ابوبکرؓ کی تدفین ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرمانے لگیں آج دوسرا چاند بھی میرے حجرے میں پہنچ چکا ہے۔ پھر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت قریب تھا تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس آدمی بھیج کر حجرہ عائشہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

کے پہلو میں دفن ہونے کے لیے جگہ کا سوال کیا تو آپؓ فرمانے لگیں کہ اگر چہ میں نے یہ جگہ اپنی قبر کے لیے رکھی ہوئی تھی مگر آج سیدنا عمر فاروقؓ کو ترجیح دیتے ہوئے وہ جگہ ان کی قبر کے لیے وقف کرتی ہوں۔ اسی طرح بالآخر تیسرا چاند بھی حجرہ عائشہؓ میں جا گزیں ہو گیا۔

حضرت عائشہؓ جب تک زندہ رہیں اسی حجرہ میں انکا قیام رہا۔

ماں بیٹی کا مناظرہ:

مولانا رومیؒ نے اپنی کتاب میں حضرت سیدہ عائشہؓ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے مابین ہونے والے ایک دلچسپ مناظرہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اماں جان! میں آپؓ سے افضل ہوں کیونکہ میں سردار دو عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور ان کے جگر کا ٹکڑا ہوں۔ اور آپؓ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپؓ کی رگوں میں صدیق اکبرؓ کا خون دوڑتا ہے تو میری رگوں میں محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور صدیق اور مصطفٰے میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لیے میری شان آپؓ سے زیادہ ہے۔

جواباً حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں کہ بیٹی ہر معاملہ کا اصل فیصلہ تو قیامت کے دن ہی ہوگا۔ اس لیے اس بات کا فیصلہ بھی قیامت ہی کے دن ہوگا۔ بیٹی! تو نے اپنے والد گرامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوگا کہ قیامت کے دن نیک بیویاں اپنے نیک خاوندوں کے ساتھ جنت میں جائیں گی اور انہی کے ہاں ان کا قیام ہوگا۔ حضرت فاطمہؓ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت عائشہؓ فرمانے لگیں کہ بیٹی تو بھی یقیناً جنت میں جائے گی اور میں بھی یقیناً جنت میں جاؤں گی۔ لیکن دونوں میں ایک امتیازی فرق ہوگا۔ تو جنت میں جائے

گی تو انگلی علیؓ کی ہو گی اور ہاتھ تیرا۔ اور میں جنت میں جاؤں گی تو انگلی نبیؐ کی ہو گی اور ہاتھ میرا۔ بٹی تیرے پلڑے میں مرتضیٰ ہو گا اور میرے پلڑے میں مصطفےٰ ہو گا۔ تول کر دیکھ لے کس کا پلہ بھاری ہو گا۔

من با احمدؐ ہاشم و تو باعلیؓ فرق کن زیں دآں گر عاقلی

حضرت عائشہؓ کی یہ دلیل سن کر حضرت فاطمہؓ لاجواب ہو گئیں اور رونے لگیں۔ تو حضرت عائشہؓ نے بڑھ کر ان کو بغل میں لے لیا اور محبت کے انداز میں فرمایا کہ وہ تو دلیل کا جواب دلیل سے تھا ورنہ تُو تو میرے محبوب کی رخ انور کی نشانی ہے۔ میں تو تیرے ایک ایک بال پر قربان۔

اے نشانی روئے احمدؐ روئے تو من کجا ہاشم ازیں یک موئے تو

دس صفات:

حضرت عائشہؓ خود فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دس خصوصیات و صفات ایسی عطاء فرمائی ہیں کہ ان میں میرا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے۔

۱) میں سات سال کی تھی کہ میرا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔

۲) میں نو سال کی تھی کہ خانہ نبوی میں میری رخصتی ہو گئی۔

۳) اللہ تعالیٰ نے میری شادی سے پہلے خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو میری شکل دکھادی۔

۴) میں ہی وہ واحد بیوی ہوں جو کنواری ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی۔

۵) میرے اوپر جبرائیل علیہ السلام کے سلام آئے۔

۶) میں نے جبرائیل امینؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

۷) میرے بستر پر بار ہا قرآن نازل ہوا۔

۸) بوقت وفات میں نے آپ کو مسواک چبا کر دی اور وفات کے وقت آپ کا جسم مبارک میری گود میں تھا۔

۹) میرا حجرہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ بنا۔

۱۰) مجھ پر تہمت لگی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری براءت میں قرآن اتارا۔

وفاتِ عائشہؓ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؓ اسی حجرہ میں قیام پذیر رہیں۔ تقریباً پچاس سال تک بیوگی کا زمانہ گزارا۔ بالآخر عمر کی سڑسٹھ (۶۷) منزلیں طے فرما کر سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ بمطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء آپ نے وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپؓ کی نماز جنازہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

شاعر کے تاثرات:

تیری پاکیزگی پر نطق فطرت نے شہادت دی
تجھے عظمت عطاء کی عافیت بخشی فضیلت دی

اگر تیری سحر پرور ادا پر داغ آ جاتا
خدا کا انتخابی فیصلہ مخدوش کہلاتا

خدائے لم یزل کا بار ہا تجھ پہ سلام آیا
مبارک ہیں وہ لب جن پہ ادب سے تیرا نام آیا

رسول اللہؐ نے رکھا ہے صدیقہ لقب تیرا
فقط فرشی نہیں عرشی بھی کرتے ہیں ادب تیرا

شرف تیرے دوپٹے نے یہ بدر میں پایا
اسے پرچم بنا کے مخبر صادق نے لہرایا

تیرا حجرہ امین خاص ہے ذات رسالت کا
بساط ارض پر ٹکڑا یہی ہے باغ جنت کا

اسی میں رحمۃ للعالمین رہتے تھے رہتے ہیں
تیرا حجرہ ہے جسے گنبد خضرا بھی کہتے ہیں

اسی سے حشر کے دن سرور کونین اٹھیں گے
مگر تنہا نہیں ، ہمراہ شیخین اٹھیں گے

شفاعت کی تیرے رحمت کدہ سے ابتدا ہوگی
اسی پر امتوں کی مغفرت کی انتہاء ہوگی

٤:- شانِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصاً عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا (سورۃ احزاب) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج کی اس محفل میں میں آپ کے سامنے حضرات حسنین کریمینؓ کی عظمت شان بیان کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیارے بیٹے اور سید الکونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی چہیتے اور پیارے نواسے تھے۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو انتہائی اعلیٰ درجے کا نسب عطا فرمایا۔

والد ماجد:

آپؓ کے والد ماجد خلیفہ رابع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی تھے۔ سیدنا علیؓ ایسے نجیب الطرفین تھے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنو ہاشم میں سے تھے۔ حضرت علیؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کی پرورش اور تربیت خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ آپ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور سابقون الاولون میں شمار ہوتے ہیں۔

☆ حضرت علیؓ وہ شخصیت ہیں کہ جنہیں ہجرت کی رات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے اپنے بستر پر سلایا۔ پھر ہجرت کے بعد مواخات کے موقعہ پر فرمایا اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کہ اے علی! تو دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے۔(ترمذی)

☆ ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا لَایُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ (ترمذی) کہ کوئی منافق حضرت علیؓ سے محبت نہیں رکھ سکتا اور کوئی مخلص مومن حضرت علی سے نفرت نہیں رکھ سکتا۔

☆ ایک موقعہ پر فرمایا اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ (ترمذی) کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور علی ہر مومن کا محبوب ہے۔

☆ حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت ومنقبت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کہ جس کا میں محبوب اور دوست ہوں یقیناً علی بھی اس کا محبوب اور دوست ہونا چاہیے۔

☆ حضرت علیؓ وہ شخصیت ہیں کہ جنہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشرہ مبشرہ میں شمار فرماتے ہوئے اسی دنیا میں جنت کی بشارت عطاء فرمائی۔ بلکہ ایک موقعہ پر تو آپؐ نے فرمایا کہ ہر آدمی جنت کا مشتاق ہے مگر تین آدمی ایسے ہیں کہ جنت ان کا اشتیاق رکھتی ہے اِنَّ الْجَنَّۃَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلَاثَۃٍ عَلِیٍّ وَ عَمَّارٍ وَ سَلْمَانَ (ترمذی) کہ حضرت علیؓ۔ حضرت عمارؓ اور حضرت سلمانؓ وہ ہستیاں ہیں کہ جنت ان کا اشتیاق رکھتی ہے۔

والدہ ماجدہ:

حضرات حسنینؓ کی والدہ ماجدہ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے چھوٹی اور چہیتی بیٹی تھیں۔ آپؐ کے

معنوی کمالات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا پرتو تھے۔ چنانچہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں مَاتُخْطِئُ مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ حضرت فاطمہؓ کی ہیئت رفتار پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حد درجہ مشابہ تھی۔ (بخاری ومسلم)

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ''فاطمہ'' (مشکوٰۃ)۔

☆ ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ (بخاری)

☆ وفات سے چند دن پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا یَا فَاطِمَةُ اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِيْ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اے فاطمہ تیرے لیے انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ تجھے جنتی عورتوں کا سردار بنایا جائے گا۔ (بخاری)

نکاح فاطمہؓ و علیؓ:

حضرت فاطمہؓ جب سن بلوغ کو پہنچیں تو بعض صحابہ کرامؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے لیے پیغام بھیجا' لیکن آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی اور کوئی مثبت جواب نہ دیا۔ پھر کچھ صحابہ کرامؓ نے حضرت سیدنا علیؓ کو ترغیب دی کہ وہ پیغام بھیجیں۔ چنانچہ جب انہوں نے پیغام بھیجا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منظور فرمالیا۔

گرامی قدر سامعین! پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دیگر صحابہ کرامؓ کی خواستگاری پر خاموش رہنا اور حضرت سیدنا علیؓ کے پیغام کو فوراً قبول کر لینا دراصل منشاء خداوندی

کے تحت تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشا۔ یہی تھی کہ فاطمہؑ بنت محمدؐ حضرت علیؑ ہی کے نکاح میں آئے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا مَا تَزَوَّجْتُ شَیْئًا مِنْ نِّسَائِیْ وَلَا زَوَّجْتُ شَیْئًا مِنْ بَنَاتِیْ اِلَّا بِوَحْیٍ جَاءَ نِیْ بِہٖ جِبْرِیْلُ عَنْ رَّبِّیْ (زرقانی) کہ میں نے جب بھی کسی عورت سے نکاح کیا یا اپنی بیٹیوں کو کسی کے نکاح میں دیا تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم اور وحی الٰہی سے کیا‘ جس کی خبر مجھے حضرت جبریلؑ علیہ السلام نے آ کر دی۔

وَلادت با سعادت:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر میں صرف ایک سال کا فرق ہے۔ بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ ۳ھ اور چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے ان کا دل بہت متاثر ہوا۔ تو خواب سے بیدار ہو کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ وہ کیا خواب ہے؟ حضرت ام الفضل عرض کرنے لگیں اِنَّهٗ شَدِیْدٌ کہ وہ تو بڑا خوفناک ہے۔ آپؐ نے دوبارہ فرمایا کہ بتاؤ تو سہی کیا خواب ہے؟ تو وہ کہنے لگیں کَاَنَّ قِطْعَةً مِّنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِیْ حِجْرِیْ کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کے وجود مبارک کا کچھ حصہ کاٹ دیا گیا اور پھر وہ میری گود میں رکھ دیا گیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ام الفضل! تم نے بہت مبارک خواب دیکھا ہے۔ تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا یَكُوْنُ فِیْ حِجْرِكِ کہ فاطمہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری گود میں پرورش پائے گا۔ بعد ازاں

حضرت فاطمہؓ کے ہاں حضرت سیدنا حسینؓ کا تولد ہوا۔ (مشکوٰۃ)

دونوں صاحبزادوں کی ولادت باسعادت پر خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آ کر ان کے کانوں میں اذان دی۔ پھر خود ہی ان کو گھٹی دی یعنی اپنے منہ میں کھجور چبا کر اس کا لعاب ان کے منہ میں ڈالا۔ یعنی دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلی خوراک جوان کے منہ میں ڈالی گئی وہ تھا "لعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ہی ان کے نام رکھے ساتویں دن ان کے سر کے بال اتروا کر ان کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی اور ان کا عقیقہ اور ختنہ بھی خود ہی کرایا۔

حلیہ مبارک:

دونوں شاہزادے عادات و خصائل اور گفتار و رفتار میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ مشابہت رکھتے تھے۔ خود حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اَلْحَسَنُ اَشْبَہُ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَابَیْنَ الصَّدْرِ اِلَی الرَّأْسِ کہ سینہ سے سر تک حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیغمبرؐ کے مشابہ ہیں۔ وَالْحُسَیْنُ اَشْبَہُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ اَسْفَلَ مِنْ ذَالِکَ اور سینہ سے پاؤں تک حضرت حسینؓ پیغمبرؐ کے مشابہ ہیں۔ (ترمذی)

☆ ایک دفعہ نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ جا رہے تھے فَرَأَی الْحَسَنَ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ فَحَمَلَہٗ عَلٰی عَاتِقِہٖ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ حضرت حسنؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ آپؓ نے بڑھ کر ان کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور فرمایا بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ شَبِیْھًا بِعَلِیٍّ میرا باپ تجھ پر فدا ہو تو شکل و شباہت میں اپنے نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گیا ہے نہ کہ اپنے ابا حضرت علیؓ پر۔ وَعَلِیٌّ

يَضْحَكُ اور حضرت علی یہ منظر دیکھ کر مسکرا رہے تھے (بخاری)۔

محبوبانِ رسولؐ:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا اَیُّ اَھْلِ بَیْتِکَ اَحَبُّ اِلَیْکَ کہ تمام اہل بیت میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سب سے زیادہ محبوب ہیں (ترمذی)۔

☆ حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ دونوں بھائی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گود میں تھے اور آپ یہ دعا فرما رہے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا اے اللہ میں حسنؓ اور حسینؓ کو محبوب رکھتا ہوں۔ اے اللہ تو بھی ان دونوں کو اپنا محبوب بنالے وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا اور جو شخص ان سے محبت کرے اے اللہ تو بھی اس سے محبت فرما۔ (ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے سامنے اس طرح تشریف لائے کہ آپؐ کے ایک کندھے پر حضرت حسنؓ تھے اور دوسرے پر حضرت حسینؓ تھے۔ آپ غایت شفقت سے کبھی ایک کو پیار کرتے اور کبھی دوسرے کو۔ یہ منظر دیکھ کر ایک شخص کہنے لگا یا رسول اللہؐ لگتا ہے یہ بچے آپ کو بہت ہی پیارے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ اَحَبَّھُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ (البدایہ والنہایہ) کہ جو ان دونوں سے محبت کرے گا اس نے درحقیقت مجھ سے محبت کی۔ اور جو ان دونوں سے بغض و عداوت رکھے گا اس نے درحقیقت مجھ سے عداوت رکھی۔ یعنی میری محبت کا معیار محبت حسنین ہے۔

پیار سے سونگھنا:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت مبارکہ تھی کہ اکثر حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لاتے اور فرماتے اُدْعِیْ لِیْ اِبْنَیَّ فاطمہؓ! میرے دونوں بیٹوں کو ادھر لاؤ۔ فَیَشُمُّهُمَا وَ یَضُمُّهُمَا اِلَیْهِ پھر آپ دیر تک ان دونوں کو پیار و محبت سے سونگھتے رہتے اور اپنے سینہ مبارک سے چمٹائے رکھتے (مشکوٰۃ)۔

سجدہ لمبا کر دیا:

بعض روایات میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جماعت کرا رہے تھے اور آپؐ نے سجدہ کو بہت زیادہ طول دیا۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ آخر اتنا لمبا سجدہ کیوں؟ بعض نے سر اٹھایا کہ شاید آپؐ نے تکبیر کہی ہو اور ہم نے نہ سنی ہو تو دیکھا کہ دونوں شاہزادوں میں سے ایک آپؐ کی پشت پر سوار ہیں۔ پھر بعد میں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج آپؐ نے نماز میں اتنا طویل سجدہ کیا کہ ہمیں گمان ہوا کہ شاید کوئی عارضہ لاحق ہو گیا ہو یا وحی کا نزول ہو رہا ہو۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ اصل وجہ یہ ہے کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا اور مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس کی خوشی پوری ہونے سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاؤں۔ (   )

دو پھول:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر فرمایا اِنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ هُمَا رَیْحَانَایَ مِنَ الدُّنْیَا کہ حسن و حسین دنیا میں میرے دو پھول ہیں (بخاری) یعنی یہ جنت کے ایسے دو پھول ہیں جو اللہ نے مجھے دنیا میں عطاء فرما دیئے ہیں۔

منبر سے اتر آنا:

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر جلوہ افروز ہوکر ہمیں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اِذْ جَاءَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ کہ سرخ قمیضوں میں ملبوس حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تشریف لائے اور آپ کی طرف بڑھنے لگے۔ يَمْشِيَانِ وَ يَعْثِرَانِ دونوں چل رہے تھے اور کبھی چلتے چلتے گر پڑتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ روک دیا اور منبر سے اتر کر ان دونوں کو اٹھا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور پھر فرمایا صَدَقَ اللّٰهُ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ مال و اولاد ایک آزمائش ہے۔ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چل رہے تھے اور گر رہے تھے فَلَمْ اَصْبِرْ مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا اس لیے میں نے اپنی بات قطع کر کے ان کو اٹھا لیا۔ (ترمذی)

نِعْمَ الرَّاكِبُ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔ کسی شخص نے یہ حسین منظر دیکھ کر کہا نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ اے بچے تو کیسی بہترین سواری پر سوار ہوا ہے!

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا وَنِعْمَ الرَّاكِبُ اگر سواری بہترین ہے تو دیکھ سوار بھی کتنا عظیم ہے۔ (ترمذی)

حُسین مجھ سے ہے:

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حُسَيْنٌ مِنِّي وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ کہ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ

حُسَیْناً جوشخص حسینؓ سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے۔ حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ حسینؓ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔ (ترمذی)
مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے یہ انداز تعبیر اختیار کر کے حضرت حسینؓ سے اپنا غایت تعلق بیان فرمایا ہے۔

میرے اہلِ بیت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت رسول کی عظمت و شان اور فضیلت و منقبت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورۃ احزاب) کہ اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی اور ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک وصاف کر دے۔

آیت ہذا کے سیاق وسباق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات ہی کو کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے بھی اور بعد میں بھی ازواج مطہرات کا ہی تذکرہ ہے۔ اس لیے آپؐ کے حقیقی اہل بیت (گھر والے) آپ کی بیویاں ہی ہیں۔

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غایت محبت میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہوئے حضرات حسنینؓ اور ان کے والدین کو بھی توسعاً زمرہ اہل بیت میں شامل فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! میری ازواج تو نص قرآنی سے اہل بیت میں شامل ہیں۔ میری درخواست پر ان افراد کو بھی اس زمرہ میں شامل فرماتے ہوئے ان سے بھی گندگی دور فرما کر انہیں بھی پاک فرما دے۔

اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں انہیں بالکل پاک وصاف فرما دے۔

ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو اپنی چادر کے اندر داخل فرما کر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْرًا (مسلم)۔

اس لیے یہ ایک حقیقت ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح حضرات حسنینؓ بھی اور ان کے والدین بھی زمرہ اہل بیت میں شامل ہیں۔

یاد رہے کہ اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان فارسیؓ کو بھی توسعاً اہل بیت میں شامل فرمایا ہے۔

میرا سردار بیٹا:

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے دریں حالیکہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ وَھُوَ یُقْبِلُ عَلَی النَّاسِ مَرَّۃً وَّ عَلَیْہِ اُخْرٰی آپؐ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسنؓ کی طرف۔ آپ فرماتے تھے اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہ میرا یہ بیٹا سردار بیٹا ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری)

پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی کے مطابق حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشورہ کر کے ۴۱ھ میں حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے زمام کار ان کے ہاتھ میں دے دی۔ اور اس طرح مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کی چپقلش کا خاتمہ ہو گیا۔

جَنّتی جوانوں کے سردار:

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَاشَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں (ترمذی)۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ دونوں حضرات تمام اہلِ جنت کے سردار ہوں گے اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ یہ دونوں حضرات جوانی کی حالت میں دنیا سے کوچ کریں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو مؤمنین صالحین نوجوانی کی حالت میں دنیا سے کوچ کریں گے جنت میں ان کی سیادت و قیادت کا شرف ان دونوں حضرات کو حاصل ہوگا۔

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق بھی اسی طرح ارشاد فرمایا اَبُوْبَکْرٍ وَ عُمَرُ سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّاالنَّبِیِّیْنَ (ترمذی) کہ جنت میں انبیاء اور رسولوں کے علاوہ جو اگلے پچھلے زمانہ کے سن رسیدہ لوگ داخل ہوں گے ان کے سردار ابوبکرؓ و عمرؓ ہوں گے۔

گرامی قدر سامعین! اگر آپ تحقیق فرمائیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے بھی عین جوانی کے عالم میں وفات نہیں پائی۔ تو حدیث بالا کی رو سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما ان کے بھی سردار ہوئے۔ فافہم وتدبر

حضراتِ شیخینؓ اور حضراتِ حسنینؓ:

حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) حضرات حسنینؓ سے خصوصی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ خصوصاً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

وفات کے بعد تو یہ دونوں بھائی ان کی توجہ و محبت کا مرکز تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان سے محبت کے مختلف مناظر دیکھے تھے اور اپنے کانوں سے ان کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف ارشادات سماعت فرمائے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں وَلَقَدْ كَانَ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُجِلُّهُ وَيُعَظِّمُهُ وَيُكْرِمُهُ وَيُحِبُّهُ وَيَفْدَاهُ (البدایہ) کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت حسینؓ کی تعظیم کیا کرتے تھے اور عظمت کا معاملہ فرماتے تھے اور ان سے محبت و ایثار کا برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت سیدنا علیؓ نماز سے فارغ ہو کر جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ حضرت حسنؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں آپ نے لپک کر انہیں کندھے پر اٹھا لیا اور انتہائی محبت و احترام سے فرمانے لگے بِأَبِي شَبِيْهٌ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَبِيْهًا بِعَلِيٍّ میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں تو شکل و شباہت میں اپنے ابا حضرت علیؓ کے مشابہ نہیں ہے بلکہ اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے۔ حضرت علیؓ یہ منظر دیکھ کر خوشی اور مسرت سے مسکرا رہے تھے۔ (بخاری)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضرت عمر فاروقؓ بھی حضرات حسنینؓ کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں وَكَذَالِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (البدایہ والنہایہ)۔

حضرت عمرؓ نے جب صحابہ کرامؓ کے وظائف ان کے مراتب کے لحاظ سے مقرر فرمائے تو اصحاب بدر کا حصہ دوسرے صحابہ کی نسبت بہت زیادہ مقرر فرمایا کیونکہ اصحاب بدر کا مرتبہ یقیناً دیگر صحابہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ آپ نے

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا وظیفہ بھی اہل بدر کے برابر مقرر فرمایا حالانکہ یہ حضرات اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ فَرَضَ لِلْحَسَنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَ الْحُسَیْنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَعَ اَھْلِ بَدْرٍ فِیْ خَمْسَۃِ آلَافٍ خَمْسَۃِ آلَافٍ یعنی ان کا وظیفہ اہل بدر کی طرح پانچ پانچ ہزار مقرر فرمایا (البدایہ والنہایہ)۔

مطلب یہ ہے کہ آپؓ نے ان کو بڑے درجے کے صحابہ کرامؓ میں شمار کر کے ان کا پورا پورا احترام کیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ہاں یمن سے کچھ حُلّے (لباس) آئے آپؓ نے حسب معمول ان کو صحابہ کرامؓ اور ان کے صاحبزادوں میں تقسیم فرمایا۔ مگر جب حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی باری آئی تو فرمانے لگے کہ یہ حُلّے کمتر درجہ کے ہیں ان شاہزادگان کے شایان شان نہیں۔ پھر آپؓ نے یمن کے حاکم کو لکھ کر خصوصی طور پر وہاں سے دو نہایت عمدہ حُلّے منگوائے اور ان کی خدمت میں پیش فرمائے۔(البدایہ والنہایہ)

حضرت عثمانؓ اور حسنینؓ کریمین:

حضرات شیخین کی طرح حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی ان سے تعظیم وتکریم کا معاملہ فرماتے تھے وَ کَذَالِکَ کَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُکْرِمُ الْحَسَنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَالْحُسَیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ بھی حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ کی تکریم وعزت افزائی فرمایا کرتے تھے (البدایہ والنہایہ)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا جب باغیوں نے محاصرہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور پر سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو حکم دیا: اِنْفُوْمَا بَابَ عُثْمَانَ کہ جاؤ اور حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرہ دو۔ پھر ان دونوں

صاحبزادگان نے اپنے [illegible] حضرت عثمان کے دروازہ پر پہرہ دینے کا [illegible]
[illegible] باغیوں کو دروازے کے قریب پھٹکنے بھی نہ دیا۔
بعض روایات میں ہے کہ اس کشمکش میں یہ دونوں صاحبزادے زخمی ہو کر
خون آلود بھی ہوئے۔

حضرت علیؓ اور حسنین کریمینؓ

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی
باگ ڈور سنبھالی تو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرات حسنینؓ نے حالات
کے ہر نشیب و فراز میں اپنے والد گرامی کا بھرپور ساتھ دیا۔ اور مختلف جنگوں میں
حصہ لیکر مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے۔

حضرت معٰویہؓ اور حسنین کریمینؓ

گرامی قدر سامعین! اس سے قبل آپ سن چکے ہیں کہ سیدنا حضرت حسن
رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ میں اپنے بھائی حضرت حسینؓ سے مشورہ کر کے حضرت
سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی اور زمام کاران کے ہاتھ میں دے دی
تھی۔

بنابریں حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ
اکرام واحترام کا معاملہ فرماتے تھے۔ جب کبھی یہ دونوں بھائی ان کے ہاں جاتے
فَيُكْرِمُهُمَا مُعَاوِيَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِكْرَامًا زَائِدًا وَ يَقُوْلُ لَهُمَا مَرْحَبًا وَ أَهْلًا
وَ يُعْطِيْهِمَا إِعْطَاءً جَزِيْلًا (البدایہ والنہایہ) تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کا
بہت زیادہ اکرام فرماتے اور ان کی آمد پر مرحبا اہلا کے کلمات سے اظہار مسرت
فرماتے اور ان دونوں حضرات پر بہت زیادہ عنایات اور نوازشات فرماتے تھے۔

حتیٰ کہ آپ انہیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے تھے اور انہیں دو دو لاکھ درہم عطا فرمایا کرتے تھے۔

پھر حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال حضرت معاویہؓ کے ہاں جایا کرتے تھے فَيُعْطِيْهِ وَيُكْرِمُهُ اور وہ ان کو بہت سی نوازشات اور عطایا سے نوازتے تھے (البدایہ شرح نہج البلاغہ)

حضرت عبداللّٰہ بن عباسؓ کی خدمت:

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ ان کے معاصر اور خاندان نبوت میں سے ہونے کے باوجود ان کی تعظیم وتکریم کو اپنا وظیفہ سمجھتے تھے۔ قَدْ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَأْخُذُ رِكَابَ الْحَسَنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا رَكِبَ وَيَرٰى هٰذَا مِنَ النِّعَمِ عَلَيْهِ (البدایہ والنہایہ) کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ جب سواری پر سوار ہوتے تو حضرت عبداللہ بن عباس خادمانہ انداز میں رکاب تھام کر چلا کرتے تھے اور اس خدمت کو اپنے لیے نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے۔

یقیناً حضرات حسنینؓ اپنی گونا گوں خوبیوں اور امتیازات کیوجہ سے قرنِ اول سے لیکر آج تک اہل حق کی نظر میں محبوب ومحترم ہیں کیونکہ ان کی محبت درحقیقت محبتِ رسول کی علامت ہے۔

وفات:

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۹ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بہت سے اعزہ و رفقاء کو

۱۰-محرم الحرام ۶۱ھ میں کربلا کے میدان میں ظلماً شہید کر دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(واقعہ کربلا ایک مستقل عنوان ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے)



۵:- شانِ سیدنا معاویہؓ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصاً عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (سورۃ توبہ) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

نام و نسب:

آپؓ کا نام نامی اسم گرامی معاویہؓ باپ کا نام صخر تھا جنکی کنیت ابوسفیان تھی۔ سلسلہ نسب یوں ہے معاویہ بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ اس طرح آپؓ کا نسب پانچویں پشت میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

صورت و سیرت:

آپؓ کی صورت میں ایک خاص کشش اور جاذبیت تھی۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ سرو قد تھے۔ لحیم شحیم تھے وضع قطع اور چال ڈھال میں ایک خاص قسم کا رعب اور تمکنت تھی۔ آپؓ کا چہرہ کتابی آنکھیں موٹی تھیں۔ مزاج میں حد درجہ زہد و تواضع تھی۔ آپ نہایت بردبار حلیم الطبع اور وسیع القلب تھے۔

لباس میں بھی انتہائی سادگی ہوتی تھی۔ اکثر پیوند لگی قمیض زیب تن کرتے تھے۔ علی بن ابی جملہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپؓ کو دمشق میں منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ مَرْقُوْعٌ دراں حالیکہ آپؓ

پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

اسی طرح امام اوزاعیؒ کے استاد یونس بن میسر الحمیری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ کو دمشق کے بازار میں سواری پر اس طرح سوار دیکھا کہ آپؓ کے پیچھے آپؓ کا غلام بیٹھا تھا اور آپؓ ایسی قمیص پہنے ہوئے تھے جس کا گریبان بھی پھٹا ہوا تھا حالانکہ اس دور میں آپؓ وہاں کے حکمران تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

مؤرخین کے نزدیک آپؓ کی سب سے بڑی خوبی آپؓ کا حلم اور بردباری تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا مُعَاوِيَةُ اَحْلَمُ اُمَّتِيْ وَاَجْوَدُهَا کہ معاویہ میری امت میں بہت بڑے حلیم اور سخی ہیں۔

قبولِ اسلام:

عام طور پر مشہور ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں باپ بیٹا مسلمان ہوئے اور ان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشی میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مبارک باد بھی دی۔ لیکن علامہ ذہبیؒ۔ ابن عساکرؒ اور ابن تیمیہؒ کی تحقیق کے مطابق آپؓ ۶ھ اور ۸ھ کے درمیانی عرصہ میں اسلام لائے۔ چنانچہ علامہ ابن حجرؒ تقریب التہذیب میں لکھتے ہیں مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ خَلِيْفَةٌ صَحَابِيٌّ اَسْلَمَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَ كَتَبَ الْوَحْيَ کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ خلیفہ اور صحابی رسولؐ ہیں۔ آپؓ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور کتابت وحی کا کام بھی کیا۔

کتابتِ وحی:

حضرت سیدنا معاویہؓ کو یہ عظیم شرف بھی حاصل ہے کہ آپؓ کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کتابت وحی کوئی معمولی اعزاز نہیں ہے۔ یہ آپؓ کی

دیانت، امانت اور ہدایت کی زبردست دلیل ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معتمد خاص تھے۔ بعض روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت معاویہؓ کو تفویض فرمایا تھا۔

حضرت معاویہؓ پروردگار عالم کی نظر میں:

سورۃ توبہ کی مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے تین طبقے بیان فرمائے ہیں (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) تبعین۔

پھر ان تینوں طبقات کے بارے میں فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّلَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَاالْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر راضی ہوگیا اور وہ اس پر راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات بہشت تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن کے اندر یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یقیناً تیسرے طبقہ "وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْ ھُمْ بِاِحْسَانٍ" میں شامل ہو کر یہ بشارتیں حاصل کرنے والے ہیں۔ مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کی سبقت فی الاسلام اور سبقت فی المنقبت مسلّم لیکن تبعین باحسان کو شرکت فی رضاء اللہ سے مستثنیٰ کرنے کی کسی فرد بشر کو مجال نہیں ہے۔

☆ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے لَایَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَ کُلًّا وَّ عَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (سورۃ الحدید)۔ یعنی جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے تم میں سے خرچ اور جہاد کیا وہ برابر نہیں ہے۔ یہ لوگ درجہ کے لحاظ سے ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور قتال کیا۔ اور سب

کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں اور جان و مال قربان کرنے والوں کو رتبے کے لحاظ سے فتح مکہ کے بعد قربانی دینے والوں اور جہاد کرنے والوں پر ترجیح دی ہے۔ اور انکے درجہ کو اعظم درجہ سے تعبیر فرما کر اس امر کی تصریح فرما دی ہے کہ فتح مکہ کے بعد کے جانثاران درجہ عظیمہ سے ہرگز محروم نہیں ہیں۔ اور حضرت سیدنا معاویہؓ یقیناً اس طبقہ میں شامل ہیں۔

بارگاہِ رسالت اور سیّدنا مُعاویہؓ:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا معاویہؓ کے حق میں بہت سی دعائیں ارشاد فرمائی ہیں۔

☆ ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِبِهٖ (ترمذی) یعنی اے اللہ! حضرت معاویہؓ کو ہدایت کا راستہ دکھانے والا اور ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنا۔ اسی دعاء کا اثر تھا کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص عقیدت مند ابو اسحاق السبیعیؒ فرمایا کرتے تھے لَوْاَدْرَكْتُمُوْهُ اَوْاَدْرَكْتُمْ اَيَّامَهٗ لَقُلْتُمْ كَانَ الْمَهْدِيُّ (البدایہ والنہایہ) کہ اگر تم حضرت معاویہؓ یا ان کے زمانے کو پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہ مہدی ہیں۔

☆ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهٖ الْعَذَابَ (کنزالعمال) کہ اے اللہ! حضرت معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم عطاء فرما اور ان کو عذاب سے محفوظ فرما۔

☆ ایک مرتبہ فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَ مَكِّنْهُ فِي الْبِلَادِ (البدایہ) کہ اے اللہ! حضرت معاویہؓ کو کتاب کا علم عطاء فرما اور ان کو مختلف شہروں میں حکومت عطا فرما۔

☆ ایک روایت میں ہے یَبْعَثُہُ اللہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ عَلَیْہِ رِدَاءٌ مِنْ نُوْرِ الْاِیْمَانِ (ابن عساکر) کہ اللہ تعالٰی حضرت معاویہؓ کو قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے اوپر نور ایمان کی چادر ہوگی۔

☆ حافظ ابن کثیرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یَا مُحَمَّدُ اِقْرَأْ مُعَاوِیَۃَ السَّلَامَ وَ اسْتَوْصِ بِہٖ خَیْرًا فَاِنَّہٗ اَمِیْنُ اللہِ عَلٰی کِتَابِہٖ وَ وَحْیِہٖ وَ نِعْمَ الْاَمِیْنُ (البدایہ) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! حضرت معاویہ کو سلام کہیے اور ان کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔

عَہدِ صدّیقی اور سیّدنا مُعاویہؓ:

عہد رسالت کے بعد دور صدیقی میں بھی ہم اس نابغہ اسلام کو اولین صفوں میں دیکھتے ہیں۔ دور صدیقی میں جہاں آپؓ کے بڑے بھائی سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما شام بھیجے جانے والے لشکر کے امیر بنائے گئے وہاں سیدنا معاویہؓ اس لشکر کے ہراول دستہ کے علمبردار مقرر ہوئے۔

(فتوح البلدان' محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ)

بلکہ آپؓ نے خلافت صدیقیؓ میں بعض موقعوں پر خود بھی قیادت کے فرائض انجام دیے۔ (فتوح البلدان)

تاریخ کے اوراق اس بات کے شاہد ہیں کہ آپؓ نے نہایت احسن طریقہ سے اس ذمہ داری کو ادا کیا اور اپنے مافوق لوگوں پر اپنی ثقاہت اور خود اعتمادی اور اپنے ماتحت لوگوں پر اپنی شفقت' حسن تدبیر اور حسن انتظام کا سکہ بٹھا دیا۔

عَہدِ فاروقی اور سیّدنا معاویہؓ:

عہد فاروقیؓ میں صیدا' عرقہ اور بیروت وغیرہ شام کے ساحلی علاقوں کی

مہم میں یزید بن ابی سفیانؓ کی زیر قیادت مقدمۃ الجیش کی کمان آپ ہی کے
ہاتھوں میں تھی اور ان علاقوں کے اکثر و بیشتر حصہ کی فتح آپ ہی کی مرہون منت
ہے۔ قیساریہ کا معرکہ آپ ہی کی زیر قیادت سر ہوا اور اسمیں رومیوں کے اسی ہزار
سپاہی مارے گئے۔

۱۸ھ میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو دمشق کا والی
مقرر فرمایا۔ آپؓ جانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ معمولی معمولی باتوں پر گورنروں کو گرفت
فرماتے تھے اور انہیں تبدیل فرما دیتے تھے۔ آپؓ کا حضرت معاویہؓ پر کسی قسم کا
مواخذہ نہ کرنا بلکہ ان کے افعال کی تحسین کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ
حضرت معاویہؓ کی ذات پر خاص قسم کا اعتماد تھا اور آپؓ ان کی عقل و فراست کے
قائل تھے۔ بقول مصطفٰے بک ''جہاں تک سیدنا معاویہؓ کی عقل و فراست کا تعلق ہے
اسکے لیے اتنا کافی ہے کہ آپ کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مردم شناس خلیفہ
نے شام جیسے اہم صوبے کا گورنر مقرر فرمایا'' (حیاۃ الاسلام)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتظام حکومت میں اصول تھا کہ کسی گورنر
یا سپہ سالار کو زیادہ وقت تک ایک جگہ نہیں رکھتے تھے۔ آپؓ کے گورنروں میں سیدنا
حضرت معاویہ بن ابی سفیان ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کو آپؓ نے ایک دفعہ بھی
دمشق سے تبدیل نہیں فرمایا۔ بلکہ آپؓ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب معاویہ جیسا
عقل و دانش کا مجسمہ تم میں موجود ہے تو پھر تمہیں قیصر و کسریٰ کی دانائی و زیرکی کا
تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

عہدِ عثمانی اور سیّدنا معاویہؓ:

جس شخصیت کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلامؑ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور
سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی خصوصی نوازشات سے نوازیں اور اس کے حق میں

دعائیں فرمائیں۔ کبھی علم بردار لشکر بنائیں تو کبھی گورنر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس پر نظر شفقت نہ فرمائیں۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تو صرف دمشق کا علاقہ آپؓ کے زیر حکومت تھا لیکن سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی علمی، فکری اور انتظامی صلاحیتوں کے پیش نظر شام، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ ان کے تصرف میں دے دیا۔

آپؓ نے اس دور میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپؓ نے طرابلس الشام کو فتح کیا۔ عموریہ پر فوج کشی کی، ایشیائے کوچک میں دو رومی قلعے فتح کیے اور قبرص کو فتح کرنے کے لیے ۲۸ھ میں بحری بیڑہ تیار کروایا۔

آپؓ کے اس بحری بیڑہ ہی کے طفیل بحر روم مسلمانوں کا بازی گاہ بن گیا اور مسلمانوں کے لیے آئندہ بحری مہموں کا رستہ کھل گیا۔ اس زمانہ میں آپ نے شام میں بحر روم کے ساحل پر انطاکیہ سے لیکر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں۔ جس سے اسلامی حکومت کے دفاع کو بے حد فائدہ پہنچا اور مسلمان اور اسلام دور دراز تک پھیل گئے اور بحر و بر میں اسلام کے چرچے ہونے لگے۔

بشارتِ نبوی:

حجۃ الوداع کے بعد ایک روز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سیدہ ام حرامؓ زوجہ سیدنا عبادہ بن صامتؓ کے گھر آرام فرما رہے تھے کہ آپ کو نیند آ گئی۔ ام حرامؓ نے تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے نیند سے بیدار ہوئے۔ ام حرام نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کے ارادے سے اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ سیدہ ام حرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! دعا فرمائیں کہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں۔ آپؐ

نے ان کے حق میں دعاء فرمائی۔ اور پھر آرام فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد آپ پھر اسی طرح مسکرا کر بیدار ہوئے اور اسی طرح کے خواب کا اعادہ فرمایا۔ سیدہ ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کی دعاء کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو۔

بخاری شریف کے الفاظ ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ اَوْجَبُوْا کہ میری امت کا پہلا لشکر جو بحری لڑائی کرے گا اس پر جنت واجب ہو گئی۔

تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ سب سے پہلا بحری لشکر جس نے ۲۸ھ میں سمندر کے سینے کو چیر کر قبرص پر اسلامی علم بلند کیا اس کی قیادت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہی فرما رہے تھے۔ اس لشکر میں سیدہ ام حرامؓ۔ سیدنا ابوذر غفاریؓ۔ سیدنا ابوالدرداءؓ اور سیدنا عبادہؓ بن صامت جیسے اکابر بھی موجود تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بشارت نبوی کے مصداق ٹھہر کر جنت کے مستحق بن گئے۔

دَور علوی اور سیّدنا مُعاویہؓ

خلیفہ ثالث سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کے بعد حالات خراب سے خراب تر ہوتے جاتے تھے۔ پورے مدینہ پر ایک قسم کا باغیوں کا قبضہ تھا کہ اہل مدینہ نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر فوری طور پر خلافت کا انعقاد ضروری سمجھتے ہوئے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے نہ چاہنے کے باوجود ان کے دست حق پرست پر بیعت خلافت کر لی۔

عقلی طور پر آپؓ کی حکومت کا پہلا کام یہ تھا کہ قاتلین عثمانؓ کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ مگر چونکہ حالات انتہائی خراب تھے اور آپؓ کی حکومت

ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی' نیز قاتلین عثمانؓ کو تلاش کرنا اور ان کی حمایتوں کو توڑنا اور قصاص کے لیے راہ ہموار کرنا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اس بناء پر حضرت علیؓ نے اس معاملہ کو مؤخر فرمایا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اس معاملہ میں ہرگز تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ اگر قاتلین عثمانؓ کو ڈھیل دی گئی تو ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور امت میں مزید افتراق وانتشار پیدا ہوگا۔

اس طرح سبائیوں کی سازش سے ان دونوں حضرات کے درمیان محض اتفاقاً ایک جنگ کی صورت بن گئی اور معرکہ صفین پیش آیا۔ یہ دونوں حضرات ہرگز اس کشت وخون کے حق میں نہ تھے۔ حتیٰ کہ لڑائی کے درمیان دونوں اطراف کے اکابرین قرآن مجید کو بلند کر کے جنگ بندی کی اپیل کرتے رہے۔ اور قرآن مجید کو بلند کر کے فرماتے رہے هٰذَا حَكَمٌ كِتَابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے تمہارے درمیان حکم ہے۔

حالات کی اس ابتری کو دیکھ کر قیصر روم نے ایک دفعہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہا تو سیدنا معاویہؓ نے اسے سخت دھمکی دی اور فرمایا اے لعین! تجھے یہ جرأت کس طرح ہوسکتی ہے؟ میں اپنے بھائی حضرت علیؓ سے صلح کر کے تیری اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔ آپ کی اس دھمکی سے قیصر روم کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ اپنا ارادہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔

جنگ تھمنے کے بعد خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا إِنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَ دَعْوَتَنَا فِي الْإِسْلَامِ وَاحِدَةٌ لَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْإِيْمَانِ بِاللهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهِ وَلَا يَسْتَزِيْدُ وْنَنَا اَلْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَ نَحْنُ مِنْهُ بُرَاءٌ (نہج البلاغۃ) کہ بے شک ہمارا رب بھی ایک ہے' ہمارا

نبی بھی ایک ہے اور ہماری دعوت اسلام بھی ایک ہے۔ ہم ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں ان سے بڑھ کر نہیں اور نہ وہ ہم سے بڑھ کر ہیں۔ ہماری بنیاد اور اساس ایک ہی ہے ہاں ہمارے درمیان قصاص عثمان کیوجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ اور ہم دونوں گروہ اس خون ناحق سے مبرا ہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دونوں طرف کے مقتولین کے انجام کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے ارشاد فرمایا قَتْلَانَا وَ قَتْلَاهُمْ فِي الْجَنَّةِ (مقدمہ ابن خلدون) کہ ہمارے اور ان کے مقتول دونوں جنتی ہیں۔

اس لیے ہمارا منہ نہیں کہ ہم ان حضرات پر نکتہ چینی کر سکیں۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر معذور تھے کہ مجتہد خطی بھی مثیب ہے۔ دونوں صحابی رسول تھے دونوں عادل اور صالح تھے ہمیں کسی کے متعلق زبان درازی نہ کرنی چاہیے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ہم کلمہ خیر کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

سیّدنا حضرت حسنؓ اور سیّدنا مُعاویہؓ

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر اپنے نواسہ سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بخاری شریف) کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کی شکل پیدا فرمادے۔

شاید اسی پیش گوئی کا اثر تھا کہ سیدنا حضرت علیؓ نے ایک موقعہ پر حضرت حسنؓ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضرت معاویہؓ کی امارت سے نفرت نہ

کرنا ان سے صلح کر لینا بہتر رہے گا۔ (تاریخ ابن کثیر)

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زمام خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے اپنے اردگرد منڈلانے والے منافق قسم کے لوگوں کا وطیرہ دیکھ کر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے جو اپنے آپ کو میرا حمایتی کہہ رہے ہیں حضرت معاویہؓ کو اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہوں۔ (جلاء العیون)

بالآخر سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے مشورہ کر کے ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے ان کی بیعت فرمالی اور زمام کاران کے ہاتھوں میں دے دی۔

دونوں بھائیوں کی بیعت کے بعد وسیع اسلامی سلطنت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر نگین آ گئی اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

بعد میں کسی نے بیعت توڑنے کے لیے کہا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اب عہد کر لیا ہے اس کو توڑنا ناممکن ہے'' (اخبار الطوال۔ رجال کشی)۔

دونوں بھائی اکثر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں جایا کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ ان کی انتہائی عزت وتکریم فرمایا کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا کرتے تھے اور انہیں دو دو لاکھ درہم عطاء فرما کر ان کی عزت افزائی کیا کرتے تھے۔ حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہاں جایا کرتے تھے اور وہ ان پر بھی وظائف وعطایا کی بارش کر دیتے تھے (البدایہ والنہایہ)۔

اس لیے ثابت ہوا کہ یہ سب حضرات باہم شیر وشکر تھے اور رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی عملی تصویر تھے۔ ان میں باہمی رشتہ داریاں اور قرابتیں تھیں۔ حضرت معاویہؓ کی حقیقی بھانجی آمنہ بنت میمونہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی تھیں (طبری۔ جمہرۃ الانساب)۔

خَالُ المؤمنین:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ ایک عظیم اعزاز ہے کہ ان کی سگی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ اس لحاظ سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہونے کی وجہ سے آپؓ کو خالُ المؤمنین بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت مُعاویہؓ صحابہؓ اور تابعینؒ کی نظر میں:

☆ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ مَارَأَیْتُ اَحَدًا اَشْبَہَ صَلٰوۃً بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِمَا مُکُمْ ھٰذَا یَعْنِیْ مُعَاوِیَۃُ (منہاج السنۃ) کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ کسی کی نماز ملتی جلتی نہیں دیکھی سوائے آپ کے امام حضرت معاویہؓ کے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص فرماتے ہیں مَارَأَیْتُ اَحَدًا اَسْوَدَ مِنْ مُعَاوِیَۃَ (البدایہ والنہایہ) کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بارعب بادشاہ کسی کو نہیں دیکھا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں مَارَأَیْتُ رَجُلًا کَانَ اَخْلَقُ بِالْمُلْکِ مِنْ مُعَاوِیَۃَ (العواصم) کہ میں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ بادشاہی کے لائق کسی کو نہیں دیکھا۔

نیز ایک موقعہ پر آپؓ نے فرمایا اِنَّہٗ فَقِیْہٌ (فتح الباری) کہ وہ فقیہ ہیں حبر الامہ کی یہ گواہی بڑا وزن رکھتی ہے اور حضرت معاویہؓ کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے۔

☆ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ لَوْاَصْبَحْتُمْ فِیْ مِثْلِ عَمَلِ مُعَاوِیَۃَ قَالَ

اَكْثَرْ كُمْ هٰذَا الْمَهْدِيُّ (العواصم) کہ اگر تم حضرت معاویہؓ کے اعمال کا جائزہ لو تو تم میں سے بہت سے لوگ انہیں مہدی کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

☆ اسی طرح حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ لَوْاَدْرَكْتُمْ مُعَاوِيَةَ لَقُلْتُمْ هٰذَا الْمَهْدِيُّ (العواصم) کہ اگر تم حضرت معاویہؓ کا زمانہ پالیتے تو کہہ اٹھتے کہ یہ مہدی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت اعمش رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ لوگوں نے عمر بن عبدالعزیز کے عدل کا ذکر کیا تو حضرت اعمشؒ نے فرمایا اگر تم حضرت معاویہؓ کو پالیتے تو تمہاری کیا حالت ہوتی؟ لوگ کہنے لگے حضرت! ان کے حلم کے متعلق بات ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا نہیں بلکہ ان کے عدل کے متعلق بات ہے۔ (العواصم)

☆ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جو کہ اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مَارَأَيْتُ اَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ اَقْضٰى مِنْ صَاحِبِ هٰذَا الْبَابِ يَعْنِىْ مُعَاوِيَةَ (البدایہ والنہایہ) کہ میں نے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس دروازے والے یعنی حضرت معاویہؓ سے زیادہ حق کا فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے تاثرات:

آپ سے ایک موقعہ پر کسی نے سوال کیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہؓ؟ آپ اس کا سوال سن کر بڑے حیران ہوئے کہ ٹھیک ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ انتہائی عادل تھے۔ تمہ خلافت راشدہ تھے سید التابعین تھے مگر صحابی تو نہ تھے۔ تو نے ایک صحابی اور غیر صحابی کے درمیان موازنہ کیوں کیا؟ پھر فرمایا غُبَارٌ دَخَلَ فِىْ اَنْفِ فَرَسِ مُعَاوِيَةَ حِيْنَ غَزَا فِىْ رِكَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسُلَّةٌ اَفْضَلُ مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ (مکتوبات بحوالہ ماعلی) کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کے لیے نکلے تو ان کے گھوڑے کے پاؤں سے جو غبار اڑ کر اس کی ناک میں جم گیا عمر بن عبدالعزیز اس غبار کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے اس تجزیہ نے ایک صحابی اور غیر صحابی میں یہ عظیم فرق بیان فرما کر مسئلہ ہی حل فرما دیا۔ کہ نسبت نبوی کی وجہ سے صحابی بہر حال غیر صحابی سے افضل و اعلیٰ ہے۔

حضرت معاویہؓ اور یزید کی ولی عہدی:

سیدنا حضرت معاویہؓ اپنی عمر کی آخری منزلوں میں تھے کہ بعض مخلص احباب نے امت کو اختلاف اور فتنہ فساد سے بچانے کے لیے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا۔ چونکہ آپؓ شہادت حضرت عثمان غنیؓ کے بعد کی خون ریزی دیکھ چکے تھے اس لیے اس بات کو پسند فرما کر اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا۔

اس معاملہ میں آپؓ کی نیت پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ آپؓ نے اپنے طور پر مسلمانوں کی خیر خواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے خلوص نیت کے ساتھ اسے ولی عہد بنایا تھا نہ کہ محبت پدری کے تحت۔

اس کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو آپؓ نے مروان بن حکم کو لکھا تھا ''کہ اب ضعیفی اور ناتوانی نے مجھے آ لیا ہے معلوم نہیں کب اس دنیا سے آخرت کے سفر پر چلا جاؤں' مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میرے بعد امت محمد یہ اختلاف اور فتنہ فساد کا شکار نہ ہو جائے۔ لہٰذا مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی میں کسی کو ارباب حل وعقد کے مشورہ سے اپنا جانشین مقرر کر جاؤں۔ اس معاملہ میں تمہارا مشورہ ضروری ہے۔ اس بات کو مدینہ کے ارباب حل وعقد پر پیش کرو باہمی اتفاق سے وہ جو

جواب دیں مجھے لکھو۔

نیز آپ کے خلوص اور حسن نیت کا اندازہ اس دعاء سے بھی ہوتا ہے جو آپؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے بعد مانگی تھی کہ "اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر میں نے اس کو اس کی اہلیت کی وجہ سے ولی عہد بنایا ہے تو اس کی ولی عہدی کو پایہ تکمیل تک پہنچانا۔ لیکن اگر میں نے صرف محبت پدری کے تحت ایسا کیا ہے تو اس کی ولی عہدی کو ہرگز پایہ تکمیل تک نہ پہنچائیو۔ (البدایہ والنہایہ)

باقی یزید کے دور میں جو کچھ ہوا اس کا قصور وار آپؓ کو ہرگز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ نہ ہی آپ کی نیت پر شک کیا جا سکتا ہے۔ علم غیب تو خاصہ خداوندی ہے۔ حضرت معاویہؓ کو قبل از وقت اس کا علم ہرگز نہ تھا۔

وفاتِ حضرتِ آیات:

اسلام کے اس بطل جلیل نے اٹھتر (۷۸) سال عمر پا کر چوبیس (۲۴) سال گورنری کر کے اور انیس (۱۹) سال خلافت کا فریضہ انجام دیکر ۲۲ رجب ۶۰ھ کو وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت ضحاک بن قیسؓ نے پڑھائی۔ آپؓ کو سرزمین دمشق میں سپرد خاک کیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دشمنوں کی مذموم کاروائی:

دشمنان صحابہ نے اس تاریخ کو ان کی وفات کی خوشی میں ایک تقریب کا اجراء کر رکھا ہے اور بڑی چالاکی کے ساتھ اس تقریب کو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے امت کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ حالانکہ اس تاریخ کو نہ تو حضرت امام جعفرؒ کی پیدائش ہوئی ہے اور نہ وفات۔ آپؒ کی پیدائش ۸ رمضان المبارک ۸۰ھ کو ہوئی جبکہ آپؒ کی وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ

کو ہوئی۔

محققین نے پوری تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں یہ بدعت ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور سے امیر مینائی کے خاندان سے نکلی ہے۔ اس سے پہلے ہرگز اس کا وجود نہ تھا۔ اس لیے یہ سراسر بدعت ہے اور ایسی تقریب میں حاضری ایک صحابی رسول کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔

اہل سنت والجماعت کے محقق علماء کرام نے اس کی بھرپور تردید فرما کر اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے۔ جن میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ۔ مولانا محمد ایوب فرنگی محلیؒ۔ مولانا عبدالشکور لکھنویؒ (مدیر انجم) کے نام قابل ذکر ہیں۔

اہل سنت والجماعت کے عوام کو چاہیے کہ اس قبیح رسم سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین فرمائیں۔

(وما علینا الا البلاغ المبین)



٦:- عظمتِ شُہداء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ. وَمَنْ اَوْ فٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورۃ التوبہ) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج کی اس مجلس میں میں آپ کے سامنے شہادت اور شہید کی عظمت بیان کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

شہید کا معنیٰ:

جیسا کہ آپ جانتے ہیں شہادت کا معنیٰ ہے گواہی دینا۔ کلمہ شہادت کو اسی لیے یہ نام دیا گیا ہے کہ اس میں ہم اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ شہید کا معنی ہے گواہی دینے والا۔ کیا مطلب؟ کس کی گواہی دینے والا؟ کیسے گواہی دینے والا؟

گرامی قدر سامعین! یہ بات ذہن میں رکھیں کہ گواہی کبھی زبان سے دی جاتی ہے اور کبھی اپنے عمل سے۔ شہید راہ خدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی عملی گواہی دیتا ہے کہ جس کے نام پر اپنی جان قربان کی جا سکتی ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ گویا وہ زبان حال سے کہتا ہے اِنَّ

صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (سورۃ انعام) کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور موت صرف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔

اسی کے نام پہ مر لے اسی کے نام جیتا جا
اسی کے نام کی مے ہو تو بھر بھر جام پیتا جا

حقیقی شہید:

اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد وقتال کر کے شہید تو بہت سارے لوگ ہوتے ہیں مگر حقیقی شہید وہی ہے جس کی نیت خالص ہو۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور نیت کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ اپنی بہادری دکھانے کے لیے لڑتے ہیں۔ کچھ لوگ قومی عصبیت میں آ کر جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔ کچھ ریا کاری کے جذبہ کے تحت میدان جہاد میں آتے ہیں اَیُّ ذَالِکَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ان میں کس کو فی سبیل اللہ مانا جائے گا؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (متفق علیہ) کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے قتال کرے وہی فی سبیل اللہ لڑنے والا مانا جائے گا۔

یہ بات تو مسلم ہے کہ کبھی قتال کرنے سے زر بھی ملتا ہے یعنی مال غنیمت حاصل ہوتا ہے۔ زمین بھی ملتی ہے یعنی بہت سا علاقہ زیر نگیں آ جاتا ہے۔ زن بھی ملتی ہے یعنی باندیاں بھی ہاتھ آ جاتی ہیں۔ لیکن ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ زر، زمین، زن کے لیے قتال نہیں کرتا وہ صرف اور صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مال اور جان قربان کرتا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن　　نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

تین قسم کے شَہید:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ شہداء تین قسم کے ہیں
(ا) ایک وہ آدمی جو جان و مال لیکر بہ نیت ثواب جہاد کے لیے نکلا۔ نہ تو اس کا لڑنے کا ارادہ ہے اور نہ شہید ہونے کا۔ وہ صرف مسلمانوں کی جماعت بڑھانے کے لیے آیا ہے۔ اگر یہ آدمی شہید ہو گیا تو اس کے بھی تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ یہ شخص عذاب قبر اور فزع اکبر سے محفوظ رہے گا اسے عزت کی خلعت اور جنت کا تاج پہنایا جائے گا اور حورعین سے اس کی شادی ہوگی۔

(ب) دوسرا وہ آدمی جو جان و مال لیکر ثواب کی نیت سے جہاد کے لیے نکلا۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ کفار کو قتل کرے لیکن خود قتل نہ کیا جائے اگر یہ آدمی شہید ہو گیا تو اس کا گھٹنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ ہو گا فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ اللہ رب العزت کے سامنے سچی بیٹھک میں اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

(ج) تیسرا وہ شخص جو جان و مال لے کر ثواب کی نیت سے جہاد کے لیے نکلا اس کی چاہت یہ ہے کہ کفار کو قتل بھی کرے اور خود بھی قتل کر دیا جائے۔ اگر یہ آدمی شہید ہو گیا تو قیامت کے دن یہ اپنی تلوار کندھے پر رکھ کر بڑی شان سے چلتا ہوا آئے گا۔ حالانکہ اس وقت سب لوگ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے لیے راستہ چھوڑ دو! میں نے اپنا خون اور مال اللہ کے راستہ پر لٹایا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر وہ یہ بات انبیاء کرام کو بھی کہہ دے تو وہ بھی اس کے لیے راستہ چھوڑ دیں گے۔ یہ شخص عرش الٰہی کے نیچے نور کے منبر پر رونق افروز ہو

گا۔ وہ ہرقسم کے خوف وحزن سے محفوظ ہوگا۔ اسے نہ تو حساب وکتاب کی فکر ہوگی نہ میزان اعمال کی اور نہ پل صراط کی۔ وہ جو مانگے گا اسے دیا جائے گا۔ جس کی شفاعت کرے گا وہ قبول کی جائے گی۔ (بزار بیہقی)

شہادت انعامِ خداوندی ہے:

ہر نماز میں ہم یہ دعاء مانگتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔

قرآن مجید کی یہ خوبی ہے اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کہ یہ خود اپنی تشریح آپ بھی کرتا ہے۔ اگر ہم قرآن مجید ہی سے تلاش کریں کہ وہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں جن کے راستے پر چلنے کی ہم دعاء مانگتے ہیں؟ تو قرآن ہمیں بتاتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت کے روز ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ آگے ان انعام یافتہ لوگوں کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء) کہ وہ انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کرام کو انعام یافتہ لوگوں کی فہرست میں شامل فرما کر اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ شہادت اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم انعام واحسان ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شہادت احسانِ خداوندی ہے:

غزوہ اُحد میں جب ستر (۷۰) مسلمان شہید ہوئے اور باقی سب زخموں سے چور ہوئے تو اس نقصان سے مسلمانوں کو ایک طبعی غم پہنچا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور سست نہ ہو جاؤ اور نہ ہی کسی قسم کا غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ اگر تمہیں زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (آل عمران) اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا رتبہ عطاء فرما دے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو شہادت کا رتبہ دے کر تمہارے اوپر اپنا احسان کرنا چاہتا تھا۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ دور نبوی میں اللہ تعالیٰ مختلف غزوات میں صحابہ کرامؓ کو شہادت کے رتبہ پر فائز فرما کر ان پر احسان فرماتے رہے۔ چنانچہ غزوہ بدر میں ۱۴۔ غزوہ اُحد میں ۷۰۔ سریہ رجیع میں ۱۰۔ بیر معونہ کے حادثہ میں ۷۰۔ غزوہ خندق میں ۶۔ غزوہ خیبر میں ۱۹۔ سریہ موتہ میں ۱۴۔ غزوہ حنین میں ۶ اور غزوہ طائف میں ۱۳ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔

راہِ شہادت کی تکالیف:

ارشاد ربانی ہے کہ جہاد کے لیے جانے والے کو راستہ میں جو بھی تکلیف

پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھ دیتا ہے۔
ذَالِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا يَطَؤُنَ مَوْطِئًا يَغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَايَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (سورۃ توبہ) یہ اس واسطے ہے کہ انہیں راہ خدا میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے یا دشمنوں سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کے لیے نیک عمل لکھ دیا جاتا ہے۔ آگے فرمایا کہ وہ چھوٹا بڑا جو خرچ کرتے ہیں یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کے لیے اعمال صالحہ میں لکھ لیا جاتا ہے۔

یہ راہ ایسی ہے کہ انہیں ہر طرح سرفرازی ہے
مرے تو شہید مارے اگر تو غازی ہے

مُجاہد کا گھوڑا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اِنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِ لَيَسْتَنُّ فِيْ طِوَلِهٖ فَيُكْتَبُ لَهٗ حَسَنَاتٌ (بخاری) کہ جب مجاہد کا گھوڑا گھاس چرتے ہوئے لمبائی میں چلتا ہے تو اس پر بھی مجاہد کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَنِ احْتَسَبَ فَرَسًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اِيْمَانًا بِاللهِ وَتَصْدِيْقًا بِوَعْدِهٖ کہ جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے گھوڑا باندھا فَاِنَّ شِبْعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِيْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بخاری) تو اس گھوڑے کا گھاس جو اس نے کھایا اور پانی جو اس نے پیا اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس کی نیکیوں میں شمار کر کے میزان میں تولا جائے گا۔

گرامی قدر سامعین! اندازہ لگائیں جب گھوڑے کے چلنے پھرنے

کھانے پینے پر اتنا اجر ملتا ہے تو راہِ خدا میں جان دینے کا کتنا بڑا اجر و ثواب ہوگا؟

ایک صُبح۔ ایک شام:

ایک حدیث میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا (بخاری) کہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے ایک صبح یا ایک شام لگانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ایک حدیث میں ہے خَيْرٌ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ کہ جتنی چیزوں پر سورج طلوع ہوتا ہے یہ ان سے بہتر ہے۔

راہِ شہادت کا غُبار:

ایک حدیث میں ہے مَا اغْبَرَّتَا قَدَمَا عَبْدٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ (بخاری) کہ جس بندے کے قدم راہِ خدا میں غبار آلود ہوں گے اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں پہرہ داری میں جاگی ہو (ترمذی)۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں جس راستے کا غبار اتنا مبارک ہے جس راستے میں جاگنے کی اتنی بڑی فضیلت ہے وہ راستہ کتنا عظیم ہوگا؟ اور پھر اس راستے میں جان قربان کرنے والے شہید کا مرتبہ کتنا بلند ہوگا؟

قَومی زندگی کی ضمانت:

گرامی قدر سامعین! شہید ہونے والا بظاہر ہمیں ضائع ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ میدان جہاد میں اس کا وجود ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر

بنظر غائر دیکھیں تو شہید کی موت اس کی قوم اور موقف کی بقاء کی ضامن نظر آتی ہے۔ وہی قوم زندہ اور باقی رہتی ہے جس کے افراد شہادت سے سرفراز ہوتے چلے آ رہے ہوں۔ اور جو لوگ شہادت سے جی چرائیں وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔

تمہیں سے اے مجاہدو! دین کا ثبات ہے
شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

گرامی قدر سامعین! اس کی بہترین مثال کھیت میں کاشت کیا جانے والا غلہ اور دانہ ہے۔ ایک زمیندار جب کھیت میں ہل چلا کر پھر اپنے گھر سے انتہائی قیمتی گندم اٹھا کر مٹی میں بکھیر کر آ جاتا ہے تو ایک ظاہر بیں کو یہی نظر آتا ہے کہ اس نے اتنی قیمتی گندم مٹی میں ملا کر ضائع کر دی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چند دانوں نے اپنے وجود کی قربانی دیکر اپنی جنس اور نسل کی بقاء کا انتظام کر دیا۔

اگر یہ چند دانے اس طرح اپنی قربانی نہ دیں تو رفتہ رفتہ دنیا سے ان کی نسل کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر شہادت پانے والا میدان جہاد میں خاک و خون میں غلطاں نہ ہو تو اس کی قوم کا وجود بھی صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے میدان اُحد میں ستر مسلمانوں کی شہادت کے بعد تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا لِیَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُھَدَآءَ کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کو شہادت دینا چاہتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ ان ستر (۷۰) شہداء سے اگرچہ تمہاری نفری میں کمی نظر آ رہی ہے لیکن حقیقت میں انہی کی بدولت تمہیں بقاء مل گئی ہے۔

شہید کا سودا خُدا سے :

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہید کی عظمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَ اَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ

کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔

پھر اس کی شکل بیان کرتے ہوئے فرمایا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ کہ یہ لوگ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل کیے بھی جاتے ہیں۔ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ وَ الْقُرْاٰنِ یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (سورۃ توبہ) اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ ایک سودے میں چار چیزیں لازماً ہوتی ہیں۔ (ا) مشتری۔ (ب) بائع۔ (ج) مبیع۔ (د) ثمن

اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح فرما دیا کہ مشتری یعنی خریدار خود اللہ تعالیٰ ہے۔ بائع یعنی بیچنے والے مومنین ہیں۔ مبیع یعنی جس چیز کا سودا ہوا ہے وہ مومنوں کی جانیں اور مال ہیں۔ ثمن یعنی قیمت جنت ہے۔

اور پھر یہ بھی بیان فرما دیا کہ اس سودے اور معاہدے کی شکل کیا ہے اور کس منڈی میں یہ سودا ہوگا؟ اس کی شکل یہ ہے کہ اس کے دین کی سربلندی کے لیے میدان کارزار میں قتال کیا جائے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ کونسی دستاویز میں لکھا ہے؟ تو فرمایا یہ وعدہ اس نے تورات، انجیل اور قرآن مجید میں لکھ دیا ہے۔ جو یقیناً پورا ہوگا۔

اور یہ معاہدہ کرنے والی کوئی عام ہستی نہیں ہے کہ وعدہ کر کے مکر جائے۔ کوئی کمزور ہستی نہیں ہے کہ وعدہ پورا نہ کر سکے۔ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ بھلا

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اپنے وعدے کی پاسداری کرنے والا ہو سکتا ہے۔ پھر آخر میں مؤمنین کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ کہ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ تمہارا خدا تعالیٰ کے ساتھ سودا ہو گیا ہے۔ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور جس کے ساتھ یہ سودا خدا نے کر لیا ہے وہ جان لے کہ اس سے بڑی کامیابی اور کوئی نہیں۔

شوقِ شہادت:

صحابہ کرامؓ نے چونکہ اس سودے کی حقیقت اور افادیت کو سمجھ لیا تھا اور اس پر ان کا یقین کامل تھا اس لیے وہ حصول شہادت کی تمنا اور خواہش رکھتے تھے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک عظیم جرنیل تھے آپؓ نے تقریباً ۱۲۵ جنگوں میں حصہ لیا۔ آپ کا جذبہ اور تمنا یہی تھی کہ مجھے شہادت مل جائے۔ مگر جب اپنے بستر پر وفات پانے لگے تو انتہائی تاسف کا اظہار کیا اور فرمایا افسوس ہے کہ میں آج بستر پر مر رہا ہوں۔ میری چاہت تو یہی تھی کہ مجھے شہادت ملے مگر شاید میرے مقدر میں شہادت نہ تھی۔

حضرت عمرو بن الجموحؓ کا جذبہ:

حضرت سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک پاؤں سے اس حد تک معذور تھے کہ چل پھر بھی نہ سکتے تھے۔ غزوہ احد کے موقعہ پر جب ان کے چاروں بیٹے لڑائی کے لیے جانے لگے تو یہ بھی تیار ہو گئے۔ بیٹوں نے بہتیرا سمجھایا کہ ابا جان! آپ معذور ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے رخصت رکھی ہے آپ کی طرف سے ہم چار بیٹے جو جا رہے ہیں آپ گھر میں ہی تشریف رکھیں۔

بیٹوں کی یہ باتیں سن کر آپ شدید غصے میں آ گئے اور شوق شہادت میں

اتنے بے تاب ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر بیٹوں کی شکایت لگا دی کہ میرے یہ بیٹے مجھے میدان جہاد میں جانے سے روکتے ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی معذوری دیکھ کر یہی مشورہ دیا کہ آپ پر جہاد تو فرض نہیں ہے۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے رخصت رکھی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔

آپؓ کی یہ باتیں سن کر حضرت عمرو بن جموحؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! بھلا جنت میں جانے کو کس کا جی نہیں چاہتا؟ وَاللهِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَطَاَ بِعَرْجَتِیْ هٰذِهِ الْجَنَّةَ اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ میں شہادت سے سرفراز ہو کر اسی لنگڑے پاؤں سے جنت کی سرزمین کو روندوں گا۔ آپؐ نے ان کا شوق شہادت دیکھ کر اجازت دے دی۔

پھر جب آپ گھر سے نکلنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعاء کی اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً وَّلَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَهْلِیْ اے اللہ! مجھے شہادت سے سرفراز فرمانا مجھے گھر واپس نہ لانا۔

صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ آپ میدان جنگ میں ایک ہی پاؤں پر اچھل کر چل رہے ہیں اور جہاد کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں اِنِّیْ لَمُشْتَاقٌ اِلَی الْجَنَّةِ میں تو آج جنت کا شوق رکھتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبے کی قدر کرتے ہوئے انہیں شہادت سے سرفراز فرما دیا۔ جنگ کے اختتام پر جب ان کی بیوی ان کی میت کو اونٹ پر لاد کر مدینہ منورہ لانے لگیں تو وہ اونٹ بیٹھ گیا۔ صورت حال یہ بن گئی کہ جب اس کا رخ میدان اُحد کی طرف موڑا جاتا تو چلنے لگتا اور جب مدینہ منورہ کی طرف موڑا جاتا تو بیٹھ جاتا۔ ان کی بیوی نے حیران ہو کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سارا ماجرا عرض کیا تو آپؐ نے پوچھا کہ انہوں نے گھر سے نکلتے

وقت کوئی دعا، تو نہیں کی تھی؟ بتایا گیا کہ یہ دعا، مانگی تھی اَللّٰھُمَّ لَاتَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ اسی دعاء کا اثر ہے۔ انہیں میدان اُحد میں ہی دفن کر دیا جائے۔

ان کی تدفین کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ رَاَیْتُہٗ یَطَاُ بِعَرْ جَتِہٖ فِی الْجَنَّۃِ کہ میں نے دیکھا ہے کہ عمرابن جموحؓ اسی لنگ کے ساتھ جنت کی سیر کرتے پھرتے ہیں۔ (صور من حیاۃ الصحابۃ)

حضرت سعد الاسودؓ کا شوقِ شہادت:

آپ کا رنگ اتنا سیاہ تھا کہ آپ کا لقب ہی اسود پڑ گیا تھا۔ اسی رنگت کی وجہ سے کوئی شخص انہیں رشتہ دینے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے ان کا نکاح عمرو بن وہب کی خوبرولڑکی سے ہو گیا۔ لڑکی اپنی ذہانت فطانت اور حسن میں اپنی مثال آپ تھی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ اپنی بیوی کے لیے کوئی تحفہ خرید لیں تا کہ عندالملاقات اسے پیش کر سکیں۔ آپ انتہائی خوشی اور مسرت کے عالم میں فوراً بازار تشریف لے گئے۔ مختلف اقسام کے تحائف دیکھے مگر کوئی تحفہ اپنی بیوی کے شایانِ شان نظر نہ آیا۔ انہیں خیالات میں گم آپ بازار میں پھر رہے تھے کہ کانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی آواز پڑی یَاخَیْلَ اللّٰہِ ارْکَبِیْ وَبِالْجَنَّۃِ اَبْشِرِیْ اے اللہ کے شہسوارو! جہاد کے لیے نکلو تمہیں جنت کی بشارت ہے۔

اس آواز کا سننا تھا کہ شادی کے سارے ولولے اور جذبات ماند پڑ گئے جنت اور نعمائے جنت آنکھوں میں گھومنے لگیں۔ شہادت کا شوق اس حد تک بڑھا کہ فوراً نوعروس کے لیے تحائف خریدنے کی بجائے اسی رقم سے تلوار، نیزہ اور گھوڑا

خرید لیا اور سر پر عمامہ باندھ کر جہاد میں شریک ہو گئے۔ اتنے جوش وخروش سے لڑے کہ لوگ حیران رہ گئے۔ پھر جب گھوڑا زخمی ہو گیا تو آستین چڑھا کر پیدل لڑنے لگے اور اس وارفتگی سے لڑے کہ بالآخر شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اور نو عروس کی آغوش کی بجائے تیغ عروس کے گلے مل کر ابدی زندگی حاصل کر لی۔

اختتام جنگ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نعش مبارک پر تشریف لائے اور فرط محبت میں ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ان کا لنگڑا گھوڑا اور اسلحہ منگوا کر ان کی بیوی کے ہاں بھیج دیا اور فرمایا کہ ان کے سسرال کو بتا دو قَدْ زَوَّجَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْ فَتَاتِكُمْ وَهٰذَا مِيْرَاثُهٗ کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری لڑکی سے بہتر لڑکی کے ساتھ جنت میں سعد کی شادی کر دی ہے۔ اس کی طرف سے یہ تحفہ میراث قبول کر لو۔ (اسد الغابہ)

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا کا جذبہ:

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ایک بہت بڑی شاعرہ تھیں۔ دور جاہلیت میں جب ان کا بھائی صخر مارا گیا تو انہوں نے انتہائی دردناک مرثیے لکھے۔ مختلف مجالس میں وہ مرثیے پڑھ کر خود بھی روتی تھیں اور حاضرین کو بھی رلاتی تھیں۔ حتیٰ کہ بیس سال تک اس کی جدائی میں روتی رہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ قادسیہ میں ضعیف العمری کی حالت میں اپنے چار نوجوان فرزندوں کے ساتھ شریک ہوئیں۔ آپ نے جنگ کی رات اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا اور فرمایا میرے بیٹو! تم نے خوشی سے اسلام قبول کیا ہے۔ اپنی مرضی سے ہجرت کی ہے۔ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کتنا اجر وثواب تیار کر رکھا ہے۔ تمہارا نسب بے عیب اور تمہارا حسب بے داغ ہے۔ کل میدان جنگ میں موت سے نہ گھبرانا۔ اگر شہادت

نصیب ہو جائے تو اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔

خدا کی قدرت کے ان کے چاروں بیٹے دوسرے دن شہادت پا گئے۔

بیٹوں کی شہادت کی خبر سن کر حضرت خنساء نے فوراً سر سجدہ میں رکھ دیا اور پہلا کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنِیْ بِقَتْلِھِمْ وَاَرْجُوْاَنْ یَّجْمَعَنِیْ بِھِمْ فِیْ مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِہٖ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ان کے قتل سے مشرف فرمایا اور مجھے چار شہیدوں کی ماں بنایا۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن تو مجھے ان کی رفاقت عطاء فرما کر اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ (اسد الغابہ)

یہ تو صرف ایک جان ہے:

۱۹ھ میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ فرمایا تو قیصر روم نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ کسی طرح مسلمانوں کے کچھ آدمی زندہ گرفتار کر کے میرے سامنے لائے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے موقع پا کر حضرت عبداللہ بن حذافہ سمیت چند مسلمانوں کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کر دیا۔ قیصر روم کو جب پتہ چلا کہ یہ صحابی رسول ہیں تو اس نے آپؓ کو اپنے دربار میں حاضر کیا۔ پھر آپ کو بغور دیکھنے کے بعد کہنے لگا کہ آپ عیسائیت قبول کر لیں میں آپؓ کو چھوڑ دوں گا۔ آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اس کے مقابلے میں مجھے موت قبول ہے۔

وہ کہنے لگا کہ اگر آپ میری بات مان لیں تو میں آپ کو بادشاہی میں بھی شریک کر لوں گا۔ آپؓ نے مسکرا کر فرمایا اگر تو عرب وعجم کے سارے خزانے میرے قدموں میں ڈال دے تو میں ایک لحظہ کے لیے بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ آپؓ کو سولی پر لٹکا کر انہیں تلواروں اور نیزوں کے کچوکے لگائے جائیں۔ چنانچہ اس طرح کیا گیا مگر آپؓ نے

عیسائیت کو قبول نہ کیا۔

بالآخر اس نے آپؓ کے سامنے آپؓ کے دو ساتھیوں کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا تو ایک لمحہ میں ان کا گوشت پگھل گیا اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ پھر آپؓ کو دھمکاتے ہوئے اس نے آپؓ کے سامنے عیسائیت پیش کی مگر پھر بھی آپؓ نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ انہیں بھی اسی گرم تیل میں ڈال دیا جائے۔

جب آپؓ کو کڑاہ کے قریب لایا گیا تو آپؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ قیصر کو بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی رونے لگ گیا ہے۔ قیصر سمجھا کہ بات بن گئی ہے۔ اس نے بلا کر پھر عیسائیت پیش کی تو آپؓ نے انکار کر دیا۔ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا پھر آپ رو کیوں رہے تھے؟ آپؓ نے جواب دیا رویا تو اس لیے ہوں کہ آج میرے پاس ایک ہی جان ہے جو میں اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں وَقَدْ كُنْتُ اَشْتَهِيْ اَنْ يَكُوْنَ لِيْ بِعَدَدِ مَافِيْ جَسَدِيْ مِنْ شَعْرٍ اَنْفُسٌ کاش میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے وجود پر بال ہیں فَتُلْقٰى كُلُّهَافِيْ هٰذَا الْقِدْرِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ تو میں ایک ایک کر کے وہ ساری جانیں اللہ کے حضور قربان کر دیتا۔

قیصر ان کی استقامت و جرأت دیکھ کر بے حد متاثر ہوا اور آپؓ کی جرأت ایمانی کو سلام پیش کیا اور بالآخر آپ کو رہا کر دیا۔ (صور من حیاۃ الصحابہ)

حضرت عمرؓ کی دُعاء:

خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری دور میں رات کو تنہائیوں میں مسجد نبوی میں بیٹھ کر یہ دعاء فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ نَبِيِّكَ اے اللہ! مجھے

اپنی راہ میں شہادت عطاء فرما اور مجھے مدینہ منورہ کی موت نصیب فرما۔
لوگ حیران تھے کہ مدینہ منورہ کے اندر رہتے ہوئے بھلا آپ کو شہادت کیسے مل سکتی ہے؟ مدینہ تو اب دارالامن ہے نہ یہاں جنگ ہے نہ جہاد ہے۔
پھر ایک دن اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی دعاء کو یوں قبول کیا کہ محراب نبوی میں جماعت کرانے کے لیے کھڑے ہوئے تو ابو لولوہ فیروز مجوسی نے آپؓ پر قاتلانہ حملہ کر دیا اور آپؓ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اپنی جگہ امامت کے لیے فوراً حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کھڑا کیا تاکہ مسلمانوں کی نماز میں تاخیر نہ ہو۔
تکمیل نماز کے بعد آپؓ نے سوال فرمایا کہ میرا قاتل مسلمان ہے یا کافر؟ جب آپؓ کو بتایا گیا کہ وہ کافر ہے تو آپؓ نے بلند آواز میں فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

رسول اللہؐ کی تمنا:

گرامی قدر سامعین! شہادت ایک ایسی سعادت ہے کہ امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تمنا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میری یہ خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر آپؐ نے مزید فرمایا ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ (بخاری) میں چاہتا ہوں کہ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔
گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بار بار اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہونے کی تمنا اسی لیے فرما رہے ہیں کہ شہادت ایک عظیم سعادت ہے۔
ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص اس حالت میں مر

گیا کہ نہ تو اس نے کبھی جہاد کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا اور نہ کبھی شہادت کی تمنا پیدا ہوئی مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ (مسلم) تو وہ ایک لحاظ سے منافق ہو کر مرا۔

شہید زندہ ہے :

غزوہ احد میں مسلمانوں کو ایک جنگی غلطی کی وجہ سے شدید نقصان ہوا اور ان کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔ تقریباً ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے جن میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ۔ حضرت انس بن نضرؓ اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس تکلیف دہ صورت حال کی وجہ سے مسلمان شدید غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے حقیقت حال بیان فرمائی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ہیں انہیں مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔ فَرِحِيْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و رحمت سے عطاء کر رکھا ہے اس میں خوش ہیں وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (آل عمران) اور جو لوگ شہید ہو کر ابھی ان سے نہیں ملے ان کی نسبت بھی خوش ہو رہے ہیں کہ ان کو بھی کچھ خوف اور غم نہ ہوگا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں میدان جنگ میں قتل کر دیا گیا۔ ان کے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کفار نے ان کا مثلہ کر کے ان کی شکلیں تک بگاڑ دیں۔ پھر ان کو کفن دیا گیا' جنازہ پڑھا گیا' پھر قبروں میں دفن کر دیا گیا' پھر ان کی بیویوں کو بیوہ اور اولاد کو یتیم گردانا گیا۔ ان کی وراثت

تقسیم کر دی گئی۔ یعنی ان کے ساتھ سارا معاملہ وہی کیا گیا جو مُردوں کے ساتھ کیا جاتا ہے' پھر بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہیں مُردہ گمان نہ کرو وہ زندہ ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا مطلب پوچھا......؟

کیسی زندگی؟

حضرت مسروق تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا کہ اَمَاۤاِنَّا سَاَلْنَا عَنْ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہم نے اسی طرح اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے فرمایا جَعَلَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ فِیْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے اجسام میں رکھ کر جنت میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ تَرِدُ اَنْهَارَ الْجَنَّةِ وَتَاْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وہ جنت کی نہروں کا پانی پیتے ہیں اور اس کے میوہ جات کھاتے ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں گھومتے پھرتے ہیں۔ وَتَاْوِیْ اِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِیْ ظِلِّ الْعَرْشِ وہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے لٹکنے والی سونے کی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ فَاطَّلَعَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر جھانکا اور ان سے سوال کیا کہ تم کسی چیز کی طلب رکھتے ہو تو بتاؤ میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ شہداء نے جواب دیا اَیَّ شَیْءٍ نَشْتَهِیْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ کہ جب جنت کی نعمتوں سے ہم بلا روک ٹوک متمتع ہو رہے ہیں تو ہم کیا مانگیں؟ تو اس طرح بار بار اللہ تعالیٰ ان کی خواہش پوچھتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے کہ بھلا جنت میں پہنچ جانے کے بعد کس چیز کی کمی رہ گئی ہے جس کا ہم سوال

کریں؟

بالآخر اللہ تعالیٰ کے بار بار سوال کرنے پر ان شہداء نے باہم مشورہ کر کے ایک خواہش کا اظہار کر دیا۔ یَا رَبِّ نُرِیْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا اِلٰی اَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِکَ مَرَّۃً اُخْرٰی کہ اے اللہ ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری روحوں کو ان پرندوں میں سے نکال کر ہمارے ان جسموں میں پہنچا دے جو قبروں میں مدفون ہیں۔ یعنی دنیا میں بھیج کر دوبارہ زندگی دے دے تاکہ ہم تیرے راستے میں دوبارہ جہاد کریں اور قتل کیے جائیں۔

ان کی اس خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنِّیْ قَضَیْتُ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (مشکوٰۃ) کہ یہ تو پہلے میرا فیصلہ ہو چکا ہے کہ قیامت سے پہلے تمہاری روحیں ان جسموں میں نہیں لوٹائی جائیں گی۔

بعض احادیث میں ہے کہ انہوں نے پھر اس خواہش کا اظہار کیا یَا لَیْتَ اِخْوَانَنَا یَعْلَمُوْنَ مَا صَنَعَ اللّٰہُ بِنَا کاش کہ ہمارے دنیاوی بھائیوں کو پتہ چل جاتا کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک فرمایا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَنَا اُبَلِّغُھُمْ عَنْکُمْ میں تمہارے حالات سے انہیں آگاہ کر دیتا ہوں فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا الخ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ الخ.

گرامی قدر سامعین! اس حدیث سے جہاں شہداء کی عظمت ثابت ہو رہی ہے وہاں یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ شہداء دنیا میں نہیں بلکہ جنت میں زندہ ہیں۔ ان کی روح قبروں میں پڑے ہوئے اجسام میں نہیں بلکہ جنت کے پرندوں میں ہے۔

بلا حجاب کلام:

حضرت جابرؓ کے والد گرامی حضرت عبداللہؓ جو غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے تھے' ان کی بابت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا۔ مَا كَلَّمَ اللهُ اَحَدًا قَطُّ اِلَّامِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ وَ اَحْيٰى اَبَاكَ فَكَلَّمَهٗ كِفَاحًا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کے ساتھ بھی کلام کی ہے پردے کے اندر سے کی ہے لیکن اے جابر! تیرے باپ کو زندہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بلا حجاب گفتگو فرمائی اور فرمایا يَا عَبْدِىْ تَمَنَّ عَلَيَّ اُعْطِيْكَ اے میرے بندے مجھ سے مانگ میں دینے کے لیے تیار ہوں تو وہ کہنے لگے يَارَبِّ تُحْيِيْنِىْ فَاُقْتَلُ فِيْكَ ثَانِيَةً اے اللہ! مجھے زندہ کر دے تاکہ میں دوبارہ تیرے راستے میں قتال کروں اور شہادت پاؤں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّهٗ قَدْسَبَقَ مِنِّيْ اَنَّهُمْ لَايَرْجِعُوْنَ (ترمذی) کہ یہ بات تو پہلے سے طے ہو چکی ہے کہ دنیا میں واپس نہیں لوٹایا جائیگا۔

جنت سے واپسی کی تمنا:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَااَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ کہ جو بھی جنت میں داخل ہوتا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ دنیا کی طرف پھر لوٹ جائے چاہے اسے دنیا کی ساری چیزیں مل جائیں اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ (بخاری) مگر شہید یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ دنیا کی طرف بار بار لوٹایا جائے تاکہ دس بار شہادت پائے کیونکہ وہ شہادت کے اعزاز و اکرام اور اَجر و ثواب کو دیکھ چکا ہے۔

سات انعامات:

حدیث شریف میں ہے کہ شہید پر اللہ تعالیٰ سات انعامات فرماتے ہیں۔

(۱) اس کا خون زمین پر گرتے ہی اس کی مغفرت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

(۲) وہ موت سے پہلے جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔

(۳) وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) وہ قیامت کے دن فزع اکبر سے بھی محفوظ رہے گا۔

(۵) اس کے سر پر یاقوت کا تاج سجایا جائیگا کہ اس کا ایک ایک موتی دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

(۶) جنت کی بہتر (۷۲) حورعین سے اس کی شادی کی جائے گی۔

(۷) اپنے اقرباء میں سے ستر (۷۰) آدمیوں کی سفارش کر کے انہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔ (ترمذی)

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقاء کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

(وما علینا الا البلاغ المبین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۷:- اَزواجِ مُطہّرات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْأَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ الخ (سورۃ احزاب) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ۔

گرامی قدر سامعین! ایک مومن کا وجود ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق اور نسبت کی وجہ سے قائم ہے آپ مؤمنین کے حق میں بمنزل روحانی باپ کے ہیں اور آپ کی بیویاں ہماری روحانی مائیں ہیں۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (سورۃ احزاب) کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور آپ کی بیویاں مؤمنوں کی مائیں ہیں۔ اسی لیے آپ کی ازواج مطہرات کو امہات المؤمنین بھی کہا جاتا ہے۔ مؤمنوں کی مائیں ہونے کی وجہ سے وہ بہت زیادہ عزت و احترام کی مستحق ہیں حتیٰ کہ ہماری سگی ماؤں سے بھی ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ قابل احترام ہیں۔

ازواج مطہرات کی دوسری خوبی یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (احزاب) کہ تمہارے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی

بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔

☆ ازواج مطہرات کی حیثیت عام عورتوں کی سی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی شان و منقبت بیان فرمائی ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ الخ کہ اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اس مقام پر مزید فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا کہ اے پیغمبر کے گھر والو! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کا میل کچیل دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک وصاف کر دے۔

گرامی قدر سامعین! اس آیت تطہیر کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ دراصل یہ آیت ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ بعد میں البتہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور توسع حضرت سیدنا علیؓ۔ حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا تھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

تعداد:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کل گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے دو بیویوں نے آپؐ کی زندگی ہی میں انتقال فرمایا۔ آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کی نو بیویاں زندہ تھیں۔

مسئلہ تعدّدِ ازدواج:

عام طور پر ایک عام آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتنے نکاح کیوں فرمائے؟ جبکہ ایک امتی کو صرف چار بیویوں کی اجازت ہے۔

دشمنان اسلام اس بات کو بڑے موثر انداز میں بیان کرتے ہیں کہ آپؐ

نے یہ متعدد نکاح محض حظ نفس کے لیے فرمائے تھے۔ اس طرح ایک مومن کے دل میں اپنے نبیؐ کے بارے میں یہ خبیث وسوسہ ڈال کر وہ اس کے خرمن ایمان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! اس اعتراض کے بہت سارے جوابات علماء کرام نے بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں۔

۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ دین وشریعت کا بانی خود اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار کلی اسی کو حاصل ہے۔ اس نے ہمیں صرف چار بیویوں کی اجازت دی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ کی اجازت دی ہے۔ یَاۤاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الخ (احزاب) کہ اے پیغمبرؐ! ہم نے تمہارے لیے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دے دیے ہیں حلال کر دی ہیں اور تمہاری لونڈیاں جو خدا تعالیٰ نے تمہیں بطور غنیمت دی ہیں وہ بھی آپؐ کے لیے حلال ہیں۔

پھر ایک مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر پابندی بھی لگا دی لَایَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ (احزاب) کہ اب ان کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر دوسری بیویاں نکاح میں لاؤ اگرچہ ان کا حسن آپ کو اچھا لگے۔ ہاں لونڈیوں کے بارے میں آپ کو اختیار ہے۔

گرامی قدر سامعین! جب آپ کو اجازت دینے والا خود خدا تعالیٰ ہے تو پھر کسی کے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

(۲) یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ آپؐ نے جتنی عورتوں کے ساتھ نکاح فرمایا وہ سب کی سب بیوہ تھیں' سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ اگر آپ کو حظ نفس مقصود ہوتا تو آپ کنواری عورتوں سے شادی فرماتے۔ حالانکہ آپؐ کی جوانی اور عین شباب کے عالم میں اہل مکہ نے آپ کو پیش کش کی تھی کہ آپ جہاں چاہیں ہم آپؐ کی شادی کرا دیتے ہیں۔ مگر آپؐ نے جواباً فرمایا تھا میرا مقصود لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے۔ دولت اور عورت نہیں۔

(۳) جب تک حضرت سیدہ خدیجہؓ زندہ رہیں' آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ اگر حظ نفس مقصود ہوتا تو آپ اس دور میں کسی اور عورت سے نکاح فرما لیتے۔

(۴) آپؐ نے جتنے نکاح کیے سب کے سب زندگی کے آخری عشرہ میں ہجرت کے بعد کیے جبکہ آپؐ کی عمر پچاس سال سے زائد تھی۔ اگر حظ نفس مقصود ہوتا تو جوانی میں کرتے۔

حقیقت:

آپؐ کے متعدد نکاحوں کی حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے یہ نکاح محض اشاعت دین کے لیے کیے تھے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ (۱) بیرونی زندگی۔ (۲) خانگی زندگی۔ آپؐ کی زندگی کے یہ دونوں پہلو امت کے لیے مینارہ نور اور مشعل راہ ہیں۔ آپؐ کی خانگی زندگی کے تمام حالات ازواج مطہرات نے بیان کیے اور عورتوں کے مسائل بھی انہی کے ذریعے امت تک پہنچے۔ آپ جس طرح مردوں کے نبی تھے اسی طرح عورتوں کے بھی نبی تھے۔ عورتوں کی تعلیم کے لیے آپؐ نے عورتوں کے حلقے لگانے کی بجائے کچھ

عورتوں کو اپنے نکاح میں لا کر انہیں محرم بنا کر ان کے ذریعے عورتوں تک دین پہنچایا۔ ازواج مطہرات کے یہ دس (۱۰) حجرے درحقیقت عورتوں کے دس مدارس تھے۔

گرامی قدر سامعین! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کے معاشی حالات تو آپ جانتے ہیں کہ تین تین ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا بلکہ ایک مرتبہ بعض ازواج نے ذرا کھلے خرچ کا مطالبہ کیا تو آپؐ ان سے ایک ماہ تک ناراض رہے۔

اندازہ لگائیں! بھلا جس کے گھر میں تین تین ماہ تک چولہا نہ جلے۔ کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا ہو اور جن کی بیویاں ان سے کھلے خرچہ کا مطالبہ کریں۔ جن کی راتیں مصلے پر کٹتی ہوں حتیٰ کہ پاؤں سوج جاتے ہوں وہاں عیش و عشرت اور حظ نفس کا کیا دخل؟

۱) حضرت خدیجہؓ:

یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی بیوی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ آپؐ کے ساتھ نکاح سے پہلے دو دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ یہ بہت مالدار خاتون تھیں، بہت سے لوگ ان کا مال تجارت ملک شام لے جاتے اور نفع کماتے تھے۔ نبوت ملنے سے پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ ان کا مال تجارت لے کر ملک شام کی طرف گئے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا ایک غلام میسرہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں بعض ایسے خوارق العادت امور ظاہر فرمائے جنہیں دیکھ کر میسرہ بہت متاثر ہوئے۔ نیز آپؐ کی دیانت و امانت کی بدولت گزشتہ سالوں کی نسبت امسال نفع بھی بہت ہوا۔

آپؐ کی دیانت و امانت سے متاثر ہو کر حضرت خدیجہؓ نے پیغام نکاح بھیجا جو آپؐ نے اپنے چچا سے مشورہ کر کے قبول فرما لیا۔ بوقت نکاح حضرت

خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس (۲۵) سال تھی۔

غار حراء میں جب آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ اس عظیم ذمہ داری اور عجیب وغریب واقعہ سے گھبرا سے گئے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور آپ کی خدمت اور تشفی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعوت اسلام دینا شروع کی تو آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون حضرت خدیجہؓ ہی تھیں۔ دعوت توحید کی وجہ سے جب مشرکین آپؐ کے دشمن ہو گئے تو حضرت خدیجہؓ نے ہر طرح سے آپ کی غمخواری فرمائی۔ ہر مشکل اور آڑے وقت میں آپ کا ساتھ دیا۔ حتیٰ کہ شعب بنی ہاشم میں آپ کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں۔ آپؓ نے اپنا سارا مال اشاعت اسلام کے لیے وقف کرتے ہوئے آپؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت زید بن حارثہ کو آپ ہی نے اپنے مال سے خرید کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

حضرت خدیجہؓ آپ کی وہ واحد بیوی ہیں جن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد بھی عطاء فرمائی۔ آپؐ کے بطن سے آپؐ کی چار بیٹیاں (زینبؓ۔ رقیہؓ۔ ام کلثومؓ اور فاطمہؓ) اور دو بیٹے (قاسمؓ۔ عبداللہؓ) پیدا ہوئے۔

پچیس سال آپ کی رفاقت میں گزارنے کے بعد نبوت کے دسویں سال حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۶۵ سال اور آپ کی عمر پچاس سال تھی (اس سال کو عام الحزن کہنے کی بھی یہی وجہ ہے)۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔

ان کی وفات کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر ان کو یاد کیا کرتے تھے۔ جب کبھی گھر میں کوئی مرغوب کھانا پکتا تو حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو ضرور

بیجا کرتے تھے۔ آپؐ اکثر ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے آمَنَتْ بِیْ حِیْنَ کَفَرَ بِیَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِیْ حِیْنَ کَذَّبَنِیَ النَّاسُ وَوَ اسَتْنِیْ بِمَالِھَا اِذْ حَرَمَنِیَ النَّاسُ کہ وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا۔ میری اس وقت تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور اپنے مال و متاع سے میری مدد فرمائی جب لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت خدیجہؓ کو موتی کا ایک پرسکون اور بے مثال محل عطاء فرمایا ہے۔

۲) حضرت سَودہ بنتِ زَمعہؓ

آپؓ مکہ مکرمہ کے ایک معزز قبیلہ کی خاتون تھیں۔ ابتدا ہی سے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اپنے خاوند حضرت سکرانؓ بن عمرو کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی تھی۔ بعد ازاں قضائے الٰہی سے ان کے خاوند فوت ہو گئے اور یہ بیوہ ہو گئیں۔

حضرت سیدہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مغموم سے رہنے لگے۔ نبوت کی ذمہ داریوں کے علاوہ اب گھرانے کی دیکھ بھال بھی آپؐ کے ذمہ تھی۔ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیاں اس پر مستزاد تھیں۔ ان حالات میں ایک نیک دل خاتون حضرت خولہ بنت حکیم کے مشورہ پر آپؐ نے حضرت سودہؓ کے گھر پیغام نکاح بھیجا۔ جو ان کے والد زمعہ نے بخوشی قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کا نکاح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا۔

حضرت سودہؓ انتہائی نرم دل، سخی اور عبادت گزار تھیں۔ سخاوت تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بوریوں میں بھر کر آپؓ کے ہاں دراہم بھیجے تو تمام کے تمام ایک ہی مجلس میں صدقہ کر دیے۔

آپؓ کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ اکثر کوئی نہ کوئی ایسی بات کرتیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ سے کہنے لگیں کہ میں نے آج آپؐ کے پیچھے نفل نماز پڑھی باوجودیکہ میں آپ کے ساتھ تھی آپؐ نے پھر بھی اتنا لمبا رکوع کیا کہ مجھے نکسیر پھوٹ جانے کا خوف پیدا ہو گیا اور میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی یہ بات سن کر ہنسی آ گئی۔

حضرت سودہؓ جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو خیال آیا کہ کہیں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے طلاق نہ دے دیں۔ اس بناء پر آپؐ سے عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ! مجھے طلاق نہ دینا' اپنے نکاح میں ہی رکھنا میں قیامت کے دن آپ کی ازواج میں اٹھنا چاہتی ہوں۔ باقی میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپؐ نے اپنی ازواج سے فرمایا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا اس پر حضرت سودہؓ نے اتنی سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج و عمرہ دونوں کر چکی ہوں' اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۲۲ھ آپ کی وفات ہوئی۔

(۳) حضرت عائشہ صدّیقہؓ:

آپؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل حضرت سودہؓ کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپؓ کا نکاح ہوا۔ یہ واحد بیوی ہیں جو کنواری ہونے کی حیثیت سے آپؐ کے عقد میں آئی۔ ان کی فضیلت و منقبت اسی کتاب میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے بیان کی گئی ہے۔

۴) حضرت حفصہؓ:

یہ پیکر عدل وحریت خلیفہ ثانی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپؐ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ ان کا پہلا نکاح خنیسؓ بن حذافہ سہمی کے ساتھ ہوا۔ اپنے شوہر کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت بھی فرمائی۔ غزوہ بدر کے بعد ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو یہ بیوہ ہوگئیں۔ تکمیل عدت کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کو ان کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی تو انہوں نے معذرت کر لی۔ پھر آپؓ اسی غرض سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملے تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت عمرؓ کو ان کے اس رویے سے دکھ ہوا۔ تین چار دن ہی گزرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام نکاح دیا۔ تب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ دراصل میری خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیام نکاح دینا چاہتے ہیں اس لیے میں خاموش رہا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا میں نے مناسب نہ سمجھا۔ راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا۔

روایات میں یہ بات آتی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حفصہؓ کو کسی وجہ سے طلاق دے دی تو حضرت جبریل علیہ السلام وحی لیکر حاضر ہوئے اِرْجِعْ حَفْصَةَ فَاِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ وَاِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ (طبرانی) کہ حفصہؓ سے رجوع کر لیجیے وہ بڑی روزہ رکھنے والی عبادت گزار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے رجوع فرمالیا۔

ان کی زندگی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے مل کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاں سے

شہد کھانے سے روک دیا تھا۔ بعدازاں سورۃ تحریم کی آیات نازل ہوئیں۔
حضرت حفصہ علم وفضل کے لحاظ سے بھی بلند مرتبے پر فائز تھیں ان سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ آپ نے عمر ساٹھ سال ۴۵ھ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپؓ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

۵) حضرت زَینب بنت خُزیمہ ؓ:

آپؓ شروع ہی سے نہایت فیاض اور سخی تھیں۔ اس لیے ایام جاہلیت سے ہی آپؓ کا نام ام المساکین پڑ گیا تھا۔ پہلا نکاح مشہور صحابی رسولؐ حضرت عبداللہؓ بن جحش سے ہوا۔ ۳ھ غزوہ احد میں حضرت عبداللہؓ بن جحش نے شہادت پائی تو تکمیل عدت کے بعد رمضان ۳ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیام نکاح دیا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئے ہوئے انہیں دو تین ماہ ہی گزرے تھے کہ پیغام اجل آ گیا اور آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عمر ۳۰ سال وفات پائی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(حضرت خدیجہؓ کے بعد یہ آپؐ کی دوسری بیوی ہیں جن کا انتقال آپؐ کی زندگی میں ہوا۔ باقی سب بیویاں آپؐ کی وفات کے وقت بقید حیات تھیں)

۶) حضرت اُمّ سَلَمہ ؓ:

آپؓ قبیلہ مخزوم کے ایک انتہائی دولت مند اور فیاض آدمی ابوامیہ کی بیٹی تھیں جو فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے زادالراکب کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت ام سلمہؓ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی ابو سلمہ سے ہوا۔ آپ انہی کے ساتھ مشرف با سلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ پھر مکہ مکرمہ واپس آ کر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی (آپ کی ہجرت مدینہ کا واقعہ بڑا دردناک ہے) اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو انتہائی اعلیٰ درجے کی فہم و فراست اور حسن و جمال عطاء فرمایا تھا۔ دونوں میاں بیوی کی باہمی محبت قابل رشک تھی۔ آپ کی ازدواجی زندگی بڑے پرکیف انداز میں گزری۔

حضرت ام سلمہؓ خود فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میرے شوہر ابوسلمہؓ خوش خوش گھر تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی دعاء سن کر آیا ہوں جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ اِنَّا لِلّٰهِ الخ پڑھ کر یہ دعاء مانگے اَللّٰهُمَّ عِنْدَكَ اَحْتَسِبُ بِمُصِيْبَتِيْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ اخْلُفْنِيْ فِيْهَا بِخَيْرٍ مِّنْهَا (کہ اے اللہ! میں اپنی اس مصیبت میں تجھ سے اجر کی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھے اس کا نعم البدل عطاء فرما) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطاء فرمائے گا (مسلم)۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب غزوہ اُحد میں میرے محبوب خاوند ابو سلمہؓ شہید ہوئے تو اچانک مجھے وہ دعاء یاد آ گئی' پھر خیال آیا کہ میرے لیے ابوسلمہؓ کا نعم البدل کون ہوسکتا ہے؟ مگر پھر بھی آپ کے ارشاد پر یقین کر کے میں نے وہ دعاء پڑھ لی۔ پھر تکمیل عدت کے بعد اس دعاء کا ثمرہ یوں ظاہر ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغام نکاح آ گیا۔

چنانچہ شوال ۴ھ میں آپ حرم نبوی میں داخل ہوگئیں۔ آپؐ نے ان کو اسی کمرہ میں رہائش دی جہاں حضرت زینب بنت خزیمہؓ رہتی تھیں۔ آپؐ کے ساتھ اپنے سابقہ خاوند کے بچے بھی تھے۔ اُن کی کفالت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ نے علم و فضل میں اتنا کمال پیدا کیا کہ حضرت سیدہ عائشہؓ کے بعد علمی طور پر انہی کا درجہ مانا جاتا ہے۔ قرأت قرآن میں یکتا تھیں۔ آپ سے ۳۷۸ احادیث مروی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ عرصہ دراز تک زندہ رہیں اور لوگوں کو تعلیمات نبوت سے فیض یاب کرتی رہیں۔ بالآخر ۶۲ھ میں بعمر ۸۴ سال آپؓ کی وفات ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئی۔

(ازواج مطہرات میں سے سب سے آخر میں آپؓ ہی کی وفات ہوئی)۔

(۷) حَضرت زَینبؓ بنتِ جَحش:

یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپؓ نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کر لیا اور سابقون الاولون میں شمار ہوتی تھیں۔ اپنے خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائیں۔ آپ مشہور صحابی رسولؐ حضرت عبداللہ بن جحش کی بہن تھیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا رشتہ اپنے متبنیٰ اور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے لیے طلب فرمایا۔ اہل عرب چونکہ اپنے آپ کو اشراف اور احرار سمجھتے تھے اس لیے غلاموں کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے نکاح کو معیوب سمجھتے تھے۔ حضرت زید بن حارثہؓ بھی چونکہ غلام رہ چکے تھے اس لیے ان دونوں بہن بھائی نے اس رشتہ سے انکار کر دیا کہ حضرت زیدؓ خاندانی لحاظ سے ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے انکار سے بڑا دکھ ہوا اور آپؐ خاموش ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو تنبیہ کرتے ہوئے قرآن مجید نازل فرمایا وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ الخ (سورۃ احزاب) کہ کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ فرما دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ نزول قرآن کے بعد ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ کے ساتھ ہو گیا۔

خدا کی قدرت کہ موافقت نہ ہوئی اور مزاج نہ ملے حضرت زید اپنی جگہ درست کہ میں مرد ہوں حاکم ہوں اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ میں سے ہوں۔ حضرت زینب اپنی جگہ بضد کہ میں ایک خاندانی عورت ہوں یہ تو غلام ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ فکر مند کہ میں نے یہ رشتہ کرایا ہے اگر نباہ نہ ہوا تو کیا بنے گا؟

حضرت زیدؓ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینبؓ کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتے اور عرض کرتے کہ میں حضرت زینبؓ کو چھوڑ دیتا ہوں اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کو طلاق دینے سے منع فرماتے۔ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور خدا سے ڈر۔

بالآخر ایک دن وہی ہو کر رہا جس کا خوف تھا حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تکمیل عدت کے بعد ۵ھ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے جلو میں حضرت زینبؓ کا نکاح رسول اللہؐ سے کر دیا۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا الخ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت زینب کو جب یہ خبر پہنچی تو سجدہ شکر بجا لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر بڑا پر تکلف ولیمہ فرمایا اور صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد کو کھانا کھلایا۔

نکاح کے بعد منافقین نے پروپگنڈہ کرتے ہوئے آسمان سر پر اٹھالیا کہ آپؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کیوں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں قرآن نازل فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب) کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں۔ یعنی اگر آپؐ یہ رسم نہ مٹائیں گے تو کون مٹائے گا؟

حضرت زینبؓ سخاوت میں ضرب المثل تھیں۔ بہت زیادہ صدقہ دیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج سے فرمایا اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا کہ میری وفات کے بعد تم میں سے سب سے جلدی مجھے وہ بیوی ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اپنے ہاتھ ماپا کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ یہ کنایہ تھا سخاوت سے۔

آپؓ نے ۲۰ھ میں بعہد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعمر ۵۳ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ نے جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں (ازواج میں سے سب سے پہلے وفات آپؓ نے ہی پائی)

۸) حضرت جُویریہؓ بنتِ حارث:

آپ سردار بنی مصطلق کی بیٹی تھیں' غزوہ مریسیع میں ان کا خاوند مسافع بن صفوان مارا گیا اور آپ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ منورہ آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں آزاد فرما کر شرف زوجیت عطاء فرمایا۔

نکاح کی خبر پھیلتے ہی حضرات صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ

داری کے احترام کے پیش نظر ان کے قبیلے کے سب قیدیوں اور غلاموں کو آزاد فرما دیا جن کی تعداد تقریباً ۰۰ ۲ تھی۔ بعد ازاں اُن کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹی کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے حضرت جویریہؓ کو اختیار دے دیا کہ باپ کے ساتھ جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔ مگر حضرت جُویریہؓ نے جواب دیا اِخْتَرْتُ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں تمہارے ساتھ نہ جاؤں گی۔

حضرت جُویریہؓ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ اپنے گھر میں عبادت اور ذکر الٰہی کے لیے گویا ایک مسجد بنا رکھی تھی۔ آپ کئی کئی گھنٹے لگاتار ذکر الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔

آپ نے ۵۰ ھ میں بعمر ۶۵ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

۹) حَضرت اُمِّ حبیبہؓ:

آپؓ کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ قبیلہ بنو امیہ کے مشہور سردار ابو سفیانؓ کی بیٹی اور حضرت معاویہؓ کی بہن تھیں۔ ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا دونوں نے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا اور قریش مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ خدا کی قدرت کہ ان کا خاوند وہاں جا کر عیش پرستی میں مبتلا ہو گیا اور عیسائیت قبول کر لی۔ اور پھر حالت ارتداد ہی میں وفات پا گیا اور یہ اکیلی رہ گئیں۔

ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ کوئی ام المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ عدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی شاہ حبشہ کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا جسے انہوں نے انتہائی مسرت سے قبول کر لیا۔

نجاشی شاہ حبشہ نے آپ کا وکیل بن کر نکاح پڑھا اور اپنی طرف سے زر کثیر بطور مہر ادا کیا اور سب حاضرین مجلس کو پر تکلف کھانا کھلایا۔ اور نکاح کے بعد انہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ رخصت کیا۔

فتح مکہ سے قبل ایک دفعہ ان کا والد ابوسفیان تجدید صلح کے لیے مدینہ منورہ آیا اور سیدھا اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے پاس گیا۔ اس کا خیال تھا کہ آج کتنے عرصے کے بعد بیٹی سے ملاقات ہو رہی ہے یقیناً وہ انتہائی اعزاز و اکرام سے نوازا جائے گا۔ مگر اس کے برعکس جب وہ اپنی بیٹی کے گھر میں داخل ہوا تو بیٹی نے فوراً ایک بچھے ہوئے چمڑے کے بستر کو لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا کہ بیٹی! تو نے بستر بچھانے کی بجائے لپیٹ کیوں دیا ہے؟ کیا یہ بستر میرے قابل نہ تھا یا میں اس بستر کے قابل نہ تھا؟

حضرت ام حبیبہؓ نے جواباً فرمایا ابا جان سچ پوچھیے تو آپ اس بستر کے قابل نہ تھے۔ هٰذَا فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ رَجُلٌ مُّشْرِكٌ نَجَسٌ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک بستر ہے اور آپ مشرک اور نجس ہیں۔ میری غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ اس پاک بستر پر ایک مشرک بیٹھے۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان اپنا سا منہ لیکر رہ گیا اور کہنے لگا کہ تو میرے بعد شر میں مبتلا ہو گئی ہے۔ آپؓ نے جواب دیا شر میں نہیں کفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئی ہوں۔

حضرت ام حبیبہؓ نہایت عبادت گزار اور پرہیزگار تھیں۔ آخرت کی فکر اتنی تھی کہ بوقت وفات اپنی سوکنوں سے باقاعدہ معافی مانگی۔

آپؓ نے ۴۴ھ میں بعہد سیدنا معاویہؓ بعمر ۷۴ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ سے ۶۵ احادیث مروی ہیں جن کے راویوں میں کئی جلیل القدر صحابہؓ اور تابعین شامل ہیں۔

۱۰) حضرت صفیہؓ بنتِ حُیَیّ:

آپ کا تعلق یہود کے خاندان سے تھا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ آپ سردار بنی نضیر حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں اور غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آئیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد فرما کر نکاح کر لیا۔

اس سے پیشتر آپؐ کے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے چہرے پر ایک نیلا نشان دیکھ کر اس کی بابت سوال کیا تو جواب دیا کہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں گرا ہے۔ جب یہ خواب میں نے بیان کیا تو میرے خاوند نے مجھے زور دار تھپڑ مارا تھا کہ تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ یہ داغ اسی تھپڑ کا ہے۔

ایک بار آپ گھر تشریف لائے تو حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ آپؐ کے پوچھنے پر بتایا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ نے طعنہ دیا ہے کہ تو یہودن ہے۔ ہم خاندان اور قبیلہ کے لحاظ سے تم سے بہتر ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی دلجوئی کے لیے فرمایا کہ اگر عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ ان کا خاندان نبوت سے تعلق ہے تو تم نے یوں کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰ کلیم اللہ اور میرے شوہر محمد مصطفیٰ ہیں۔

حضرت صفیہؓ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت تھی۔ آپؐ کی مرض وفات میں بے چین ہو کر کہنے لگیں یا رسول اللہؐ! کاش کہ آپ کی بیماری مجھے لگ جائے اور آپ صحت یاب ہو جائیں۔ دیگر ازواج نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا واللہ وہ سچی ہے جو کچھ کہہ رہی ہے دل سے کہہ رہی ہے۔

علم وفضل میں حضرت صفیہ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ کوفہ کی عورتیں اکثر ان کے پاس مسائل دریافت کرنے آیا کرتی تھیں۔ آپ نے رمضان ۵۰ھ میں بعمر ۶۰ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

(۱۱) حضرت میمونہؓ بنتِ حارث:

آپؓ قبیلہ قیس بن عیلان سے تھیں۔ اصل نام برہ تھا۔ آنحضرتؐ نے بدل کر میمونہ رکھا۔ آپ حضرت ام الفضل (زوجہ حضرت عباسؓ) کی بہن تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آنے سے پہلے آپؓ کے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔

عمرۃ القضا کے موقعہ پر ۷ھ میں حضرت عباسؓ کے مشورہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حالت احرام میں ان سے نکاح فرمایا۔ سفر عمرہ سے واپسی پر مکہ مکرمہ سے دس میل دور مقام سرف پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری بیوی تھیں یعنی ان سے نکاح کے بعد آپؐ نے کوئی اور نکاح نہیں کیا۔

آپؓ بے حد فیاض اور سخی تھیں۔ اکثر معمول تھا کہ قرض لیکر بھی راہ خدا میں صدقہ کر دیتی تھیں۔ ایک دفعہ اسی مقصد کے لیے بہت زیادہ قرض لیا تو کسی نے پوچھا ام المومنین اتنی زیادہ رقم کی واپسی کی کیا صورت ہوگی؟ آپؓ نے جواباً عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس مقام (سرف) پر آپؓ کی شادی ہوئی تھی چالیس سال بعد ۵۱ھ میں اسی مقام پر آپؓ کی وفات ہوئی۔ جب آپؓ کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نہایت رقت آمیز لہجہ میں

فرمایا جنازہ کو حرکت نہ دو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقہ حیات تھیں۔ ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ چلو۔ آپؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ آپؓ کی قبر مبارک مقام سرف میں ہی بنائی گئی۔
آپؓ سے ۴۶ اور بقول بعض ۷۶ احادیث مروی ہیں۔

آپ کی کنیزیں

(۱) حضرت رَیحانہؓ بنت شمعون:

آپؓ کا تعلق بنوقریظہ سے تھا۔ بنوقریظہ کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں گرفتار ہوکر آئیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں اپنے لیے خاص کرلوں گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے بھی آراستہ تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی ۱۰ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(۲) حضرت ماریہ قبطیہ:

آپؓ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ آپ کی ام ولد ہیں۔ آپ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام آپؐ نے اپنے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر ابراہیم رکھا۔ آپ کے یہ بیٹے تقریباً ڈیڑھ سال زندہ رہ کر آپ کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔ آپؐ کو ان کی وفات کا بے حد دکھ ہوا۔ حضرت ماریہؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۱۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمرؓ نے جنازہ پڑھایا اور جنت البقیع میں سپرد خاک فرمایا۔

۸:- اَولاد و بَناتُ النّبی ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَ بَنَاتِکَ وَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ الخ (سورۃ احزاب) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹوں اور بیٹیوں کا تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے چار بیٹیاں اور دو بیٹے عطاء فرمائے۔ خدا کی قدرت کہ آپ کے دونوں بیٹے بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ البتہ بیٹیاں زندہ رہیں۔

بعض لوگوں نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہؓ تسلیم کی ہے۔ باقی تین بیٹیوں کا انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی مسئلہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کی بیٹیوں کا تذکرہ کیا ہے تو وہاں جمع کا صیغہ بولا ہے۔ یٰاَیُّھَاالنَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ (احزاب) کہ اے پیغمبرؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ جب باہر نکلا کریں تو اپنے اوپر بڑی چادر اوڑھ لیا کریں۔

گرامی قدر سامعین غور فرمائیں! اگر آپ کی محض ایک ہی بیٹی ہوتی تو

اللہ تعالیٰ یہاں بَنَاتِکَ (بیٹیاں) کا لفظ استعمال نہ فرماتا۔

ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اگر آپ کی چار بیٹیاں تھیں تو مباہلہ میں کیوں نہ شریک ہوئیں۔ مباہلہ میں صرف حضرت فاطمہؓ کا شریک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔

جواباً عرض ہے کہ یہ شبہ بھی محض جہالت کی پیداوار ہے۔ مباہلہ ۹ھ میں ہوا۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باقی تینوں بیٹیاں اس وقت تک وفات پا چکی تھیں۔ صرف حضرت فاطمہؓ زندہ تھیں جنہیں آپؐ نے شرکت مباہلہ کے لیے طلب فرمایا تھا۔

(یاد رکھیے! کتب اہلسنت و اہل تشیع میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ کی چار بیٹیاں تھیں)

۱) حضرت زینبؓ:

یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ بعثت نبوی سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔ آپؓ کی شادی کم سنی میں ہی اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوگئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منصب رسالت پر فائز ہوئے تو حضرت زینبؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور کفار مکہ کی طرف سے ہونے والے ہر قسم کے مظالم کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

کفار مکہ کے اکسانے پر ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں بیٹیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ کے خاوند ابوالعاص پر بھی مشرکین مکہ نے بہت دباؤ ڈالا کہ وہ بھی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی کو طلاق دے دیں۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود حضرت زینبؓ سے اچھا

سلوک کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے اس طرز عمل کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

غزوہ بدر میں ابوالعاص نے کفار مکہ کیطرف سے لڑائی میں شرکت کی اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے۔ پھر جب قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے عزیز وا قارب نے زر فدیہ بھیجا تو حضرت زینبؓ نے اپنے خاوند کی رہائی کے لیے ایک ہار بھیجا جو انہیں ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے شادی کے وقت جہیز میں دیا تھا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وہ ہار دیکھا تو پہچان لیا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا یہ ہار تو خدیجہؓ کا ہے۔ پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔ صحابہ کرامؓ نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے ہار بھی واپس کر دیا اور قیدی کو بھی رہا کر دیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ مکہ جا کر میری بیٹی زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے حسب وعدہ حضرت زینبؓ کو رازدارانہ انداز میں اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ کفار مکہ نے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے حضرت زینبؓ کی ہجرت میں رکاوٹ ڈالی اور ان کے اونٹ پر جا کر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں حضرت زینبؓ کو سخت چوٹیں آئیں حتیٰ کہ ان کا حمل بھی ساقط ہو گیا۔ چنانچہ وقتی طور پر حضرت زینبؓ کو مکہ واپس لایا گیا اور بعدازاں بڑی رازداری سے رات کے اندھیرے میں انہیں مدینہ منورہ بھیجا گیا۔

فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے ابوالعاص نے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ منورہ تشریف لائے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجدید نکاح فرما کر حضرت زینبؓ کو پھر ان کی زوجیت میں دے دیا۔

حضرت زینبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ۸ھ میں بعمر ۲۱ سال انتقال فرمایا۔ اس کا ظاہری سبب اسقاطِ حمل کی وہی تکلیف تھی جو بوقت ہجرت کفارِ مکہ نے حملہ کر کے پہنچائی تھی۔ گویا اس لحاظ سے آپؓ نے شہادت کا درجہ پایا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بے حد دکھ ہوا۔ آپؐ نے ان کے کفن کے لیے اپنا تہہ بند عطاء فرمایا اور غسل دینے والی صحابیات کو آبدیدہ ہو کر فرمایا میری پیاری بیٹی زینبؓ کو ادب و احترام سے اچھی طرح غسل دینا، اچھی طرح کفن دینا اور اسے بہترین خوشبوؤں سے معطر کرنا۔ آپؐ نے ان کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور خود ان کی قبر میں اترے۔ اس دن آپؐ بے حد مغموم تھے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور بار بار فرما رہے تھے ''زینب میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی''۔ حضرت زینبؓ نے اپنے پیچھے ایک لڑکا ''علیؓ'' اور ایک لڑکی ''امامہ'' چھوڑی۔

فتح مکہ کے موقعہ پر یہی علیؓ آپؐ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے اور حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد اسی اُمامہ سے حضرت علیؓ نے نکاح کیا تھا۔

۲) حضرت رُقیہؓ:

یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ آپؐ بعثت نبوی سے سات سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ جب سورۃ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ نازل ہوئی تو عتبہ نے اپنے والد کے کہنے پر حضرت رقیہ کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی۔

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہؓ کا نکاح ان سے کر دیا اس موقعہ پر سُعدیٰ نے حضرت عثمانؓ

کو ان الفاظ میں مبارکباد دی۔

أَبْشِرْ وَ حُيِّيتَ ثَلَاثًا وِتْرًا ثُمَّ ثَلَاثًا وَ ثَلَاثًا أُخْرٰى
ثُمَّ بِأُخْرٰى لِكَيْ تَتِمَّ عَشْرًا لَقِيتَ خَيْرًا وَوُقِيتَ شَرًّا
نَكَحْتَ وَاللهِ حَصَانًا زَهْرًا وَأَنْتَ بِكْرٌ وَ لَقِيتَ بِكْرًا

اے عثمانؓ تجھے تین مرتبہ، پھر تین مرتبہ اور پھر تین مرتبہ مبارک باد ہو پھر ایک مرتبہ اور مبارک ہو۔ تاکہ دس مبارکبادیں پوری ہو جائیں۔ تجھے خیر اور بھلائی حاصل ہو چکی ہے اور تو شر و فساد سے محفوظ ہو گیا ہے۔ اللہ کی قسم تو نے ایک پاکیزہ اور عفیفہ عورت سے نکاح کیا ہے۔ بے شک تو بھی پاک دامن تھا اور اللہ تعالیٰ نے تجھے بیوی بھی پاکدامن عطاء فرمادی ہے۔

کفار کے مظالم سے تنگ آ کر جب بعض صحابہ کرامؓ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشورہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہؓ بھی اپنے خاوند حضرت عثمانؓ کے ہمراہ اس ہجرت میں شریک تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی موقعہ پر فرمایا تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اسلام کی خاطر ہجرت کی ہے۔ حبشہ سے مراجعت کے بعد ان دونوں میاں بیوی نے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

۲ھ میں حضرت رقیہ کو چیچک نکلی اور آپ انتہائی بیمار ہو گئیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان دنوں بدر جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو غزوہ بدر کی شرکت سے روک کر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کی ذمہ داری سونپی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بدر روانگی کے بعد حضرت رقیہؓ کی تکلیف اور بڑھ گئی اور بالآخر اسی بیماری کی وجہ سے بعمر ۲۱ سال ان کی وفات ہو گئی۔ عین اس وقت جب آپؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، حضرت زید بن حارثہؓ بدر کی لڑائی میں

مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ آئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کی خبر سن کر بے حد دکھ ہوا اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آپ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا عثمان بن مظعونؓ جا چکے اور اب تم بھی داغ مفارقت دے گئی ہو۔

قیام حبشہ کے دوران حضرت رقیہؓ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا' جس کا نام عبداللہ رکھا گیا تھا۔ انہی کی نسبت سے حضرت عثمانؓ نے اپنی کنیت ابوعبداللہ رکھی تھی۔ خدا کی قدرت کہ حضرت عبداللہ چھ سال کی عمر میں ہی ۴ھ میں وفات پا گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمانؓ نے قبر میں اتارا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۳) حضرت اُمّ کُلثوم:

یہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ آپ بعثت نبوی سے تقریباً چھ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت رقیہؓ کی طرح انکا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا۔ اسلام دشمنی میں عتبہ کی طرح عتیبہ نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی تھی۔ بلکہ عتیبہ نے پیغمبرؐ کے ساتھ حد درجہ بدتمیزی بھی کی۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ۳ھ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اس بیٹی کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔

نکاح کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے جبریل امین کی معرفت حکم بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی ام کلثومؓ کو تمہارے عقد میں دے دوں۔

انہی دو صاحبزادیوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کی وجہ سے

حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ حضرت ام کلثومؓ اس نکاح کے بعد چھ سال زندہ رہیں اور ۹ھ میں بعمر ۲۸ سال وفات پائی۔

آپؐ ان کی وفات سے بے حد مغموم ہوئے۔ ان کے کفن کیلئے اپنی چادر مرحمت فرمائی۔ اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ دفن کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی قبر کے کنارے بیٹھے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

روایات میں یہ بات آتی ہے کہ ان کی وفات کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ كَانَ عِنْدِیْ ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُهَا عُثْمَانَ کہ اگر میری کوئی تیسری بیٹی گھر میں موجود ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا۔ کسی نے عرض کر دیا کہ اگر وہ بھی وفات پا جاتی تو..............؟

آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا لَوْ كَانَ لِیْ اَرْبَعُوْنَ بِنْتًا لَزَوَّجْتُ عُثْمَانَ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ حَتّٰى لَا تَبْقٰى مِنْهُنَّ وَاحِدَةٌ کہ اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کرتا جاتا۔ یہاں تک کہ ایک بھی باقی نہ رہتی۔

(سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی)

۴) حضرت فاطمہؓ:

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف روایات ہیں بقول بعض بعثت سے پانچ سال قبل اور بقول بعض بعثت کے پہلے سال آپؓ کی پیدائش ہوئی۔ آپؓ چال ڈھال اٹھنے بیٹھنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتی تھیں۔ بچپن ہی سے بہت متین اور سنجیدہ تھیں۔

ایک مرتبہ قریش مکہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کی حالت میں دیکھا تو ایک گندی اوجھڑی لا کر آپ پر ڈال دی۔ حضرت فاطمہؓ کو جب اس نازیبا حرکت کا پتہ چلا تو بے چین ہو کر آئیں اور حضورؐ کی گردن سے وہ اوجھڑی ہٹائی۔ پھر ان کفار پر ایک غضب آلود نگاہ ڈالی اور فرمایا اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن تمہیں ضرور اس کا بدلہ دے گا۔ خدا کی قدرت کہ چند سال بعد یہ سب شریر جنگ بدر میں مارے گئے۔

جب حضرت فاطمہؓ سن بلوغ کو پہنچیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیغام نکاح بھیجا لیکن حضورؐ خاموش رہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا تو حضورؐ پھر بھی خاموش رہے۔ پھر ان دونوں حضرات کے مشورہ سے حضرت علیؓ نے پیغام نکاح بھیجا تو آپؐ نے قبول فرما لیا۔ اور سوال فرمایا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے بھی کچھ ہے؟ وہ بولے میرے پاس تو صرف ایک گھوڑا اور ایک زرہ ہے۔ آپؐ نے مشورہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا تو اپنے پاس رکھو۔ اور زرہ بیچ کر کام میں لاؤ۔

چنانچہ وہ زرہ بیچنے بازار گئے تو حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ چار سو اسی درہم میں ان سے خریدی۔ پھر بعد ازاں وہی زرہ انہیں تحفتاً دے دی۔ حضرت فاطمہؓ کا نکاح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود پڑھایا اور صدیقؓ و عمرؓ اس نکاح کے گواہ بنے۔ آپؓ کا مہر چار سو مثقال چاندی تھی۔ (ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے)

رخصتی کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سینہ مبارک پر ان کا سر رکھا' پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر اپنی لخت جگر کا ہاتھ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا "اے علی! پیغمبر کی بیٹی تجھے مبارک ہو" پھر خود دروازہ تک الوداع کرنے آئے۔

جہیز میں حضرت فاطمہؓ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اشیاء دیں۔ ایک

لحاف' ایک چمڑے کا گدا جس میں روئی کی بجائے کسی درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک چکی۔ ایک مشکیزہ۔ ایک پیالہ۔ ایک جائے نماز اور دو مٹی کے گھڑے۔

فقر و فاقہ:

حضرت فاطمہؓ کے شوہر نامدار سیدنا حیدر کرارؓ سلطان الفقراء تھے۔ ان کے گھر میں اکثر فاقے رہتے تھے۔ کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ دو دو دن تک کھانا میسر نہ آیا۔ مگر حضرت فاطمہؓ نے اس فقر و فاقہ میں پورا پورا ان کا ساتھ دیا۔ اور زبان پر کبھی شکوہ نہ لائیں۔ آپؓ گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں' چکی پیتے پیتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ مشکیزہ اٹھا اٹھا کر گردن پر نشان پڑ گیا تھا۔ جھاڑو دیتے دیتے کپڑے میلے رہنے لگے تھے۔ لیکن ماتھے پر کبھی بل نہیں آیا تھا۔

☆ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے آپؐ نے دیکھا کہ سیدہ اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہے جس میں تیرہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔ آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا ''فاطمہ دنیا کی تکلیف اور تنگی پر صبر کر آخرت کی مسرتیں اور خوشیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں''۔

☆ ایک دفعہ آپ بیمار ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمران بن حصینؓ کے ہمراہ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپؐ نے اندر آنے کی اجازت مانگی اور فرمایا کہ میرے ساتھ حضرت عمرانؓ بھی ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ ابا جان میرے پاس ایک عبا کے سوا دوسرا کپڑا نہیں ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اندر پھینکی اور فرمایا اس سے پردہ کر لو۔ بعد ازاں آپ اندر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا بیٹی دنیا کے مصائب پر صبر کرو تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔

☆ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ دروازے پر ایک پردہ لٹکا ہوا ہے اور سیدہ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں چیزوں کو ناپسند فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ حضرت فاطمہؓ نے فوراً دونوں چیزوں کو اتار کر خدمت اقدس میں بھیج دیا کہ انہیں راہ خدا میں خرچ کر دیں۔ آپؐ نے دونوں چیزوں کو بیچ دیا اور ملنے والی رقم اصحاب صفہ پر خرچ کر دی۔

یہ خادم سے بہتر ہے:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کچھ باندیاں اور غلام آئے آپؐ نے انہیں صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمانا شروع کر دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بھیجا کہ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے لیے اپنے والد مکرم سے کوئی خادم مانگ کر لائیں۔ حضرت فاطمہؓ تشریف لے گئیں تو کچھ صحابہؓ کی موجودگی کی وجہ سے شرما کر واپس آ گئیں۔ دوسرے دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ان کے ہاں تشریف لے گئے اور آنے کا سبب پوچھا۔ حضرت فاطمہؓ تو شرم و حیاء کی وجہ سے خاموش رہیں البتہ حضرت علیؓ نے صاف الفاظ میں مدعا عرض کر دیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری بات سن کر ارشاد فرمایا اِتَّقِی اللّٰہَ یَا فَاطِمَۃُ وَاَدِّیْ فَرِیْضَۃَ رَبِّکِ وَ اعْمَلِیْ عَمَلَ اَھْلِکِ اے فاطمہ! اللہ سے ڈرتی رہو یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی طرف سے عائد شدہ فرائض ادا کرتی رہو اور گھر کا کام کاج خود کرتی رہو۔ باقی رہی خادم کی بات تو سَبَقَکُنَّ یَتَامٰی بَدْرٍ اس سلسلہ میں بدر کے یتیم تم سے زیادہ مقدم اور مستحق ہیں۔

پھر آپؐ نے ان کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کے لیے تسبیحات بتائیں اور فرمایا ھِیَ خَیْرٌ لَّکِ مِنْ خَادِمٍ کہ یہ تیرے لیے خادم سے بہتر ہے۔ حضرت

فاطمہؓ نے جواباً عرض کیا میں اللہ کے رسول کی تجویز پر راضی ہوں۔ (بخاری)

سخاوت و ایثار:

ایک دفعہ آپ کے دونوں بیٹے حسنؓ و حسینؓ سخت بیمار ہوئے تو دونوں میاں بیوی نے ان کی شفایابی پر تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور چند دنوں کے بعد بچے صحت یاب ہو گئے اور نذر پوری کرنے کے لیے سب نے روزہ رکھ لیا۔ گھر میں چونکہ فاقہ تھا اس لیے محض پانی پی کر سحری کر لی۔ حضرت فاطمہؓ نے سارا دن اجرت پر چرخہ کاتا اور حضرت علیؓ نے بھی سارا دن محنت کر کے کچھ رقم حاصل کی۔

حضرت فاطمہؓ نے افطاری کے لیے کچھ کھانا پکایا سب اہل خانہ کھانے کے لیے بیتاب تھے۔ دسترخوان بچھا کر جب کھانا اس پر رکھا گیا تو ایک مسکین نے آ کر دروازے پر دستک دی اور دست سوال دراز کیا۔ سب نے ایثار کرتے ہوئے اپنا کھانا اس مسکین کو دے دیا اور خود پانی پر گزارا کر لیا۔

دوسرے دن سب اہل خانہ نے پھر روزہ رکھا حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے اسی طرح سارا دن محنت کر کے افطاری کا معمولی سامان تیار کیا۔ آج پھر جب سب اہل خانہ دسترخوان پر بیٹھے تو ایک یتیم نے دستک دی اور اپنی حالت زار بیان کی۔ چنانچہ سب نے باہم مشورہ کر کے سارا کھانا اس یتیم کو دے دیا۔

اسی طرح تیسرے دن کا روزہ بھی فاقہ سے شروع ہوا اور سارا دن محنت و مزدوری کر کے جب کچھ کھانا تیار ہوا تو ایک قیدی نے آ کر سوال کیا۔ آج پھر سب نے ایثار سے کام لے کر سارا کھانا اس قیدی کو دے دیا اور خود پانی پر گزارہ کر لیا۔

صبح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپؐ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ

سارا گھرانہ بھوک سے نڈھال ہے۔ آپؐ کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا وَاغْوُثَاهُ اَهْلُ بَيْتِ مُحَمَّدٍ يَمُوْتُوْنَ جُوْعًا افسوس کہ آج میرے اہل بیت بھوک سے کس طرح بیتاب ہیں۔ ابھی آپؐ یہ کلمات کہہ ہی رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت محمدؐ کی عظمت وشان کے بارے میں آیات نازل فرما دیں۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا الخ (تفصیل کے لیے دیکھیے جواہرالتاریخ)

حضرت فاطمہؓ رسولُ اللّٰہ کی نظر میں:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت فاطمہؓ سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ''فاطمہ'' (مشکوٰۃ)۔

آپؐ کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ النِّسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ کہ حضرت فاطمہؓ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ (بخاری)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّىْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِىْ کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ (بخاری)

ایک دفعہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی عورا سے نکاح کا ارادہ کیا۔ حضرت فاطمہؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر شکایت کی۔ یہ بات سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ آپؐ فوراً مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ میں اس بات کی کبھی اجازت نہ دوں گا۔ البتہ حضرت علیؓ میری بیٹی کو طلاق دے کر شادی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ فاطمہ تو میرے جسم کا حصہ ہے۔ جس نے اس کو تکلیف

دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ وَاِنِّی لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالاً وَلَا اُحِلُّ حَرَاماً میں حلال شئے کو حرام قرار نہیں دے سکتا اور نہ ہی کسی حرام کو حلال قرار دے سکتا ہوں۔ البتہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ فاطمہؓ کو اذیت پہنچے۔ وَاللّٰہِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰہِ وَ بِنْتُ عَدُوِّاللّٰہِ عِنْدَ رَجُلٍ وَاحِدٍ اَبَداً اللہ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے ہاں کبھی نہیں رہ سکتیں (مسلم)۔ بعدازاں حضرت علیؓ نے یہ ارادہ ترک فرمادیا۔

وفاتِ رَسُولؐ اور حَضرت فَاطمہؓ

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے تو حضرت فاطمہؓ انتہائی بے قرار اور اشکبار ہوگئیں۔ خدمت اقدس میں پہنچیں تو آپؐ کی تکلیف دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا وَاکَرْبَ اَبَاہُ ہائے میرے ابا کو کتنی تکلیف ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا لَیْسَ عَلٰی اَبِیْکِ کَرْبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ کہ آج کے بعد تیرے ابا پر تکلیفوں کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔

دوران علالت حضرت فاطمہؓ کو دائیں طرف بٹھا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں کوئی بات کہی تو حضرت فاطمہؓ شدت غم سے رونے لگیں۔ پھر آپؐ نے دوسرے کان میں کچھ فرمایا تو وہ مسکرانے لگیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس عجیب واقعہ کے بارہ میں حضرت فاطمہؓ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر بتانے کی بات ہوتی تو آپؐ کان میں کیوں فرماتے؟ مَاکُنْتُ اُفْشِیَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سِرَّہٗ میں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راز کو ظاہر نہ کروں گی۔

آپؐ کی وفات کے بعد کسی موقعہ پر پھر حضرت عائشہؓ نے حضرت فاطمہؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ اولاً آپؐ نے مجھے فرمایا تھا کہ مجھے یوں لگتا

ہے کہ اس بیماری میں میری وفات ہو جائے گی۔ چنانچہ میں آپ کی جدائی اور فراق کے صدمے سے رونے لگیں۔ پھر آپؐ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ یہ جدائی کا عرصہ زیادہ نہیں ہے میری وفات کے بعد میرے اہل خانہ میں سے تو مجھے سب سے پہلے آ کر ملے گی فَاِنَّكِ اَوَّلُ اَهْلِيْ لَا حِقٌ بِيْ تو یہ بات سن کر میں مسکرانے لگی۔ (مسلم)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے حضرت فاطمہؓ پر کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ بلک بلک کر روتی تھیں اور فرماتی تھیں یَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ یَااَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ یَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ ہائے میرے ابا جان۔ جنہوں نے اپنے رب کا بلاوا قبول کر لیا۔ ہائے میرے ابا جان جو جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے۔ ہائے میرے ابا جان آج ہم آپ کی وفات پر جبریل امین سے بھی تعزیت کرتے ہیں۔

آپؐ کی تدفین کے بعد حضرت فاطمہؓ نے انتہائی درد والم سے صحابہ کرامؓ سے فرمایا اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ التُّرَابَ کہ تم نے کیسے گوارا کر لیا کہ اپنے ہاتھوں سے رسول اللہؐ کے وجود اقدس پر مٹی ڈال دی۔ یہ جملہ سن کر صحابہ کرامؓ کی چیخیں نکل گئیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد اکثر فرمایا کرتی تھیں۔

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّهَا صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

کہ آپؐ کی وفات سے مجھ پر اتنا صدمہ اور دکھ آیا کہ اگر وہ دکھ روشن دنوں پر بھی آتا تو وہ بھی تاریک ہو جاتے۔

وَفاتِ فاطمہؓ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی کے صدمے سے حضرت فاطمہؓ ہر وقت غمگین اور دل گرفتہ رہنے لگی تھیں۔ تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ پیغمبر علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد کسی نے سیدہ فاطمہؓ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد ہی رمضان ۱۱ھ میں ۲۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

اَولادِ فاطمہؓ:

حضرت فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے (حضرت حسنؓ۔ حضرت حسینؓ۔ حضرت محسنؓ) اور تین بیٹیاں (حضرت ام کلثومؓ۔ حضرت رقیہؓ۔ حضرت زینبؓ) عطاء فرمائیں۔ حضرت محسنؓ اور حضرت رقیہؓ نے بچپن میں ہی انتقال فرمایا۔ حضرات حسنینؓ اور ان کی دونوں بہنیں تاریخ اسلام کی نامور شخصیات ہیں۔

(پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل حضرت فاطمہ الزھرؓا سے ہی باقی رہی)

آپؐ کے بیٹے

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطاء فرمائے تھے۔

۱) حضرت قاسمؓ:

آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے حضرت قاسمؓ پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پہلے ہی ۲ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کیوجہ سے اپنی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی تھی۔

۲) حضرت عبداللہؓ:

یہ آپؐ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ جو حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ان کا لقب طیب اور طاہر بھی تھا۔ خدا کی قدرت کہ یہ بھی بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ انہی کی وفات پر مشرکین مکہ نے طعنہ دیا تھا اَبْتَرَ مُحَمَّدٌ مِنَّا کہ محمدؐ کی نسل ختم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے تسلی کے لیے سورۃ کوثر نازل فرمائی تھی۔

۳) حضرت ابراہیم:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آخری عمر میں ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے یہ بچہ عطاء فرمایا تھا۔ آپؐ نے ان کا نام اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کے نام پر رکھا۔ آپؐ نے ان کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح فرمائے۔ رضاعت کے لیے عوالی میں بھیجا۔

خدا کی قدرت کہ آپؐ کا یہ بیٹا بھی پندرہ سولہ ماہ کی عمر میں وفات پا گیا۔ ان کی وفات پر روتے روتے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّامَايَرْضٰى بِهٖ رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ (بخاری) کہ میری آنکھیں تیری جدائی میں روتی رہیں گی۔ اور دل ہمیشہ غمگین رہے گا۔ لیکن زبان سے میں وہی کہوں گا جس پر میرا رب راضی اور خوش ہوگا۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی اور فراق میں سخت افسردہ اور غمگین ہیں۔

ان کی وفات کے دن اتفاقاً سورج گرہن ہوا تو لوگوں نے اسے حضرت ابراہیم کی وفات سے منسوب کیا۔ تو آپؐ نے جاہلیت کے نظریے کا خاتمہ کرتے ہوئے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ کسی کی موت اور زندگی سے ان کے خسوف اور کسوف کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ (یہ سورج گرہن ۲۸ اپریل ۶۳۲ء کو ہوا تھا)

اللہ تعالیٰ ہمیں آپؐ کی بنات اور اولاد کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے (آمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۹:- مقامِ ابو حنیفہؒ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَائِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ الخ (سورۃ توبہ) وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَ لَہٗ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِّنْ ھٰؤُلَاءِ (بخاری)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! عقل وخرد اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ایک عظیم عطیہ ہے جس کی قدر وہی جانتا ہے جس کو یہ متاع گرانمایہ مل چکی ہو۔ جس طرح دنیاوی معاملات میں عقل وفہم کی ضرورت ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ دینی معاملات میں عقل وفکر کی اہمیت ہے۔

قرآن مجید میں بار بار اللہ تعالیٰ نے عقل استعمال کرنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ کفار کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو بات سمجھتے نہیں ہیں۔ یعنی دین کی سمجھ نہ رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ ناکام ونامراد ہوئے ہیں۔

دین کی سمجھ کا دوسرا نام تفقہ فی الدین ہے اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَائِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ

یَحْذَرُوْنَ(سورۃ توبہ) کہ پس کیوں نہ کوچ کیا ان میں سے ہر فرقہ سے ایک طائفہ نے تاکہ وہ دین میں تفقہ پیدا کرلیں۔ اور اپنی قوم کو واپس جا کر ڈرائیں تاکہ وہ بچ جائیں۔ آیت ہذا سے تفقہ فی الدین کی اہمیت واضح ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ارشاد فرمایا مَنْ یُرِدِاللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (بخاری) کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ یعنی تفقہ فی الدین سے نوازتا ہے۔

تفقہ فی الدین کی اس نعمت عظمیٰ سے اگرچہ تمام صحابہ کرامؓ بہرہ مند تھے مگر ان میں فرق مراتب ضرور تھا۔ کسی کو یہ نعمت بہت زیادہ ملی کسی کو اس سے کم۔ علماء کرامؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں انتہائی اعلیٰ درجے کے فقہا چند صحابہ تھے۔ جن میں حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔ حضرت ابی بن کعبؓ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خلفاء راشدین کے دور میں جب فتوحات اسلامی کا دائرہ انتہائی وسیع ہو گیا اور مختلف امصار واقطار میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا تو صحابہ کرامؓ یہی علوم نبوت لے کر مختلف علاقوں میں پہنچ گئے اور وہاں کے لوگوں کو سیراب کیا۔ چنانچہ اہل مدینہ کا علم حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمر کا مرہون منت ہے۔ اہل مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے رفقاء کے ذریعہ علم پھیلا اور اہل عراق کا علم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کے ساتھیوں کا مرہون منت ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ شہر آباد کیا تو ان کی علمی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے فقیہ امت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا اور اہل کوفہ سے فرمایا کہ میں تمہیں اپنے اوپر ترجیح دے کر تمہارے پاس

عبداللہ بن مسعودؓ جیسی شخصیت کو بھیج رہا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوئی معمولی شخصیت نہیں تھے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خادم خاص ہونے کا شرف آپ کو حاصل رہا۔ آپ کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس وقت بھی حاضری نصیب رہتی تھی جب دیگر صحابہ کو اجازت نہ ملتی تھی۔ صحابہ کرامؓ ان کی اس خصوصیت پر رشک کیا کرتے تھے اور آپ کو صاحب النعلین' صاحب الوسادہ اور صاحب المطہرہ کے القاب سے یاد کیا کرتے تھے (بخاری)۔ انہی کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا تَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے طریقے پر چلو۔ نیز ارشاد فرمایا رَضِيتُ لَكُمْ مَارَضِيَ لَكُمْ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ جو کچھ تمہارے لیے عبداللہؓ بن مسعود پسند کرے میں بھی وہی پسند کرتا ہوں۔

کوفہ شہر کے لیے یہ بہت بڑا شرف ہے کہ آپ جیسی شخصیت نے وہاں آخر عمر تک قیام فرمایا۔ سینکڑوں کی تعداد میں وہاں شاگرد تیار کئے۔ اور اس شہر کو علم وحکمت سے بھر دیا۔ علاوہ ازیں دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ نے بھی کوفہ کو اپنا مسکن بنایا۔ تقریباً پندرہ سو صحابہؓ نے وہاں جا کر قیام کیا جن میں ستر بدری صحابہ اور تین سو بیعت رضوان والے تھے۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی بجائے کسی اور مقام کو دارالخلافہ بنانا چاہا تو ان کی نظر انتخاب بھی اسی شہر پر پڑی۔ پھر آپؓ جب کوفہ میں تشریف لائے تو مسجد کوفہ میں ہزاروں طلباء کو کتابت علم میں مصروف دیکھ کر فرمایا لَقَدْ تَرَكَ ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ يَعْنِيْ ابْنُ مَسْعُوْدٍ هٰؤُلَاءِ سُرُجَ الْكُوْفَةِ کہ عبداللہ بن مسعود نے ان کو کوفے کے چراغ بنا کے چھوڑا ہے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کے علوم کا خلاصہ یہی دو حضرات تھے

(حضرت علیؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)۔
کوفہ کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ان دونوں حضرات نے کوفہ کو مسکن بنا کر اسے علوم نبوت سے بھر دیا۔ وہاں گھر گھر میں علم حدیث کے چرچے تھے۔ امام بخاریؒ نے اس علمی سرمایہ کو جمع کرنے کے لیے بار بار کوفہ کا سفر کیا آپ کے رجال میں تقریباً تین سو آدمی صرف کوفہ کے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی پیدائش:

کوفہ کے اسی علمی مرکز میں ۸۰ھ میں حضرت نعمان بن ثابت پیدا ہوئے جو بعد میں امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ صحابہ کرام کا دور تھا اور امام ابو حنیفہؒ کو بعض صحابہ کرامؓ کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ اس طرح آپ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مورخ محمد بن اسحاق بن ندیمؒ فرماتے ہیں وَكَانَ مِنَ التَّابِعِيْنَ لَقِيَ عِدَّةً مِنَ الصَّحَابَةِ (فہرست ابن ندیم) کہ امام ابو حنیفہ تابعین میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے کئی صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی ہے۔

بچپن کا خواب:

بچپن ہی سے آپ کو علم و تعلم سے شغف تھا۔ آپ نے بچپن میں ایک عجیب خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کھود رہا ہوں اور اس کی مٹی کو دور دور تک بکھیر رہا ہوں۔ اس خواب کی وجہ سے آپ سخت پریشان ہوئے کہ یہ خواب کیسا ہے؟ چنانچہ جب یہ خواب فن تعبیر کے امام علامہ ابن سیرینؒ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے تعبیر بتلائی کہ یہ خواب دیکھنے والا بچہ علوم نبوت کو پورے عالم میں پھیلا دے گا۔ چنانچہ ان کی بیان کردہ تعبیر سو فی صد درست ثابت ہوئی۔ اور آپؒ رفتہ رفتہ اس علمی کمال تک پہنچے کہ اپنے تو اپنے اغیار بھی آپ کی

تعریف میں رطب اللسان نظر آنے لگے۔

علمی مقام:

حافظ ابن کثیر شافعیؒ فرماتے ہیں اَلْاِمَامُ فَقِیْهُ الْعِرَاقِ، اَحَدُ اَئِمَّةِ الْاِسْلَامِ وَالسَّادَةِ الْاَعْلَامِ اَحَدُ اَرْکَانِ الْعُلَمَاءِ اَحَدُ اَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ. (البدایہ والنہایہ)

☆ حضرت امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّعْرِفَ الْفِقْهَ فَلْیَلْزِمْ اَبَا حَنِیْفَةَ وَ اَصْحَابَهٗ فَاِنَّ النَّاسَ کُلُّهُمْ عِیَالٌ فِی الْفِقْهِ (تاریخ بغداد) کہ جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نقش قدم پر چلے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں امام صاحب کے خوشہ چیں ہیں۔

☆ امام عاصم النبیل سے سوال کیا گیا کہ حضرت سفیان ثوریؒ بڑے فقیہ ہیں یا ابوحنیفہؒ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور ان کے غلام بھی فقہ میں سفیان ثوری سے بلند و بالا مقام رکھتے ہیں (بغدادی)۔

☆ ایک دفعہ امام عبداللہ بن مبارکؒ کے سامنے کسی شخص نے امام ابوحنیفہ کی شان میں گستاخی کی تو وہ سخت برہم ہوئے اور گرج کر فرمایا وَیْحَکَ تعجب ہے تجھ پر! کیا تو اس شخص کی شان میں گستاخی کر رہا ہے جس نے پینتالیس سال تک پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور جو رات کو پورا قرآن کریم دو رکعتوں میں ختم کرتے تھے۔ اور پھر فرمایا وَتَعَلَّمْتُ الْفِقْهَ الَّذِیْ عِنْدِیْ مِنْ اَبِیْ حَنِیْفَةَ (بغدادی) یعنی میرے پاس جو علم فقہ ہے وہ میں نے امام ابوحنیفہؒ ہی سے حاصل کیا ہے۔ ایک موقعہ پر امام مذکور نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں سے سب سے بڑے فقیہ ابوحنیفہ ہی ہیں۔ فرماتے ہیں مَارَاَیْتُ فِی الْفِقْهِ مِثْلَهٗ (تاریخ بغداد) یعنی میں نے فقہ میں ان کا کوئی نظیر اور مماثل نہیں دیکھا۔

☆ امام صاحب کی تعریف کرتے ہوئے حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا۔

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا ‏ اِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ اَبُوْحَنِيْفَةْ
بِآثَارٍ وَ فِقْهٍ فِیْ حَدِیْثٍ ‏ كَآثَارِ الرُّمُوْزِ عَلَى الصَّحِيْفَةْ

بلاشبہ شہروں اور ان میں بسنے والوں کو امام المسلمین ابوحنیفہ نے زینت بخشی ہے۔ احادیث اور احادیث کی درایت کے ساتھ۔ جو اپنے رموز اور اسرار میں نشانات کی طرح صحیفہ پر چمکتے ہیں (تمییض الصحیفہ)

مصداقِ بشارتِ نبویؐ:

امام صاحب نے اتنا بلند مقام پایا کہ آپ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت کے مستحق بن گئے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَا لَهٗ رِجَالٌ اَوْرَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ (بخاری) کہ اگر دین و ایمان ثریا تک بھی پہنچ جائے تو کئی مرد یا ایک مرد ان فارسی نسل کے لوگوں میں سے اس کو ضرور حاصل کرے گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بشارت عظمیٰ کے اولین مصداق حضرت امام ابوحنیفہؒ ہی ہیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی شافعیؒ فرماتے ہیں اَقُوْلُ قَدْ بَشَّرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاِمَامِ اَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْحَدِيْثِ (تمییض الصحیفہ) کہ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کی بشارت دی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس بشارت کے مستحق حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں (مجموعہ مکاتیب) اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خانؒ فرماتے ہیں "صواب آنست کہ ہم ابوحنیفہ دراں داخل است" (اتحاف النبلاء) یعنی حقیقت یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

گرامی قدر سامعین! حدیث ہذا کا مصداق بننے کا دروازہ کسی کے لیے

بند تو نہیں ہے۔ حضرت امام بخاریؒ اور دیگر خادمانِ علوم نبویؐ بھی اس کا مصداق بن سکتے ہیں۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ اس کے اولین مصداق حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی ہیں۔

امام صاحبؒ کی دیانت اور تقویٰ:

آپ اپنی معاشی ضروریات کے لیے کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے۔ آپؒ کی دیانت اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک عورت ریشمی کپڑا بیچنے کے لیے لائی۔ امام صاحب نے اس کی قیمت پوچھی تو اس عورت نے جواب دیا کہ سو درہم میں بک جائے تو ٹھیک ہے۔ امام صاحب نے فرمایا شاید آپ کو معلوم نہیں ریشمی کپڑے کی قیمت چڑھ گئی ہے۔ اس نے کہا چلو سو سے کچھ اوپر قیمت دے دیں۔ آپ نے فرمایا یہ اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ حتیٰ کہ امام صاحب نے اس سے وہ کپڑا پانچ سو درہم میں خریدا اور وہ عورت آپ کی دیانت داری دیکھ کر حیران رہ گئی۔

☆ ایک دفعہ آپ کی غیر حاضری میں آپؒ کے غلام نے چار سو درہم والا تھان مدینہ منورہ کے ایک شخص کو ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ جب آپ کو پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے کہ گاہک کے ساتھ دھوکہ کیوں کیا ہے؟ آپ نے اس غلام کو دکان سے نکال دیا۔ پھر اس مدینہ والے شخص کا حلیہ پوچھ پوچھ کر چھ سو درہم واپس کرنے کے لیے اس کے پیچھے چل پڑے۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ آ کر اس شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس سے معذرت فرمائی اور اسے چھ سو درہم واپس کیے۔

گرامی قدر سامعین! توجہ فرمائیں جو شخص ایک گاہک کے ساتھ دھوکہ اور فریب نہیں کر سکتا' دین کے معاملہ میں وہ پوری امت کے ساتھ کس طرح دھوکہ کر سکتا ہے۔

☆ ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے تیس ہزار درہم نفع کمایا۔ آپ کے نزدیک اس میں کچھ فقہی اشکال تھا۔ چنانچہ آپؒ نے وہ ساری رقم اپنے پاس رکھنے کی بجائے اسی وقت فقراء میں تقسیم کر دی۔

☆ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ کی بکریوں کے ریوڑ میں ایک چوری کی بکری شامل ہو گئی۔ اس بکری کی پہچان ناممکن تھی۔ امام صاحب کو جب اس بات کا پتہ چلا تو چرواہوں سے پوچھا کہ زیادہ سے زیادہ بکری کی عمر کتنی ہو سکتی ہے؟ انہوں نے بتایا سات سال۔ امام صاحب نے تقویٰ کی بنیاد پر سات سال تک بکری کا گوشت نہ کھایا کہ یہ کہیں وہ چوری کی بکری ہی نہ ہو۔

امام صاحبؒ کی ذہانت و فقاھت:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی ذہانت اور فقاہت عطاء فرمائی تھی۔ بڑے سے بڑا اہم مسئلہ فوری طور پر حل فرما دیتے تھے۔

☆ ایک دفعہ مدینہ منورہ کے کچھ لوگ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر بات کرنے کے لیے آئے۔ آپؒ نے ان تمام مہمانوں کو بٹھایا اور ان کے آنے کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے ایک ہی مقصد بتایا کہ اس مسئلہ پر بات کرنی ہے۔ آپ نے پوچھا ایک آدمی بات کرو گے یا سارے؟ وہ کہنے لگے سب کے بات کرنے کی بجائے ہمارا ایک ہی آدمی بات کرے گا' اس کی بات سب کی بات سمجھی جائے گی اس کی شکست سب کی شکست ہوگی اور اس کی فتح سب کی فتح شمار ہوگی۔ آپؒ نے فرمایا مناظرہ تو ہو گیا۔ یہی تو ہماری دلیل ہے کہ جماعت کی صورت میں امام سب کی طرف سے سورۃ فاتحہ پڑھے گا اور باقی لوگ خاموش کھڑے رہیں گے گویا امام کا پڑھنا سب کا پڑھنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (حدیث) امام صاحب کا جواب سن کر وہ سب لوگ لاجواب ہو

گئے۔

☆ ایک دفعہ آپ کا ایک دہریہ سے مناظرہ طے پایا۔ دن' وقت اور جگہ کا تعین ہوگیا۔ آپ نے جائے مناظرہ میں پہنچنے میں جان بوجھ کر دیر کر دی۔ دہریہ نے وقت پر پہنچ کر شور مچا دیا کہ مسلمانوں کا امام شکست کھا گیا ہے۔ مناظرہ سے فرار ہوگیا ہے۔ اسی عالم میں امام صاحب جائے مناظرہ پر پہنچ گئے۔ اس دہریہ نے سب سے پہلا سوال یہی کیا کہ آپ وقت کے مطابق کیوں نہیں آئے؟

آپؒ نے جواباً فرمایا کہ دراصل مجھے دریا پار سے آنا تھا۔ میں جب دریا کے کنارے پر پہنچا تو کشتی موجود نہ تھی۔ میں حیران کھڑا تھا کہ وہاں آس پاس کے درخت خود بخود چرنا شروع ہوگئے۔ ان کے پھٹے بن گئے اور خود بخود کشتی تیار ہونا شروع ہوگئی۔ خود اس میں میخیں وغیرہ لگ گئیں اور پھر میں اس کے اندر سوار ہوگیا اور وہ خود بخود چلنے لگی۔ چپو چلنے لگے اور وہ دریا کی موجوں کا مقابلہ کرتی ہوئی دوسرے کنارے پر آ گئی اور میں اتر کر آپ کے پاس پہنچ گیا۔

دہریہ کہنے لگا کچھ عقل کی بات کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہ خود بخود کشتی بنے اور پھر خود بخود چلنے بھی لگے۔ امام صاحب نے مسکرا کر فرمایا' مناظرہ تو ہوگیا۔ جب ایک کشتی بغیر بنانے والے کے نہیں بن سکتی تو اتنا بڑا نظام کائنات بغیر خالق کائنات کے کس طرح بن سکتا ہے؟ اور جب ایک چھوٹی سی کشتی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو اتنا بڑا نظام جو لاکھوں سالوں سے باقاعدگی سے چل رہا ہے بغیر چلانے والے کے کس طرح چل سکتا ہے؟ دہریہ امام صاحب کی بات سن کر مبہوت ہوگیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ امام صاحب نے مناظرہ جیت لیا۔

☆ ایک دفعہ ایک رومی دانش مند خلیفہ وقت کے دربار میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرے کچھ سوالات ہیں۔ مسلمانوں کے کسی عالم میں سکت ہے تو میرے

سوالوں کا جواب دے؟ دربار میں موجود تمام علماء اس کے سوالوں کا مسکت جواب نہ دے سکے۔ بالآخر امام صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ امام صاحب تشریف لائے اور فرمایا ایک ایک سوال کرتے جاؤ میں بفضل خدا جواب دیتا جاؤں گا۔ اس رومی دانش مند نے اپنے لیے خصوصی منبر رکھوایا اور اس پر بیٹھ کر سوالات شروع کیے۔

پہلا سوال یہ تھا کہ خدا تعالیٰ اگر ہے تو دکھاؤ! امام صاحب نے اس کے جواب میں دودھ اور شکر منگائی اور اس کے سامنے شکر کو دودھ میں ملایا جب ساری شکر حل ہو گئی تو امام صاحب نے اس سے سوال کیا کہ کیا اس دودھ میں شکر ہے؟ وہ کہنے لگا بالکل ہے۔ آپؒ نے فرمایا پھر دکھاؤ کہاں ہے؟ وہ کہنے لگا نظر تو نہیں آتی لیکن دودھ کے ذائقے سے پتہ چل سکتا ہے کہ شکر موجود ہے۔ امام صاحب نے فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ وہ نظر نہیں آتا مگر اس کی قدرتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ موجود ہے۔

اس نے دوسرا سوال کیا کہ خدا تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟ آپ نے فرمایا تم الٹی گنتی گنو۔ اس نے گنتی گنی ۱۰۔۹۔۸۔۷۔۶۔۵۔۴۔۳۔۲۔۱۔ آپ نے فرمایا ایک سے پہلے گنو۔ وہ بولا ایک سے پہلے تو کچھ بھی نہیں میں کیا گنوں؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ جب واحد مجازی سے پہلے کوئی چیز متحقق نہیں ہو سکتی تو واحد حقیقی سے پہلے کوئی چیز کیسے متحقق ہو سکتی ہے؟

اس نے تیسرا سوال کیا کہ خدا تعالیٰ کا رخ کدھر ہے؟ منہ کس طرف ہے؟ آپ نے اس کے جواب میں ایک شمع منگوائی۔ اس کو روشن کیا اور پوچھا اس شمع کا رخ کس طرف ہے؟ وہ کہنے لگا اس کے رخ کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا رخ تو ہر طرف ہے۔ آپؒ نے فرمایا شمع مخلوق ہے جب اس کے رخ کو متعین نہیں

کر سکتے تو خالق کے رخ کو کس طرح متعین کیا جا سکتا ہے؟ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تو آسمان و زمین کا نور ہے۔

اس نے آخری سوال کیا کہ اب خدا تعالیٰ کیا کر رہا ہے؟ یہ بڑا عجیب سوال تھا۔ اس کا جواب واقعی بڑا مشکل تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس کا جواب میں منبر پر بیٹھ کر دوں گا۔ آپ نیچے اتر آئیں اور میں اوپر بیٹھوں گا' تب جواب دونگا۔ وہ چارونا چار نیچے اتر آیا۔ امام صاحب منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اب خدا تعالیٰ نے یہ کام کیا کہ تجھے منبر سے نیچے اتار دیا اور مجھے اوپر بیٹھنے کا اعزاز بخش دیا۔

تمام سوالات کے حیرت انگیز جوابات سن کر روی لاجواب ہو گیا اور دربار میں آپ کی ذہانت و فقاہت کی دھاک بیٹھ گئی۔

☆ ایک دفعہ خلیفہ منصور کو خواب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام ملے۔ خلیفہ نے ان سے سوال کیا کہ آپ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے قبض ارواح پر مامور فرمایا ہے اس لیے براہ مہربانی مجھے بتا دیں کہ میری کتنی عمر باقی ہے؟ عزرائیل علیہ السلام نے ہاتھ کا پنجہ دکھایا اور غائب ہو گئے۔

صبح خلیفہ بہت پریشان تھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟ دربار کے علماء سے سوال کیا تو کسی نے کہا پانچ دن رہ گئے ہیں۔ کوئی کہنے لگا ممکن ہے پانچ ماہ مراد ہوں۔ کوئی بولا پانچ سال کی طرف بھی تو اشارہ ہو سکتا ہے۔ خلیفہ کا ذہن کسی جواب پر مطمئن نہ ہوا حتی کہ اس خواب کی تعبیر حضرت سیدنا امام ابوحنیفہؒ سے پوچھی گئی۔ آپ نے فرمایا تعبیر تو واضح ہے۔ عزرائیل علیہ السلام نے پانچ انگلیاں دکھا کر اس طرف اشارہ کیا ہے فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ کہ یہ بات ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہے۔ حتی کہ ملک الموت کو بھی

کسی کی موت و زندگی کا پتہ نہیں ہے۔ وہ تو قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کر گیا ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْاَرْحَامِ وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَاذَاتَكْسِبُ غَدًا وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ الخ (لقمان) کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی حاملہ کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کون سی سرزمین میں اسے موت آئے گی۔

امام صاحبؒ کی استقامت و جُراتِ ایمانی:

بنی امیہ کے عہد حکومت میں عراق کے گورنر ابن ہبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو مزید مستحکم بنانے اور عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے امام ابوحنیفہؒ کو عہدہ قضاء پیش کیا۔ امام صاحب نے حکومت وقت کے ظلم و جور اور بے اعتدالیوں کے پیش نظر اس عہدہ کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ابن ہبیرہ نے پہلے تو کوفہ کی قضاء پیش کی مگر بعد میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے عہدہ کی بھی پیش کش کر دی۔ امام صاحب نے پھر بھی انکار کر دیا حتیٰ کہ اس نے وزیر خزانہ اور وزیر مالیات کے عہدے بھی پیش کیے اور یہ پیشکش بھی کی کہ گورنر کی مہر بھی آپؒ کے پاس ہوگی۔ خزانہ سے جو مال نکلے گا یا جو حکم بھی نافذ ہوگا اس پر آپ کو مکمل اختیار ہوگا۔ مگر امام صاحب نے استغناء سے کام لیتے ہوئے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ظلم کی معاونت نہیں کر سکتا۔

ابن ہبیرہ نے نرمی کے بعد گرمی دکھائی۔ حتیٰ کہ جنون دھمکی دی۔ لوگوں نے امام صاحب کو سمجھایا کہ حکومت کی ملازمت اختیار کرنے میں ہی فائدہ ہے۔ آپؒ نے جواب دیا کہ گورنری تو بڑی چیز ہے اگر مجھے یہ حکم دیا جائے کہ شہر کی مسجد کے صرف دروازے گنا کروں تو مجھے یہ بھی قبول نہیں ہے۔ گورنر نے آپ کو قید کر

کے جیل میں ڈال دیا مگر جب آپ وہاں بھی قائل نہ ہوئے تو اس نے کہا وَإِنْ لَّمْ يَفْعَلْ لَنَضْرِبَنَّهُ بِالسِّيَاطِ کہ اگر میرا حکم نہ مانے گا تو کوڑے ماروں گا۔ امام صاحب نے فرمایا وَاللهِ لَا أَفْعَلُ لَوْ قَتَلَنِيْ اللہ کی قسم وزارت قبول نہ کروں گا چاہے مجھے قتل کر دیا جائے۔ بالآخر جیل سے نکال کر ان کو گورنر کے سامنے پیش کیا گیا اس نے قتل کی دھمکی دی۔ تو آپؒ نے فرمایا إِنَّهَا مِيْتَةٌ وَاحِدَةٌ یہ تو ایک ہی موت ہے مرنا تو بہرحال ہے ہی۔

پھر حکم دیا گیا کہ ہر روز ان کو جیل سے نکال کر چوک میں لایا جائے اور منادی کرا کر لوگوں کے سامنے ان کو دس کوڑے مارے جائیں اور بازار میں پھرا کر تذلیل کی جائے۔ چنانچہ بارہ دنوں میں امام صاحب کو ایک سو بیس کوڑے لگائے گئے۔ امام صاحب نے بڑھاپے کے باوجود اس سزا کو قبول کیا اور فرمایا ضَرْبُهُ لِيْ فِي الدُّنْيَا أَسْهَلُ عَلَيَّ مِنْ مَقَامِعِ الْحَدِيْدِ فِي الْآخِرَةِ کہ گورنر کی دنیوی سزا میرے لیے آخرت کے ہتھوڑوں اور گرزوں کی مار کی نسبت بہت آسان ہے (مناقب موفق)۔

گرامی قدر سامعین! امام صاحبؒ کی جرأت و ہمت کا اندازہ لگائیں کہ کس طرح انہوں نے ظالم کے ساتھ کلی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ کسی مرحلہ میں شریک ہونا گوارا نہ کیا اور کس طرح خودداری، بلند ہمتی اور استقامت کا ثبوت دیا۔

گرامی قدر سامعین! شاید آپ سمجھتے ہوں کہ بنوامیہ کے دور ہی میں امام صاحب کے مصائب و آلام کے دن کٹ گئے۔ مگر یقین کیجئے ایسا نہیں ہوا۔ دور بنوامیہ کے ختم ہونے کے بعد دور عباسی شروع ہوا تو ابوجعفر منصور نے اپنی حکومت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے امام صاحب کی علمی و

عملی شہرت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور امام صاحب کو ایک دفعہ پھر عہدہ قضاء پیش کیا۔
امام صاحب نے تمام اعیان حکومت کے سامنے انکار کر دیا اور فرمایا اِنِّی لَا اَصْلُحُ میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا۔ خلیفہ نے جواباً کہا بَلْ اَنْتَ تَصْلُحُ بلکہ آپ ضرور اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جب امام صاحب نے بار بار انکار کیا تو خلیفہ کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا کَذَبْتَ کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اَنْتَ تَصْلُحُ تو اس کا اہل ہے۔ امام صاحب نے فرمایا اگر میں جھوٹا ہوں تو پھر بھی عہدہ قضاء کے قابل نہیں ہوں۔ کیونکہ ایک جھوٹا آدمی اس عہدے کا کس طرح اہل ہو سکتا ہے؟
امام صاحبؒ کے اس مسکت جواب سے عباسیوں کے مطلق العنان فرما روا کو ذہنی شکست ہوئی اور اس نے مشتعل ہو کر قسم کھالی کہ میں یہ کام ضرور کروں گا پھر امام صاحب کو بھری مجلس میں تیس کوڑے لگوائے اور یہ کوڑے امام صاحب کے جسم سے کپڑے اتار کر لگوائے گئے حَتّٰی سَالَ الدَّمُ عَلٰی عَقِبَیْہِ یہاں تک کہ خون آپ کی ایڑیوں پر بہتا رہا۔
امام صاحبؒ نے بڑھاپے میں کوڑوں سے اپنے ناتواں بدن کو زخمی کروا لیا مگر ظالم کی ہاں میں ہاں نہ ملائی۔
حکومت کے مظالم صرف اسی پر ختم نہ ہوئے بلکہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے آپ کو جیل میں قید کرا دیا۔ چار سال تک امام صاحبؒ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

شہادت:

حکومت نے جب محسوس کیا کہ امام صاحب کسی قیمت پر بھی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار نہیں تو جیل کے اندر ہی امام صاحب کو زہر دے دیا گیا۔ پھر ان کو مصلوب کر کے پیٹا بھی گیا تا کہ زہر بسرعت ان کی جسم میں نفوذ کر جائے۔

چنانچہ امام صاحب نے جب زہر کا اثر محسوس کیا تو سر سجدہ میں رکھ دیا اور ذکر الٰہی میں معروف ہو گئے۔ پھر سجدہ ہی کی حالت میں جیل کے اندر ستر سال کی عمر میں ۱۵۰ھ میں جام شہادت نوش کیا اور ان کا جنازہ جیل سے برآمد ہوا۔ پہلی مرتبہ تقریباً پچاس ہزار کے مجمع نے جنازہ پڑھا۔ آنے والے مسلسل آ رہے تھے۔ چھ مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ بعد دفن کے بعد بھی ۲۰ دن تک لوگ ان کی قبر پر آ کر جنازہ پڑھتے رہے اور دعائے مغفرت کرتے رہے۔

بڑی ہے شانِ تمنا ابھی بجھی تو نہیں دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی کٹی ہے برسر میدان مگر جھکی تو نہیں

اِمام صاحبؒ کا علمِ حدیث میں مقام:

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں حضرت امام ابوحنیفہ کو اور بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا وہاں ان کو علم حدیث سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ بعض لوگ اس ضمن میں اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نعوذ باللہ علم حدیث سے بے بہرہ تھے۔ تعصب کا برا ہو جب حسد اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھ جاتی ہے تو دوسرے کی خوبیاں بھی خامیاں نظر آتی ہیں۔

غور فرمائیں اگر امام صاحب حدیث کا علم نہ رکھتے تھے تو اتنے بڑے بڑے محدثین و فقہاء ان کی تعریف میں رطب اللسان کیوں ہیں؟ حافظ ابن عبدالبرؒ امام وکیع بن جراحؒ کے بارے میں لکھتے ہیں وَ كَانَ يَحْفَظُ حَدِيْثَهُ كُلَّهُ وَ كَانَ قَدْ سَمِعَ مِنْ أَبِي حَنِيْفَةَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا (جامع بیان العلم) کہ وکیع بن جراح کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بہت سی احادیث سنی تھیں۔

امام صدر الائمہ مکی امام زفر سے روایت کرتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین

مثلاً زکریا ابن ابی زائدہ' عبدالملک بن ابی سلیمان' لیث ابن ابی سلیم' مطرف ابن طریف اور حصین بن عبدالرحمان وغیرہ امام ابوحنیفہ کے ہاں حاضر ہوتے رہتے تھے اور ان سے دقیق مسائل دریافت کرتے تھے اور جس حدیث کے بارے میں اشتباہ ہوتا تھا اس کے متعلق بھی ان سے سوال کرتے تھے (مناقب موفق)۔

غور فرمائیں! اگر امام صاحب کو فن حدیث میں مہارت نہ تھی تو یہ بڑے بڑے محدثین ان کے ہاں کیوں حاضر ہوتے تھے؟

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اِنَّ الْاِمَامَ ذَكَرَ فِىْ تَصَانِيْفِهٖ نَيِّفًا وَ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حَدِيْثٍ وَانْتَخَبَ الْآثَارَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ اَلْفِ حَدِيْثٍ.

(مناقب علی القاری بذیل الجواہر جلد ۲)

امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے تو کتاب الآ ثار کا انتخاب کیا ہے۔

اسی طرح امام صدر الائمہ فرماتے ہیں وَانْتَخَبَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ الْآثَارَ مِنْ اَرْبَعِيْنَ اَلْفِ حَدِيْثٍ (مناقب موفق) کہ امام ابوحنیفہ نے کتاب الآ ثار کو چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کیا ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ كَانَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَرْوِىْ اَرْبَعَةَ آلَافِ حَدِيْثٍ اَلْفَيْنِ لِحَمَّادٍ وَاَلْفَيْنِ لِسَائِرِ الْمَشْيَخَةِ (مناقب موفق) کہ امام ابوحنیفہ نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں دو ہزار صرف حضرت حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں جو امام اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان فرمائے' چالیس ہزار سے زائد احادیث میں سے کتاب الآ ثار کا انتخاب کرے وہ علم حدیث سے بے بہرہ کس طرح ہوسکتا ہے؟

ایک اعتراض:

بعض لوگ تعصب وعناد کی بنیاد پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام صاحب سے روایات بہت کم مروی ہیں۔

گرامی قدر سامعین! اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امام صاحب کے ہاں روایت حدیث کے سلسلہ میں شرائط بہت سخت تھیں۔ بلکہ ان کی شرائط امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط سے بھی زیادہ کڑی تھیں یہ ان کی شدت احتیاط کی دلیل ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے کام کا میدان الگ تھا۔ وہ تو استنباط مسائل میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت سلیمان بن مہران الاعمش نے یہی نکتہ بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں یَامَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ (جامع بیان العلم) یعنی اے فقہاء کے گروہ تم طبیب ہو اور ہم محدثین پنساری ہیں۔ یعنی جس طرح پنساری کے پاس ادویات کا ایک بڑا ذخیرہ ضرور ہوتا ہے مگر وہ اس دوا کے استعمال' مزاج' مقدار وغیرہ سے نابلد ہوتا ہے اسی طرح ہمارے پاس علم روایت ہے اور آپ کے پاس علم درایت ہے۔

گرامی قدر سامعین! دیکھیے صحابہ کرامؓ میں سے علمی اعتبار سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا درجہ کتنا بلند ہے؟ ساری عمر یہ حضرات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہے۔ ان کے برعکس حضرت ابو ہریرہؓ <u>۷ھ</u> میں اسلام قبول کرتے ہیں اور ان سے کئی گنا زیادہ احادیث روایت کرتے ہیں۔ تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ علم حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے کم تھے؟

ایک اعتراض:

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ امام صاحب نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔

جواباً عرض ہے کہ کیا ہر محدث اور فقیہ کے لیے کتاب لکھنا ضروری ہے؟ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے کوئی کتاب لکھی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ کام کا میدان الگ الگ ہوتا ہے۔ بعض لوگ کتابیں چھوڑ جاتے ہیں' بعض شاگرد۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف اور امام محمد جیسی نابغہ روزگار شخصیات موجود ہیں۔ پھر ان حضرات نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ سب حضرت امام صاحب کا ہی فیض ہے۔ آپ کے تمام شاگردوں کی تمام تصانیف گویا آپ ہی کی تصانیف ہیں۔

اور یہ بات آپ سن چکے ہیں کہ کتاب الآثار درحقیقت امام صاحب کی تصنیف ہے۔ اور بقول ابن تیمیہ الفقہ الاکبر بھی امام صاحب کی تصنیف ہے۔

ایک اعتراض:

آپ کی ذات عالی پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رائے اور قیاس پر چلتے تھے۔ جواباً عرض ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ امام صاحب فقیہ اور مجتہد ہونے کی بناء پر اجتہاد و قیاس سے کام لیتے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کس موقعہ اور محل پر قیاس سے کام لیتے تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ مسائل کے بیان کے سلسلہ میں سب سے پہلے آخُذُ بِكِتَابِ اللهِ میں کتاب اللہ میں سے مسئلہ لیتا ہوں۔ اگر کتاب اللہ میں مسئلہ نہ ملے تو فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو پھر سنت رسول اللہ کو لیتا ہوں۔ اگر وہ مسئلہ نہ کتاب اللہ میں ملے نہ سنت رسول اللہ میں تو اَخَذْتُ بِقَوْلِ اَصْحَابِهٖ میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی صحابی کے قول کو لیتا ہوں صحابی رسول کے قول کو چھوڑ کر میں کسی اور کا قول نہیں لیتا اور جب معاملہ ابراہیمؒ۔ شعبیؒ۔ ابن سیرینؒ۔ حسنؒ۔ عطاءؒ۔ اور سعید بن مسیبؒ تک پہنچتا ہے تو پھر

اَجْتَهِدُ كَمَا اِجْتَهَدُوْا جیسے ان حضرات نے اجتہاد کیا ہے میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

اب بتایئے کیا اس موقعہ پر بھی اجتہاد کرنا جرم ہے؟

علاوہ ازیں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ امام صاحب اپنی ذات پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ انہوں نے اس عظیم مقصد کے لیے چالیس چوٹی کے فقہاء وعلماء کرام کی ایک مجلس شوریٰ قائم کر رکھی تھی۔ تین تین دن تک ایک ایک مسئلہ پر غور وخوض ہوتا تھا تب جا کر مسئلہ کا حل نکلتا تھا۔

اس طرح امام صاحب نے شورائی اجتہاد کر کے ۸۳ ہزار مسائل کا حل نکالا اور اسلام کو با قاعدہ ایک نظام اور ایک قانون کی شکل میں امت کے سامنے پیش فرمایا۔ اس کے باوجود آپؒ نے فرمایا اُتْرُكُوْا قَوْلِیْ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ رسول اللہؐ کے فرمان کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو۔ اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔

اِجتہاد کی اہمیّت:

گرامی قدر سامعین! اجتہاد کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ یہ عظیم خداداد صلاحیت اور نعمت ہے۔ اجتہاد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَاَخْطَاءَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَّاحِدٌ (بخاری ومسلم) کہ جب کوئی حکم لگانے والا حکم لگاتا ہے اور اجتہاد کرتا ہے اور اس کا فیصلہ درست ہوتا ہے تو اس کیلئے دو اجر ہیں اور اگر فیصلہ کرنے والا اجتہاد کرے اور غلطی بھی کر جائے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو

یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو بہت سی نصیحتیں فرما کر ان سے سوال کیا کَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاءٌ کہ اگر کوئی قضیہ تیرے سامنے آئے تو کس طرح فیصلہ کرے گا؟ انہوں نے جواباً عرض کیا اَقْضِیْ بِکِتَابِ اللّٰہِ میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر سوال فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اگر وہ مسئلہ تجھے کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا فَبِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ تو پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر سوال فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟ اگر وہ مسئلہ سنت رسول اللہ میں بھی نہ ملے تو پھر کیا کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا اَجْتَھِدُ بِرَاْیِیْ وَلَا اٰلُوْ تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کروں گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کا یہ جواب سن کر انتہائی خوش ہوئے اور ان کے سینہ کو تھپتھپایا اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لِمَا یَرْضٰی بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق بخشی جس سے اللہ کے رسول کو خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ دین کے سارے مسائل کی تفصیلات و جزئیات قرآن و حدیث میں تو موجود نہیں ہیں۔ صرف نماز ہی کو لیجیے اس کے بھی سارے مسائل، تفصیلات و جزئیات قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہیں۔ پھر آپ مجھے بتائیں اس کا حل کیا ہے؟ راستہ یہی ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اجتہاد کر کے غیر منصوص مسائل کا حل نکالا جائے۔ مثال کے طور پر اگر مسئلہ پیدا ہو جائے کہ روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوایا جائے یا نہ؟ بھینس کا دودھ حلال ہے یا حرام؟ قطب شمالی وجنوبی کے مقام پر نمازیں اور روزہ رکھنے کا کیا طریقہ ہے؟ تو ان کا جواب اجتہاد ہی کے ذریعہ دیا جائے گا۔

ضرورتِ تقلید:

اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اجتہاد کرنا ہر کس نا کس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لیے علماء کرام نے باقاعدہ شرائط بیان فرمائی ہیں۔ تو جس آدمی کے اندر اجتہاد کی صلاحیت واستعداد نہ ہو تو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کر کے اس کے پیچھے چلے۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ اگر کوئی شخص نہ تو اجتہاد کی صلاحیت رکھے اور نہ ہی مجتہد کی تقلید کرے تو یقیناً وہ گمراہی اور ہوائے نفس کا شکار ہو جائے گا۔

ایک اہل حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے کیا خوب کہا ہے کہ بے علم کے لیے ترک تقلید کفر وارتداد کا ذریعہ ہے (رسالہ اشاعت السنہ)

گرامی قدر سامعین! اگر آپ غور فرمائیں تو قرآن وحدیث میں بھی تقلید کا حکم موجود ہے۔

۱) یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔ ظاہر بات ہے یہ اولی الامر نہ تو خدا ہیں اور نہ رسول۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد اصحاب فقہ اور ارباب خیر ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں اَهْلُ الْفِقْهِ وَ الدِّیْنِ (مستدرک) کہ اولی الامر سے مراد اہل فقہ اور اہل دین ہیں۔

۲) وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ (لقمان) یعنی جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں تو ان کے راستے کی اتباع کر۔

۳) فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل) کہ اہل علم سے پوچھ

لو اگر تم خود نہیں جانتے۔

اسی طرح حدیث نبوی ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ کو سختی سے فرمایا اَلَاسَألُوْا اِذْلَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّوَالُ (مشکوٰۃ) کہ جب وہ نہیں جانتے تھے تو کسی سے پوچھ کیوں نہ لیا تھا؟ بے شک نہ جاننے والے کے لیے پوچھنے میں ہی شفاء ہے۔

۲) ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ (ترمذی) یعنی میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں مضبوط پکڑو اور میری اور ان کی سنت کو ڈاڑھوں سے مضبوط پکڑ لو۔ دیکھیے یہاں آپ نے خلفاء راشدین کی تقلید کا حکم دیا ہے۔

۳) ایک موقعہ پر فرمایا فَاقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ (ترمذی) کہ تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی اقتداء کرنا۔

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ تقلید شخصی شرک ہے سراسر ناانصافی ہے توجہ فرمائیں! اگر ایک امام کے پیچھے چلنا اور اس کی تقلید کرنا شرک ہے تو پھر بہت سے ائمہ کی تقلید و اتباع کرنا تو بدرجہ اولیٰ شرک ہونا چاہیے۔ اگر کسی ایک امام و مجتہد کی تقلید سے کسی شرعی نص اور حکم پر زد پڑتی ہے تو غیر شخصی سے یہ زد کیوں نہیں پڑتی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ محدود شرک تو ناجائز ہو اور لامحدود جائز ہو؟

ہم چاروں ائمہ و فقہاء کی خدمات کو قابل قدر مانتے ہوئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ کو اس لیے ترجیح دیتے ہیں کہ امام صاحب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اور پیش گوئی کے اولین مصداق ہیں اور آپؒ تابعی بھی ہیں بقیہ تینوں اماموں میں سے کوئی بھی تابعی نہیں ہے۔ پھر امام صاحب کا فقہی کمال بھی

مسلم ہے۔ بڑے بڑے محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل فقہ حنفی کے گرویدہ تھے۔

ابُوحَنیفہؒ محسنِ امت ھیں:

گرامی قدر سامعین! یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی محنت اور اجتہاد ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے اسلام ایک مکمل نظام حیات اور مکمل دستور زندگی کی صورت میں موجود ہے۔ فقہ حنفی میں تقریباً بارہ لاکھ مسائل اجتہادیہ موجود ہیں۔ کوئی بھی شعبہ زندگی تشنہ تکمیل نہیں ہے۔ کچھ لوگ امام صاحب کے مقام سے بے خبری کی وجہ سے ان کی غیبت کر کے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ حدیث میں ہے اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّمِنَ الزِّنَاءِ کہ غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم سلف صالحین کے بارے میں بدگمانی سے بچیں۔ گزرے ہوئے نیک لوگوں کو برا کہنا قیامت کی نشانی ہے۔ جیسا کہ آپ نے علامات قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لَعَنَ آخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا کہ پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں گے۔

حضرت یحیٰ بن معینؒ نے امام صاحبؒ کے مخالفین کے بارے میں کیا خوب تجزیہ کیا ہے؟

حَسَدُوا الْفَتٰی اِذْ لَمْ یَنَا لُوْافَضْلَہٗ ۔۔۔ فَالْقَوْمُ اَعْدَاءٌ لَہٗ وَ خُصُوْمٗ

کَضَرَائِرِ الْحَسْنَاءِ قُلْنَ لِزَوْجِھَا ۔۔۔ حَسَداً وَ بَغْیاً اِنَّھَا لَدَمِیْمٗ

(ذیل الجواہر)

امام ابُوحَنیفہؒ اَھلِ حدیث عُلماء کی نظر میں:

امام ابوحنیفہ کے تبحر علمی، دیانت وتقویٰ اور بلند فقہی مقام کی وجہ سے علماء

اہل حدیث نے بھی انکی قدر کی اوران کے رتبے کوتسلیم کیا ہے۔

۱) اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی وے چنانکہ درعلم دین مذھب امامت دارد ہم چناں درزہد وعبادت امام سالکان است (تذکار جنود الابرار) یعنی امام اعظم ابوحنیفہ جس طرح علم دین میں امامت کے مقام پر فائض ہیں اسی طرح زہد وعبادت میں بھی سالکین کے امام ہیں۔

۲) شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ امام ابوحنیفہؒ کو ان الفاظ میں یاد کرتے ہیں اِمَامُنَا وَ سَیِّدُنَا اَبُو حَنِیْفَۃَ النُّعْمَانُ اَفَاضَ اللّٰہُ عَلَیْہِ شَآبِیْبُ الْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ (معیارحق) ہمارے امام اور ہمارے سردار ابوحنیفہ نعمان ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحمت وبخشش کی موسلادھار بارش نازل فرمائے۔ پھر آگے یوں لکھتے ہیں ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے انکے فضائل میں آیہ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ زینت بخش مراتب ان کے لیے ہے۔

۳) مولانا داؤد غزنویؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حق میں بری رائے رکھنے والے کچھ لوگ تو حاسد ہیں اور کچھ ان کے مقام سے بے خبر ہیں۔ (داؤد غزنوی ص ۳۷۸)

۴) مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیرآبادی کے حالات میں مولانا میر صاحب لکھتے ہیں کہ آپ ائمہ دین کا بہت ادب کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جوشخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔ (تاریخ اہل حدیث)

۵) مولوی محمد صادق صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ آپ بڑے عابد، زاہد، خدا ترس متقی پرہیزگار تھے۔ دل ہر وقت خوف الٰہی سے لبریز رہتا تھا۔ اللہ کے حضور

تضرع کرتے رہتے اور بہت کم بولتے تھے۔ بڑے سلیم الطبع' بلند اخلاق' پسندیدہ طبیعت' منکسر مزاج' ملنسار' بردبار' عالم باعمل اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ تقویٰ اور خوف خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دیانت آپ کی مسلم تھی۔ (سبیل رسولؐ)

۲) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے خلاف کچھ لکھنے اور کہنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک عبرت انگیز طریقہ سے ان کو امام صاحب کی برائی سے بچا لیا۔ وہ خود لکھتے ہیں۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لیے کتب متعلقہ المباری سے نکالیں اور حضرت امام صاحبؒ کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آ گیا۔ جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا' گویا ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا نظارہ ہو گیا معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب سے بدظنی کا نتیجہ ہے۔ اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے وہ اندھیرے کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ (گویا کہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا سماں پیدا ہو گیا) ۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معراج قدسیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتے ہیں اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی میں نے جو کچھ عالم بیداری میں اور ہوشیاری میں دیکھ لیا ہے اس میں مجھ سے جھگڑنا بے سود ہے (تاریخ اہل حدیث)۔

گرامی قدر سامعین! عبرت کے لیے یہی ایک واقعہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور گستاخی و بے ادبی سے بچائے۔ آمین

از خدا خواہیم توفیق ادب　　　　که بے ادب محروم شد از فضل رب



۱۰:- عِبادُالرَّحمان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا الخ (سورۃ الفرقان) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! ہم سب بندے تو اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں مگر بعض بندے اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ ایک ہے کسی بندہ کا یہ کہنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور ایک ہے اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ وہ میرا بندہ ہے۔ دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

حقیقی بندہ وہی ہوتا ہے جس کے اندر بندگی پائی جائے۔ بندہ بغیر بندگی کے ہوتو وہ کس طرح بندہ کہلا سکتا ہے؟

زندگی۔ بے بندگی۔ شرمندگی

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو بندے دوقسم کے ہیں۔ کچھ ہیں رحمان کے بندے اور کچھ ہیں شیطان کے بندے۔ ظاہر ہے شیطان کے بندے (غلام) وہی کہلائیں گے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور رحمان کے بندے وہی کہلائیں گے جو اس کے احکامات پر چل کر اس کی رضاء جوئی کرتے ہیں۔ جس طرح ایک غلام اور مملوک کا وجود اور اس کے جملہ اختیارات اپنے آقا کے حکم کے تابع ہوتے ہیں اسی طرح رحمان کے بندے زندگی کے ہر معاملہ میں اپنے رب کی مرضی اور حکم

کے تابع رہتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! رحمان کا بندہ ہونا کوئی معمولی بات نہیں بلکہ یہ بہت بڑا اعزاز اور شرف ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں اپنا بندہ کہا ہے۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ۔ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا اَيُّوبَ.. وَاذْكُرْ عِبَادِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ .. یعنی ان کے اندر بندگی اور فدویت اس حد تک کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا بندہ فرما کر انہیں اعزاز بخشا۔

پھر دیکھیے! جہاں عام پیغمبروں کا ذکر ہوا ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرماتے ہوئے ساتھ ان کا نام بھی ذکر فرما دیا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ کون سا بندہ مراد ہے۔ یعنی صرف ''عبد'' کہنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ نشان دہی کرتے ہوئے نام بھی ذکر فرما دیا۔ اور جہاں امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا تو وہاں مطلق ''عبد'' کا لفظ استعمال فرما دیا۔ نام بیان کرنا ضروری نہ سمجھا۔ سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ.. تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ.. فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى..

گرامی قدر سامعین! میرے خیال میں اس انداز بیان کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت اس درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہے کہ اگر بغیر کسی تشریح و توضیح کے فقط ''عبد'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس سے مراد آپؐ ہی کی ذات اور شخصیت ہو سکتی ہے۔ اَلْمُطْلَقُ اِذَا يُطْلَقُ يُرَادُ بِهِ الْفَرْدُ الْكَامِلُ یعنی کمال عبدیت اگر کسی کے اندر پایا جاتا ہے تو وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قدر ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست یعنی اولیاء اللہ انہی ہستیوں کو

فرمایا ہے جن کے اندر اعلیٰ درجے کی عبدیت اور بندگی پائی جائے۔ یعنی جتنی زیادہ عبدیت پائی جائے گی اسی درجے کا وہ ولی اللہ شمار ہوگا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ فرقان میں ایک ہی مقام پر اپنے خاص بندوں کے بارہ اوصاف ذکر فرما دیے ہیں۔ تاکہ اگر کوئی شخص اس کا خاص بندہ یعنی اس کا دوست (ولی اللہ) بننا چاہے تو ان اوصاف کو اختیار کرلے۔ ان بارہ اوصاف میں اتنی جامعیت ہے کہ ان میں جہاں عقائد کی اصلاح کا سامان ہے وہاں اعمال صالحہ کی ترغیب بھی ہے اور جہاں معاملات کی درستگی کا سامان ہے وہاں مکارم اخلاق کی تکمیل بھی ہے۔

گرامی قدر سامعین! اب میں آپ کے سامنے انتہائی اختصار کے ساتھ ان صفات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

۱) عبادالرحمان کی پہلی صفت یہ ہے اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کہ وہ زمین پر تواضع سے چلتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اکڑ کر نہیں چلتے اور تکبر نہیں کرتے۔ ان کے تمام اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل اور عاجز ہوتے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل) کہ زمین پر اکڑ کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا۔

یہ دنیا چند روزہ ہے نہ چل یہاں سر اٹھا اٹھا کر
خدا نے لاکھوں صورتیں مٹا دی ہیں بنا بنا کر

حدیث شریف میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام انتہائی وقار اور تواضع کے ساتھ ذرا آگے کو مائل ہو کر نسبتاً تیز چلا کرتے تھے اِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ فِىْ صَبَبٍ (شمائل) یعنی ہمت اور قوت سے پاؤں اٹھا کر ایسے چلتے تھے گویا اونچائی سے نیچے اتر رہے ہیں۔ كَاَنَّمَا الْاَرْضُ تُطْوٰى لَهٗ گویا کہ زمین آپ کے

لے سمٹ رہی ہے۔ ویسے بھی کل جس زمین کے پیٹ میں ہم نے پہنچ جانا ہے آج اس کے سینے پر تکبر کسی طرح ہمیں زیب نہیں دیتا۔

۲) وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا جب اہل جہالت ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں "سلام" یعنی جہالت کا کام کرنے والے یا جاہلانہ باتیں کرنے والے جب ان سے الجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں نہ ان سے الجھتے ہیں نہ انہیں ایذاء پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی انتقامی کاروائی کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا سلام سے مراد سلام متارکت ہے یعنی "جواب جاہلان خاموشی" پر عمل کرتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا کہ سلام سے مراد یہ ہے کہ وہ پھر بھی سلامتی والی بات کرتے ہیں۔ جہلاء کی بدسلوکی کے باوجود ان سے اچھا سلوک کرتے ہیں اور ان کے اقوال وافعال سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ سلامت رہتے ہیں۔

۳) وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا وہ اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے رات گزارتے ہیں۔ یہ ان کی عبادت کا بیان ہے کہ وہ فرائض کے علاوہ رات کو نماز تہجد بھی ادا کرتے ہیں۔ دن کو تعلیم، تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف رہتے ہیں تو رات کو اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کی راتیں کھیل تماشے لہو ولعب اور غفلت میں نہیں گزرتیں۔

ایک اور مقام پر ایسے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدہ) کہ ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ نماز پنجگانہ کے بعد سب سے فضیلت والی نماز نماز تہجد ہی ہے۔ کیونکہ اس میں انسان اپنے آرام اور نیند کو قربان کر دیتا ہے۔ اس میں ریاء و نمود کا خدشہ بھی نہیں ہے۔

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا قیام اللیل یعنی تہجد کی پابندی کرو۔ کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے انتہائی قریب کرنے والی ہے۔ سیئات کا کفارہ اور گناہوں سے روکنے والی ہے (ترمذی)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم تھے مگر پھر بھی آپ کی حالت یہ تھی کہ نماز تہجد میں اتنا لمبا قیام فرماتے حَتّٰی تَتَفَطَّرَ قَدَ مَاهُ یہاں تک کہ آپ کے پاؤں میں ورم آ جاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا یَا رَسُوْلَ اللهِ وَ قَدْ غُفِرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ اے اللہ کے رسول! جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ اٹھا دیے ہیں تو پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بخاری) کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے عشاء کے بعد دو یا زیادہ رکعات پڑھ لیں وہ بھی اس حکم میں داخل ہے بَاتَ لِلّٰهِ سَاجِدًا وَ قَائِمًا (مظہری) کہ گویا اس نے رات سجدہ اور قیام میں گزار دی۔

(۴) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹائے رکھ۔ بیشک دوزخ کا عذاب تو چمٹنے والا ہے۔ بے شک وہ انتہائی برا ٹھکانہ اور انتہائی بری رہائش ہے۔

یعنی کرتے بھی ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ فرائض کے علاوہ نوافل بھی ادا کرتے ہیں بایں ہمہ انہیں اپنی عبادت پر کسی قسم کا گھمنڈ نہیں ہوتا۔ عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ ہر وقت جہنم کے خوف سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران) وہ خدا تعالیٰ سے یوں التجا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے سو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

گرامی قدر سامعین! دوزخ کے عذاب کے متعلق یہاں بیان کیا گیا ہے کہ وہ چمٹ جانے والا عذاب ہے۔ دوزخ کی آگ بذات خود ایک عذاب ہے اور پھر اس کے اندر گوناگوں عذابات ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ وہ آگ دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ گرم ہوگی۔ قرآن مجید میں اس کو کسی جگہ نَارُ الْکُبْرٰی (بہت بڑی آگ) کہا گیا ہے تو کسی جگہ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ (اللہ کی خوب بھڑکائی ہوئی آگ) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں اسے نَارًا تَلَظّٰی (آگ کی لپٹ) کہا گیا ہے تو کہیں نَارٌ حَامِیَۃٌ (بھڑکتی ہوئی آگ) کہا گیا ہے۔ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ یعنی نہ وہ جان لے گی اور نہ جان چھوڑے گی۔ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی اس میں نہ موت ہوگی نہ زندگی۔ پھر اسی پر بس نہیں اس کے اندر لمبی گردنوں والے اونٹوں کے برابر سانپ اور خچروں کی طرح بچھو ہوں گے جن کے محض ایک دفعہ ڈسنے سے چالیس سال تک سوزش ہوتی رہے گی۔

کھانے کے لیے وہاں ضَرِیْعٌ (آگ کے کانٹے) زَقُّوْمٌ (تھوہر) طَعَامٌ ذِیْ غُصَّۃٍ (گلے میں اٹکنے والا کھانا) جیسی چیزیں ہونگی۔ پینے کے لیے غِسْلِیْنٌ (زخموں کا دھوون) غَسَّاقٌ (دوزخیوں کی پیپ) مَآءٌ حَمِیْمٌ (گرم

پانی) مَاءٌ کَالْمُهْلِ (تیل کی تلچھٹ کی طرح کا پانی) مَاءٌ صَدِیْدٌ (پیپ کا پانی)
وغیرہ ہوگا۔ جس سے چہرہ جھلس جائیگا۔ آنتیں کٹ جائیں گی۔ پیٹ کے اندر
آگ بھڑک جائے گی۔ یَتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ
مَکَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ (ابراہیم) وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیے گا اور گلے سے نہیں اتار
سکے گا اور ہر طرف سے موت آتی ہوئی نظر آئے گی مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا۔
پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہاں مَقَامِعُ (لوہے کے ہتھوڑے) سِلْسِلَةٌ (لمبی لمبی
زنجیریں) طُوْقٌ (پھندے) وغیرہ کے عذابات بھی ہوں گے۔ علاوہ ازیں باہم
لڑائی ایک دوسرے کے طعنے بھی ہوں گے۔ اہل جہنم چیخ چیخ کر اللہ سے فریاد
کریں گے تو جواب ملے گا اِخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ ذلت سے پڑے رہو مجھ
سے بات بھی نہ کرو اِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا غرضیکہ وہ انتہائی برا ٹھکانہ
ہے۔ (اعاذ نا اللہ منها) اس لیے اللہ کے خاص بندے دوزخ کے عذاب سے
ہر وقت پناہ مانگتے رہتے ہیں۔

۵) وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ
قَوَامًا کہ وہ لوگ مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں
اور نہ بخل و کنجوسی۔ بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

اسراف کا مطلب یہ ہے کہ جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے
زائد خرچ کرنا۔ علماء کرامؒ نے بیان فرمایا ہے کہ نام و نمود کے لیے اگر اسراف سے
کام لیا جائے تو وہ تبذیر میں داخل ہو جاتا ہے اور تبذیر بنص قرآن حرام ہے۔ اِنَّ
الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ کہ فضول خرچی کرنیوالے شیطان کے
بھائی ہیں۔ یعنی اللہ کے خاص بندے ناجائز مواقع پر تو بالکل خرچ کرتے ہی نہیں
جیسے باطل رسومات و بدعات وغیرہ اور جائز مواقع پر بھی ضرورت سے زائد خرچ

نہیں کرتے۔ جیسے شادی بیاہ اور دیگر مباح تقریبات وغیرہ۔ ہاں اگر حق کے راستے میں سارا مال بھی خرچ کر دیا جائے تو اس میں کوئی گناہ وغیرہ نہیں ہے۔

اللہ کے یہ خاص بندے نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ اقتار یعنی بخل اور تنگی بھی نہیں کرتے راہ اعتدال پر رہتے ہیں۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (سورۃ بنی اسرائیل) کہ نہ تو اپنا ہاتھ بالکل بند کر لینا چاہیے کہ کچھ خرچ ہی نہ کرے اور نہ ہی بالکل کھول دینا چاہیے کہ اسراف بن جائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ کہ جو شخص خرچ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی مفلس ومحتاج نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں بھی حکم دیا گیا ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (اعراف) کہ کھاؤ پیو لیکن بے جانہ اڑاؤ کہ اللہ تعالیٰ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا مِنْ فِقْهِ الرَّجُلِ قَصْدُهُ فِيْ مَعِيْشَتِهِ کہ آدمی کی دانشمندی یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرے۔ نہ اسراف کرے نہ اقتار۔

۲) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو نہیں پکارتے۔ یہ ان کے عقیدہ توحید کا بیان ہے کہ وہ صرف ایک ہی الٰہ کو ماننے اور پکارنے والے ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کی سوروپکار سے کوسوں دور اور شرک سے نفور ہوتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! شرک سب سے بڑا اور سب سے بُرا گناہ ہے۔ قرآن مجید میں اسی گناہ کو ظلم عظیم اور ضلال مبین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی گناہ کی

وجہ سے انسان کے جملہ اعمال خیر برباد ہو جاتے ہیں اور بخشش ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسی گناہ کے مرتکب کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت کی گئی ہے اور اسے شفاعت سے محروم قرار دے کر اس پر جنت حرام کی گئی ہے۔

بھلا اللہ کے خاص بندے شرک کا ارتکاب کس طرح کر سکتے ہیں؟ وہ تو صبح و مساء اسی کو پکارتے ہیں یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ان کا تو اعلان ہوتا ہے رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا (الکہف) کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی کو بھی الٰہ سمجھ کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ ان کی تو حالت یہ ہوتی ہے تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (السجدہ) کہ رات بھر ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں اور وہ صرف اور صرف اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔ یعنی خوف بھی صرف اسی سے رکھتے ہیں اور امیدیں بھی اسی سے وابستہ رکھتے ہیں۔

ان کے بارے میں تو خود ان کا رب گواہی دیتا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا (الانبیاء) کہ یہ لوگ نیکیاں کرنے میں دوڑتے ہیں اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اور ہمیں ہی پکارتے ہیں۔ رغبت بھی ہم سے رکھتے ہیں۔ اور خوف بھی ہم ہی سے رکھتے ہیں۔ ان کا تو یہی نعرہ ہوتا ہے وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (عنکبوت) کہ ہمارا اور تمہارا ایک ہی الٰہ ہے اور ہم صرف اسی کے آگے جھکنے والے ہیں۔

۷) وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کہ وہ کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس جاندار کا قتل حرام کر دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے ہاں مگر جائز طریقے سے۔

قتل ناحق بہت بڑا گناہ ہے۔ مومن تو مومن رہا کسی کافر کو بھی ناحق قتل کرنا بہت بڑا ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔ انسان تو انسان رہے شریعت اسلامیہ میں تو کسی حیوان کو بھی ناحق قتل کرنا بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے ایک موقعہ پر ایک بلّی کو بلاوجہ قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جہنم کا فیصلہ فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا ذکر فرما کر کہ قابیل نے کس طرح ہابیل کو قتل کیا۔ قتل ناحق کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ) کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزادی جائے تو اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں بار بار اللہ تعالیٰ نے قتل ناحق کی ممانعت فرمائی ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کہ کسی جان والے کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر۔ یعنی جس کا شریعت حکم دے وہی قتل جائز ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے جب کسی نفس کو بھی قتل کرنا اتنا شدید گناہ ہے تو اپنی اولاد کے قتل کرنے کا کتنا گناہ ہوگا۔ چنانچہ حکم ربانی ہے لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ کہ رزق کی تنگی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات دفع شر کے لیے کسی کو قتل کرنا جائز بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شریعت اسلامیہ کی رو سے تین قتل جائز قرار دیئے گئے ہیں۔ (ا) مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کیا جائے۔ (ب) شادی شدہ زانی پر حد لگاتے ہوئے اسے رجم (سنگسار) کیا جائے۔ (ج) قبول

اسلام کے بعد مرتد ہو جانے والے کو ارتداد کے جرم میں قتل کیا جائے۔
اس لیے اللہ تعالیٰ نے بطور استثناء کے فرمایا اِلَّا بِالْحَقِّ کہ ہاں مگر جائز طور پر کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

۸) وَلَا یَزْنُوْنَ کہ وہ زنا بھی نہیں کرتے۔ قتل ناحق کی طرح زنا بھی کبیرہ گناہ ہے۔ ہر دین اور ہر معاشرے میں اسے انتہائی سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ کہ زنا کرتے وقت زانی دائرہ ایمان سے نکل جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں غیر شادی شدہ زانی کے لیے سو کوڑوں کی حد مقرر فرمائی گئی ہے اور شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے۔ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دور میں کئی مرتبہ زانی وزانیہ پر رجم کی حد جاری فرما کر اس پر مہر تصدیق لگائی ہے۔

تنبیہ:

عقیدہ و عمل کے یہ تین بڑے گناہ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرماتے ہوئے تین سزائیں بیان فرمائی ہیں (ا) وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا کہ جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ "اَثَام" یعنی جہنم کی ایک وادی میں ڈالا جائے گا۔ (ب) يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن اس کا عذاب دوگنا ہو جائے گا۔ (ج) وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا کہ وہ اس عذاب میں ذلیل و خوار ہو کر ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کفر و شرک میں بھی مبتلا ہوئے اور قتل و زناء میں بھی انہیں جہنم کی وادی کے اندر رہنا ہوگا لہٰذا ان کا عذاب مضاعف یعنی دوہرا ہوگا اور عذاب بھی دائمی ہوگا۔

استثناء:

تین گناہوں کی تین سزائیں بیان فرمانے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے استثناء کرتے ہوئے تین شرائط بیان فرمائی ہیں ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ کہ جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتا رہے ﴿فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو بھی نیکیوں سے مبدل فرما دے گا۔ ﴿وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

آگے پھر بیان فرمایا ﴿وَمَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰہِ مَتَابًا﴾ کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ پہلی آیت ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ الخ﴾ میں کفار و مشرکین کی توبہ کا بیان ہے۔ اسی لیے اس میں ایمان لانے کا بیان بھی ساتھ ہے اور اس دوسری آیت میں گنہ گار مؤمنوں کی توبہ کا ذکر ہے جو غفلت سے قتل و زناء وغیرہ میں مبتلا ہو گئے اور پھر توبہ کر لی۔ اور اس توبہ کے بعد اپنے عمل کی ایسی اصلاح کر لی کہ ان کے عمل سے بھی توبہ کا ثبوت ملنے لگا تو انہیں بھی صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا سمجھا جائے گا اور ان کی توبہ عنداللہ مقبول ہوگی۔

۹) ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ کہ یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔ یعنی کفر و شرک اور بدعات کی محفلوں میں حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! فسق و فجور کی جتنی مجالس ہیں چاہے وہ خالص بے

حیائی کی مجالس ہوں یا بدعات پر دینی لیبل لگا کر ان کو دین کا جزو سمجھ لیا جائے سب مجلسِ زور کا مصداق ہیں۔ ایسی مجالس میں اللہ کے خاص بندے شریک نہیں ہوتے۔

بعض علماء کرام نے یَشْهَدُوْنَ کو شہادت یعنی گواہی کے معنیٰ میں لے کر یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جھوٹی گواہی دینا کتنا بڑا گناہ ہے۔ معاشرے کے اندر اس سے کتنی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کو چالیس درے مارے جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے خاص بندے نہ جھوٹی مجالس میں حاضر ہوتے ہیں اور نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔

(۱۰) وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا کہ اگر لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی ان کا اتفاقاً گزر ہو جائے تو وہاں سے شرافت اور سنجیدگی سے گزر جاتے ہیں۔

شرافت اور سنجیدگی سے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو خود اس میں ملوث ہوتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کا اس میں ملوث رہنا برداشت کرتے ہیں۔ اپنا دامن بچانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی فکر کرتے ہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَنْ رَآى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ (مسلم) کہ تم میں سے جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے تو اسے طاقت اور قوت سے بند کر دے۔ اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے۔ اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے روک دے۔ یعنی دل میں تہیہ کر لے کہ جب طاقت ہوگی تو اس کو

ضرور روکوں گا۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ کسی بیہودہ مجلس سے اعراض کرتے ہوئے گزرے تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَقَدْ اَصْبَحَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَاَمْسٰی کَرِیْمًا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کریم ہو گئے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

۱۱) وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا

کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ مطلب یہ ہے کہ سمیع و بصیر ہو کر ان آیات میں غور وفکر کرتے ہیں اور ان سے متاثر ہوتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا الخ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اس کے برخلاف منافقین کی حالت یہ ہوتی ہے فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ الخ۔

علماء کرام نے اس آیت کے دو معانی بیان فرمائے ہیں (ا) کہ جب ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے یعنی پوری توجہ اور بصیرت کے ساتھ سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پھر عمل بھی کرتے ہیں۔ نہ سننے میں بے پرواہی اور غفلت برتتے ہیں نہ سمجھنے میں اور نہ عمل کرنے میں۔ (ب) دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھی اور بے بصیرتی کے ساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں اس طرح نہیں کرتے۔ یعنی اللہ کی آیات کو حدیثِ نبوی اور اسلاف صالحین کی تفسیر کی روشنی میں سمجھتے ہیں اور پھر اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

اگر قرآنی آیات کی پرواہ نہ کی جائے یا ان پر عمل نہ کیا جائے یا جس طرح اپنا جی چاہے عمل کیا جائے تو یہ سب اندھا اور بہرہ ہو کر گرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کے حقوق صحیح معنوں میں پورے کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

۱۲) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے صرف اپنی ذات کی اصلاح پر ہی اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنی اولاد اور بیویوں کی بھی اصلاح کی فکر رکھتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! یہ بہت اہم مسئلہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے گھر کی اصلاح کی بھی فکر رکھیں۔ یہ ہماری بہت بڑی ذمہ داری ہے اور ہم اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائیگا۔

گھر میں تو ہماری حکمرانی ہوتی ہے اور مکمل کنٹرول ہوتا ہے اس لیے ہمیں دوسرے لوگوں کی بجائے سب سے پہلے اپنے گھر اپنے اعزہ اور اپنے اقرباء کی اصلاح کرنی چاہیے۔

پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا

(ترجمہ) اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

آیت کا مطلب یہی ہے کہ اے اللہ! ہمارے گھر' ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی اس طرح اصلاح فرما دے کہ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جائیں۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا اور ہمیں پرہیزگار لوگوں کا امام و راہنما بنا دے۔ یعنی جتنے بھی لوگ ہماری قیادت اور ہماری ماتحتی میں ہیں انہیں بھی متقی اور پرہیزگار بنا دے۔

گرامی قدر سامعین! اولاد اگر نیک اور متقی بن جائے گی تو اس کا ثواب ہمیں مرنے کے بعد بھی یقیناً ملتا رہے گا۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے مگر تین طرح سے پھر بھی جاری رہتا ہے۔ (ا) وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْلَهٗ نیک اولاد جو اس کے لیے دعاء کرتی رہے (ب) عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ اس کا پھیلایا ہوا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس کا اجر و ثواب بھی اس کو پہنچتا ہے۔ (ج) صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ یعنی اس نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا نیکی کا کام کیا جو مرنے کے بعد بھی چل رہا ہے تو اس کا ثواب بھی اس کو پہنچتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا سے جائیں تو اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑ کر جائیں تاکہ اس کا ثواب ہمیں ملتا رہے۔

جَائزہ اور اِنعام:

یہاں تک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی بارہ صفات بیان فرما کر آگے ان کا جائزہ اور انعام بیان فرمایا ہے کہ قیامت والے دن انہیں کیا کچھ ملے گا۔ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا کہ ایسے لوگوں کو ان کی ثابت قدمی کے بدلے جنت کے بالا خانے ملیں

گے اور انہیں تحیہ اور سلام پیش کیا جائے گا۔

گرامی قدر سامعین! جنت کا مل جانا بذات خود ایک بہت بڑی نعمت ہے سراسر کامیابی و کامرانی ہے۔ لیکن جنت کے اندر مختلف درجات اور منازل ہیں۔ عبادالرحمان کو صرف جنت نہیں ملے گی بلکہ جنت کے اونچے اونچے محلات اور بالا خانے نصیب ہوں گے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جنت میں ایسے محلات اور غرفے ہونگے جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے نظر آتا ہوگا۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جنت میں مقربین خاص کے ایسے ایسے غرفے اور بالا خانے ہونگے إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ أَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ الْغَابِرَ مِنَ الْأُفُقِ (مسلم) کہ جب جنتی لوگ اپنے اوپر والے جنتیوں کے غرفے اور محلات دیکھیں گے تو اونچائی کی وجہ سے ایسا محسوس کریں گے جیسا کہ دور آسمان کے مغربی اور مشرقی کنارے پر کوئی تارا چمک رہا ہے۔ تو وہ حیران ہوکر پوچھیں گے مَنْ هٰؤُلَاءِ کہ یہ کن لوگوں کے محلات ہیں تو جواب دیا جائے گا هٰؤُلَاءِ الْمُتَحَابُّوْنَ فِي اللّٰهِ یہ وہ اللہ کے خاص بندے ہیں جو باہم اللہ کے لیے محبت رکھا کرتے تھے۔

ان محلات کی بناوٹ کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا لَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ ان کی ایک اینٹ چاندی کی ہوگی تو دوسری سونے کی۔ وَمَلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ ان کا گارہ خالص کستوری کا ہوگا وَ حَشِيْشُهَا الزَّعْفَرَانُ اور اُن کا گھاس زعفران ہوگا۔ وَ حَصْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوْتُ اُن کے سنگریزے موتی اور یاقوت ہونگے وَ تُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مٹی زعفران کی ہوگی۔ وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلَامًا اسی پر بس نہیں ان کی اتنی عزت وتکریم

ہوگی کہ انہیں ہر طرف سے تحیہ وسلام پیش کیا جائیگا۔ جنت کے دروازے پر اللہ کے فرشتے استقبال کرتے ہوئے کہیں گے وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس اللہ کے فرشتے آئیں گے اور کہیں گے تم پر سلام ہو یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور آخرت کا بہترین گھر ہے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ (زمر) تم پر سلام خوش ہو کر اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔

حتی کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ سلام پیش فرمائیں گے۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ کہ رب رحیم کی طرف سے سلام ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اللہ کے خاص بندے اس جنت میں اور اس کے محلات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی نعمتیں ملنے کے بعد ان کے چھن جانے کا یا اپنے مرجانے کا خوف نہ ہوگا۔

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہترین جگہ ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اَیْ حَسُنَتْ مَنْظَرًا وَ طَابَتْ مَقِيْلًا وَ مَنْزِلًا کہ وہ دیکھنے میں بھی انتہائی بہترین اور خوبصورت جگہ اور رہائش اور ٹھکانے کے اعتبار سے بھی بہترین ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم ان اوصاف سے متصف ہو کر اُس کے خاص بندوں میں شمار ہو سکیں۔ آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۱:- اَھمیّتِ نَماز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ عُلَامَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (سورۂ عنکبوت) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! دین اسلام چار چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱)ایمانیات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) اخلاقیات۔

ان چاروں چیزوں میں سے دو چیزیں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں

(۱)ایمانیات (۲) عبادات۔

پھر ان دونوں میں سے ایمانیات کا درجہ بلند ہے۔ ایمان بمنزل روح کے ہے اور عبادات بمنزل جسم کے ہیں۔ ایمان نہ ہوتو تمام عبادات عبث اور فضول ہیں۔

ایمان کے بعد دوسری اہم چیز عبادات ہیں اور عبادات کے چار بنیادی ارکان ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ پھر ان تمام عبادات میں سے افضل و اعلیٰ عبادت نماز ہے۔ اور اسے ایمان کے ساتھ ایک خاص مناسبت اور تعلق ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک باطنی وجود ہوتا ہے اور ایک ظاہری۔ باطنی وجود کو روح اور ظاہری وجود کو جسم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایمان کا بھی ایک باطنی وجود ہے اور ایک ظاہری۔ باطنی وجود یقیناً نظر نہیں آئے گا کیونکہ

وہ دل کا ایک اندرونی معاملہ ہے۔ اور ظاہری وجود یقیناً نظر آئے گا کیونکہ اس کا تعلق ظاہری جسم سے ہے۔ ایمان کا باطنی وجود یعنی اس کی روح اور جان کیا ہے؟ وہ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے جسے تصدیق قلب بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور اس ایمان کا ظاہری وجود یعنی اس کا جسم کونسا ہے؟ تو وہ نماز ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ سمجھ چکے ہیں کہ نماز ایمان کی اس اندرونی کیفیت کا ایک خارجی اور نظر آنے والا وجود ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں نماز کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ بقرہ) کہ اللہ تعالیٰ ہرگز تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا' بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ مہربان اور رحمت کرنے والا ہے۔

آیت ہذا کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ منورہ آمد کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عرصہ تک بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا رخ کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیں' چنانچہ پھر اسی پر عمل ہونے لگا۔ پھر بعض لوگوں کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ اب تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا کیا ہوگا؟ کیا وہ ضائع ہو جائیں گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی نماز کو ضائع نہ کرے گا۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان سے تعبیر فرما کر یہ بیان فرما دیا کہ نماز ایمان کی اندرونی حقیقت کا ظاہری وجود اور حصہ ہے۔

اسی لیے حدیث پاک میں ترک نماز کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ جس کی نماز نہیں گویا اس کا ایمان ہی نہیں۔

☆ نماز کو مومن کی معراج سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔تمام اعمال میں سے نماز کو یہ شرف وخوبی حاصل ہے کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلا کر دیا ہے۔معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آپ کو امت کے لیے تین تحفے عطاء فرمائے۔(۱) نماز۔(۲) خواتیم سورہ بقرہ۔(۳) شرک سے بچنے والے کی بخشش کی بشارت۔

دیکھیے! پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کروا کر معراج کرائی اور اپنے قرب خصوصی سے نوازا۔اور پھر آپ کی وساطت سے ہمیں بھی ایک چھوٹی سی معراج سے مشرف فرمایا اور وہ نماز ہے۔

☆ نماز کو جنت کی چابی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔یعنی جس طرح چابی سے دروازہ کھل جاتا ہے اسی طرح جنت کا دروازہ کھولنے کے لیے نماز کی چابی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔اسی طرح جنت کے ایک دروازے کا نام بھی باب الصلوٰۃ ہے۔

☆ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ اس سے اجر وثواب ملنے کے ساتھ ساتھ آدمی کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی مثال ایک نہر سے دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے وجود پر کوئی میل کچیل رہ جائے گی؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے وجود پر تو میل کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے گا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا كَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوْا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا (بخاری) یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام موسم خزاں میں باہر تشریف لائے۔ حالت یہ تھی کہ موسم کی شدت کی وجہ

سے درختوں کے پتے گر رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی ٹہنی کو ہاتھ میں پکڑ کر ہلایا تو اس کے تمام پتے دفعتاً گر گئے۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوذر! اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّى الصَّلٰوةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللهِ فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتَ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (رواہ احمد) جب کوئی مسلمان آدمی اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضاء کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی گر جاتے ہیں جیسے اس درخت کی ٹہنی سے پتے گر گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے بطور استشہاد قرآن مجید کی یہ آیت بھی تلاوت فرمائی اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ کہ دن کے دونوں اطراف اور رات کے کچھ حصوں میں نماز ادا کرو بیشک نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

☆ نماز کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ انسان کو بے حیائی اور منکرات سے روکتی ہے۔ یعنی نماز پڑھنے سے آدمی کے دل و دماغ میں ایسی نورانیت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاصی اور گناہوں کا جذبہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (سورۃ عنکبوت) کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکنے والی ہے۔

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تو سو فی صد درست ہے اس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں ہے۔ ہماری نمازیں اگر برائی اور بے حیائی سے رکاوٹ نہیں بن رہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نماز حقیقی نماز نہیں ہے۔ اس میں کمزوری اور نقص ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک خوبرو عورت مسجد میں نماز

پڑھنے جایا کرتی تھی۔ ایک نوجوان اس پر فریفتہ ہو گیا اور روزانہ اس کے راستے میں کھڑا ہونے لگا۔ آخر ایک دن موقعہ پا کر اس نوجوان نے اپنا مدعا بیان کر دیا۔ اس پاک دامن عورت نے جواباً کہا کہ ایک شرط ہے اگر وہ پوری کر دے تو شاید تیرا مدعا پورا ہو جائے۔ نوجوان بولا ایک شرط کیا؟ آپ دس شرطیں بتائیں میں حاضر ہوں۔ عورت کہنے لگی شرط صرف یہ ہے کہ تجھے چالیس دن تک بلا ناغہ مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھنا ہو گی۔ نوجوان نے حامی بھر لی اور باقاعدگی سے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ کچھ دن تک تو وہ اس عورت کی طرف دیکھتا رہا مگر بعد میں اس نے توجہ دینا چھوڑ دی۔

جب چالیس دن پورے ہونے کو آئے تو اس عورت نے ایک دن اسے کہا کہ اب چالیس دن پورے ہونے والے ہیں۔ نوجوان بولا اب مجھے تیری ضرورت نہیں ہے اب میرا تعلق اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ قائم ہو چکا ہے۔ جو لذت و سرور مجھے اپنے اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے ملا ہے اس سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی دولت نہیں ہے۔ لہٰذا اب مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔

بعد ازاں اس عورت نے اس سارے واقعہ سے اپنے خاوند کو مطلع کیا۔ وہ بڑا حیران ہوا اور پھر اس نے ایک دن اسی واقعہ کا تذکرہ دربار خلافت میں جا کر سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپؓ نے فرمایا کہ یہی بات تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرما دی ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

☆ نمازی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ دوران نماز گویا اپنے اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کی نماز سے خوش ہو کر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا

ہے۔ نمازی جب کہتا ہے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ نمازی کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری ثناء کی ہے۔ نمازی کہتا ہے مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ پھر نمازی کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھٰذَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَ عَبْدِیْ یہ میرے اور میرے بندے کے باہمی تعلق کا بیان ہے۔ پھر نمازی کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھٰذَا لِعَبْدِیْ وَ لِعَبْدِیْ مَاسَأَلَ یہ میرے بندے نے مجھ سے اپنے لیے مانگا ہے اور میں نے اپنے بندے کی دعاء کو قبول فرمالیا ہے۔

☆ قیامت والے دن جب میدان محشر میں انتہائی قسم کی گرمی ہوگی، سورج انتہائی قریب آ جائے گا اور لوگ اپنے ہی پسینہ میں غرق ہوں گے تو بعض خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کے عرش کے نیچے جگہ ملے گی یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّاظِلُّہٗ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے ایک آدمی وہ بھی ہوگا رَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ کہ جس کا دل مسجد کے ساتھ اٹکا ہوا ہوگا۔ ایک نماز ادا کی دوسری کی فکر میں لگ گیا۔ زیادہ آنا جانا مسجد ہی کی طرف رہا۔

ایک نماز کی قیمت:

فتح خیبر کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت لگا۔ اور لوگ اپنا متفرق سامان نکال کر خرید و فروخت کرنے لگے اور ہر شخص اپنی ضروریات خریدنے لگا۔ صحابہؓ میں سے ایک شخص نے اس موقع پر تجارت کی اور خوب نفع کمایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ یَا رَسُوْلَ

﴿لَقَدْ رَبِحْتُ رِبْحًا مَارَبِحَ الْيَوْمَ مِثْلَهٗ اَحَدٌ﴾ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آج جتنا نفع میں نے کمایا ہے اس پوری وادی میں اتنا نفع کسی نے نہ کمایا ہو گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوال فرمایاؤ مَارَبِحْتَ تو نے کتنا نفع کمایا؟ تو وہ کہنے لگا مجھے تین سو اوقیہ چاندی نفع میں بچی ہے۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسا شخص نہ بتاؤں جس نے محنت تو تھوڑی کی اور اس سے بھی زیادہ نفع کما لیا؟ وہ عرض کرنے لگا ضرور فرمائیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا جس نے فرض نماز کے بعد دو نفل پڑھ لیے اس نے تجھ سے بھی زیادہ نفع کمایا ہے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں جب دو نفل کی اتنی بڑی قیمت ہے تو فرضوں کی کتنی قیمت ہوگی؟

☆ نماز تو اپنی جگہ! نماز کی خاطر وضو کرنا اور نماز کی خاطر مسجد کی طرف قدم اٹھانا اس کا اجر وثواب اتنا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ وضو کرنے والا جن جن اعضاء کو دھوتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ان اعضاء سے صادر ہونے والے گناہوں کو معاف کرتا جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کے گناہ آنکھ کان اور زبان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حَتّٰی تَحْتَ اَظْفَارِہٖ یہاں تک کہ اگر کوئی گناہ اس کے ناخنوں کے نیچے چھپا ہوا ہے تو وہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک موقع پر صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ قیامت کے دن آپؐ اپنے ان امتیوں کو جن کو آپ نے دیکھا نہیں کس طرح پہچان لیں گے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پنج کلیان گھوڑے ہوں اور وہ کسی دوسرے شخص کے سیاہ مشکی گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں

کو پہچان لے گا؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ ان کی علامت کی وجہ سے انہیں پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فَاِنَّھُمْ یَاْتُوْنَ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ وَ اَنَا فَرَطُھُمْ عَلَی الْحَوْضِ کہ اس طرح میرے وہ امتی قیامت کے دن ایسے حال میں میرے پاس آئیں گے کہ ان کے اعضاء وضوء روشن اور منور ہوں گے۔ اور میں ان کا استقبال حوض کوثر پر کھڑا ہو کر کروں گا (مسلم)۔

☆ ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا بَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ فِی الظُّلَمِ اِلَی الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (ابن ماجہ) کہ جو لوگ اندھیرے میں مسجد کی طرف جاتے رہتے ہیں انہیں قیامت کے دن پورے پورے نور کی خوشخبری سنا دو۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے۔

بعض احادیث میں ہے کہ جو شخص جتنا مسجد سے دور ہوگا اسے مسجد میں آنے کا اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا یعنی ہر ہر قدم پر اجر و ثواب ملے گا۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں جب نماز کے لیے قدم اٹھانے اور وضوء کرنے کا اتنا بڑا اجر ہے تو نماز پڑھنے کا اجر و ثواب کتنا ہوگا؟

صحابہ کرامؓ کا شوقِ نماز:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے قُمْ یَا بِلَالُ اَرِحْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ اے بلال اٹھ اور نماز کے لیے اذان کہہ کر مجھے راحت پہنچا۔

☆ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر جب ایک مجوسی نے قاتلانہ حملہ کیا تو آپؓ شدید زخمی ہو گئے۔ آپؓ کا پیٹ اس حد تک چاک ہو گیا کہ جو غذا بھی دی جاتی تھی باہر آ جاتی تھی۔ آپ پر بار بار غشی آ جاتی تھی اور آپ نماز پڑھنے کے قابل نہ

رہے۔ اس موقعہ پر آپؓ نے بڑی حسرت و افسوس کے ساتھ ارشاد فرمایا لَا حَظَّ لِي الْحَيَاتِ وَ قَدْ عَجَزْتُ عَنِ الصَّلٰوةِ کہ جب میں نماز سے محروم ہو گیا تو زندگی کا مزہ ہی ختم ہو گیا۔

☆ حضرت سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو ایک موقعہ پر مشرکین مکہ نے دھوکہ سے گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں ان کو حارث کے لڑکوں کے ہاتھ اس لیے فروخت کر دیا کہ وہ انہیں اپنے باپ کے قتل کے بدلہ میں جسے حضرت خبیب نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا قتل کریں۔ بعد ازاں وہ لوگ آپؓ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر لائے۔ پھر آپؓ کو سولی پر لٹکانے کے وقت آخری خواہش کے طور پر انہوں نے پوچھا کہ کوئی تمنا ہو تو بتاؤ! آپؓ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ کے حضور کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ چنانچہ آپؓ نے اس آخری وقت اللہ کے حضور کھڑے ہو کر دو رکعات ذرا عجلت سے مکمل فرمائیں اور پھر ارشاد فرمایا لَوْلَا اَنْ تَظُنُّوْا بِي خَشْيَةَ الْمَوْتِ لَاَطَلْتُهَا اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم لوگ کہو گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی موت سے ڈر گیا ہے تو میں ان رکعتوں کو اور زیادہ طویل کرتا۔

☆ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دو صحابہ حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ کو رات کے وقت دشمن کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمارؓ مہاجر تھے اور حضرت عبادؓ انصاری۔ دونوں حضرات نے طے شدہ جگہ پر جا کر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ انصاری نے مہاجر سے کہا کہ بہتر ہے کہ رات کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں ایک حصہ میں آپ آرام کر لیں اور میں جاگتا رہوں گا دوسرے حصے میں آپ جاگ لیں میں نیند پوری کر لوں گا۔ اگر کوئی خطرہ وغیرہ درپیش ہوا تو دوسرے ساتھی کو جگا لیں گے۔

چنانچہ رات کا پہلا حصہ انصاری کے جاگنے کا قرار پایا اور مہاجر سو گئے۔
انصاری نے سوچا کہ جاگنا تو بہر حال ہے۔ بہتر ہے نوافل پڑھنا شروع کر دوں! وضو کر کے نماز کی نیت باندھ لی۔ دشمن نے دور سے دیکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی کھڑا ہے۔ شاید آدمی ہے یا کوئی درخت کا تنا ہے۔ دشمن نے تیر مارا اور وہ تیر سیدھا انصاری صحابی کے بدن میں آ کر گھس گیا۔ جب کوئی حرکت نہ ہوئی تو دشمن نے دوسرا تیر پھینکا وہ بھی آ کر ٹھیک سے ان کے بدن میں گھس گیا۔ پھر تیسرا تیر آیا وہ بھی جسم میں پیوست ہو گیا اور یہ برابر کھڑے نماز پڑھتے رہے پھر بڑے اطمینان سے نماز مکمل کر کے اپنے ساتھی کو جگایا اس نے جب آپ کو خون میں لت پت دیکھا تو حیران ہو کر بولا کہ آخر اتنے نازک مرحلے پر تم نے مجھے کیوں نہ جگایا اور نماز کو مختصر کیوں نہ کر دیا؟ انصاری نے جواب دیا کہ دراصل میں نے نماز میں سورۃ کہف شروع کر رکھی تھی میرا دل نہ چاہا کہ اس سورۃ کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کر لوں۔ اور اب بھی تجھے اس اندیشہ سے جگایا ہے کہ مبادا مر جاؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتثال امر میں کوتاہی ہو جائے۔ (ابوداؤد)

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مایہ ناز صحابی حضرت ابوطلحہؓ ایک دفعہ اپنے ایک پسندیدہ باغ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ کا باغ اتنا گنجان تھا کہ ایک پرندہ جب باغ کے درختوں میں آ گیا تو اس کو نکلنے کا راستہ نہ مل سکا۔ پرندہ کبھی ادھر جاتا اور کبھی ادھر۔ آپ نے حالت نماز میں جب یہ منظر دیکھا تو خیال ادھر چلا گیا اور نماز کی رکعات بھول گئے۔

بعد ازاں آپؓ کو انتہائی ندامت ہوئی کہ اس باغ کی خوبصورتی کی وجہ سے میری توجہ بارگاہ ایزدی سے ہٹ گئی۔ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے لَئِنْ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کہ تم اس وقت تک نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک اپنی محبوب چیزیں اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرو۔ تو یہ باغ مجھے اپنے سارے اموال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے۔ آپ گواہ رہیں کہ میں نے یہ سارا باغ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کر دیا۔ (بخاری شریف)

گرامی قدر سامعین! توجہ فرمائیں کہ صحابہ کرامؓ کے دل میں نماز کی کتنی قدر و قیمت تھی اور کس طرح انہوں نے نماز کے پیچھے جان و مال قربان کر دیے۔

نماز چھوڑنے کا نقصان:

نماز کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس کی نماز رہ گئی اس کا اتنا نقصان ہوا كَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَ مَالُهٗ گویا کہ اس کے سب گھر والے اور اس کا سب مال و متاع اس سے چھن گیا۔

☆ غزوہ احزاب کے موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نمازیں قضاء ہوئیں تو آپ کو ان کا اتنا دکھ ہوا کہ آپ نے ان کفار کو بددعاء دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مَلَأَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَ قُبُوْرَهُمْ نَارًا قَدْ شَغَلُوْنِيْ عَنِ الصَّلٰوةِ کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ ان کی وجہ سے میری نماز رہ گئی۔

☆ اسی لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات کے وقت خصوصی طور پر نماز کی وصیت فرمائی۔ آپ بار بار اعلان فرماتے رہے اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کہ لوگو! نماز کا خیال رکھنا' نماز کا خیال رکھنا اور اپنے غلاموں کا بھی خیال رکھنا۔

☆ آپ نے ایک موقعہ پر یہ بھی ارشاد فرمایا لَا تَتْرُكُوا الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا

فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ (الطبرانی) کہ جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑو۔ جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کر دے وہ ملت اسلامیہ سے نکل گیا۔ یعنی اس کا اسلام اور اہل اسلام کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆ ایک موقعہ پر فرمایا لَا سَهْمَ فِي الْإِسْلَامِ لِمَنْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ کہ جس کی نماز نہیں ہے اسکا اسلام میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (مسلم) کہ بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے کا ہی تو فاصلہ ہے۔ یعنی نماز ترک کر دینے والا کفر تک پہنچ جاتا ہے۔

اوّلین حساب:

ایک موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سے سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں سوال کیا جائیگا وہ نماز ہوگی فَإِنْ صَلُحَتْ وَ قَدْ اَفْلَحَ وَ اَنْجَحَ اگر نمازوں کا معاملہ درست نکل آیا تو یقیناً وہ آدمی بامراد ہو کر کامیاب و کامران ہوگا۔ وَ اِنْ فَسَدَتْ خَابَ وَ خَسِرَ اور اگر نماز میں کوئی گڑ بڑ نکل آئی تو یقیناً وہ آدمی نامراد ہو کر خائب و خاسر ہوگا۔

روز محشر کہ جاں گداز بود اولیں پرسش نماز بود

خدانخواستہ قیامت کے دن اگر نمازوں میں کوئی کمی پائی گئی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرمائیں گے اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ کہ دیکھو کیا میرے بندے کے کھاتے میں کچھ نوافل ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے ہاں باری تعالیٰ نوافل موجود ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے نوافل کو فرضوں کے پلڑے میں رکھ کر تولو! اس طرح اس شخص کی نمازوں کی کمی کو پورا کر کے اسے جنت کا

مژدہ سنایا جائیگا۔

نماز کا انجام:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی ایک خاص قسم کی تجلی ظاہر فرمائیں گے جسے قرآن پاک میں کشف ساق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔اس دن بے نماز لوگوں کا حال دیدنی ہو گا۔ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الخ جس دن ساق کی تجلی فرمائی جائے گی اور لوگوں کو سجدہ کی طرف بلایا جائیگا۔تو اس تجلی کو دیکھ کر تمام مؤمنین و مومنات سجدہ میں گر جائیں گے۔مگر منافق اور کافر قسم کے لوگ ہرگز سجدہ نہ کر سکیں گے' ان کی کمر تختہ کی سے ہو جائے گی۔ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَ قَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَ هُمْ سَالِمُوْنَ (القلم) ان کی آنکھیں شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔اس وجہ سے کہ دنیا میں وہ لوگ سجدہ (نماز) کی طرف بلائے جایا کرتے تھے حالانکہ وہاں صحیح و سالم تھے۔

یعنی جن لوگوں نے دنیا میں نماز نہیں پڑھی یا ریاکاری کے طور پر پڑھی تو قیامت کے روز وہ اللہ کی جلالت شان دیکھ کر اگر سجدہ کرنا بھی چاہیں گے تو نہ کر سکیں گے اور یوں ابدی ذلت و رسوائی کے حق دار ہو کر جہنم رسید ہو جائیں گے۔

☆ حدیث پاک میں ہے کہ صرف ایک نماز کے چھوڑنے کی وجہ سے آدمی کو ایک حقبہ تک جہنم میں رہ کر اس کی سزائیں بھگتنا پڑیں گی۔ وَالْحُقْبُ ثَمَانُوْنَ سَنَةً اور حقبہ اسی سال کا ہوتا ہے وَالسَّنَةُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّوْنَ يَوْمًا اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے۔اور قیامت کا ایک دن کتنا ہوگا؟ كُلُّ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ اَلْفَ سَنَةٍ ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔اس طرح ایک حقبہ دو کروڑ اٹھاسی لاکھ سال کے برابر بنتا ہے گویا ایک نماز چھوڑنے کی وجہ سے اتنی

مدت تک جہنم میں رہنا ہوگا۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا).

☆ قرآن مجید میں ہے کہ جب اہل جنت اور اہل جہنم کا باہمی مکالمہ ہوگا تو اہل جنت اپنے واقف کار جہنمیوں سے سوال کریں گے مَاسَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ؟ کہ تمہیں جہنم میں کس چیز نے پہنچا دیا؟ وہ جہنمی جواب دیں گے لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ (المدثر) کہ نہ تو ہم نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ یعنی ان کے جہنم میں جانے کے بنیادی اسباب میں سے سب سے بڑا سبب یہ ہوگا کہ وہ نماز نہیں پڑھتے ہونگے۔

☆ بعض احادیث میں یہ بھی وارد ہے کہ صرف ایک نماز بھی قضاء کرنے والے کا نام جہنم کے دروازے پر لکھ دیا جاتا ہے۔ یعنی اسے ضرور بالضرور جہنم کی سزا بھگتنا ہوگی۔ (اَعَاذَنَااللّٰہُ مِنْھَا)

آدابِ نماز:

گرامی قدر سامعین! نماز کے بغیر تو چارہ کار نہیں ہے۔ ہر صورت میں لازماً پڑھنی ہے۔ جب پڑھنی ہی ہے تو پھر اس کے آداب کا بھی خیال رکھنا چاہیے اور جس طرح اس کے ادا کرنے کا حق ہے اس طرح ادا کرنی چاہیے۔

☆ حدیث پاک میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَۃً اَلَّذِیْ یَسْرِقُ صَلٰوتَہٗ کہ تمام چوروں میں سے بدترین چور وہ ہے جو نماز سے بھی چوری کرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَسْرِقُ صَلٰوتَہٗ؟ نماز میں سے کس طرح چوری کرتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا لَا یُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَا سُجُوْدَھَا کہ اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔

☆ اسی لیے نمازی کو ملنے والے اجر و ثواب میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ پیغمبر

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بعض نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں تو ان کو اس کے اجر وثواب کا محض دسواں حصہ ملتا ہے۔ بعض کو نواں حصہ، بعض کو آٹھواں اور بعض کو ساتواں علیٰ ہذا القیاس (ابوداؤد) مطلب یہ کہ جس قدر نماز کے آداب کا خیال رکھا جائے گا اسی قدر اجر وثواب ملے گا۔ یقیناً بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو پورا اجر مل جاتا ہے اور بعض بدنصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو کچھ بھی اجر وثواب نہیں ملتا۔

☆ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا آپ نے دیکھا کہ وہ تعدیل ارکان کا خیال نہیں رکھ رہا۔ نماز سے فارغ ہو کر جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے ارشاد فرمایا اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ واپس جا کر دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی۔ اس نے دوبارہ پڑھی تو آپ نے پھر فرمایا کہ جا کر از سر نو نماز پڑھ۔ تین چار دفعہ اس طرح فرمانے کے بعد وہ شخص عرض کرنے لگا وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اُحْسِنُ غَیْرَہٗ فَعَلِّمْنِیْ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کے سر پر نبوت کا تاج سجایا میں اس سے بہتر انداز اختیار نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے صحیح طریقہ ارشاد فرمائیں۔ پھر آپ نے اسے نماز کے صحیح طریقہ اور آداب نماز سے آگاہ فرمایا۔ (بخاری)

☆ نماز کے آداب کا خیال نہ رکھنے والے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّ الرَّجُلَ لَیُصَلِّیْ سِتُّوْنَ سَنَةً وَمَا لَهٗ مِنْ صَلٰوۃٍ (کتاب الصلوٰۃ ابن قیم) کہ بعض نمازی ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساٹھ ساٹھ سال تک برابر نماز پڑھتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے کاغذوں میں وہ نمازی نہیں لکھے جاتے۔ مطلب یہی ہے کہ وہ آداب نماز کا خیال نہیں رکھتے۔ رکوع وسجود کو ٹھیک طرح ادا نہیں کرتے۔

نماز کی بد دُعاء:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ نماز اگر اپنے وقت پر پورے آداب کا خیال رکھ کر پڑھی جائے۔ خَرَجَتْ وَهِيَ بَيْضَاءُ مُسْفِرَةٌ تو وہ نماز انتہائی روشن اور چمکدار ہو کر نکلتی ہے اور وہ اس نمازی کو دعاء دیتی ہوئی کہتی ہے حَفِظَكَ اللهُ كَمَا حَفِظْتَنِي کہ اللہ تعالیٰ تیری بھی اسی طرح حفاظت فرمائے جس طرح تو نے میری حفاظت فرمائی۔ اور اگر خدانخواستہ وہ نماز بگاڑ کر پڑھی جائے' وضو میں کمی رہ جائے۔ یا وقت کا خیال نہ رکھا جائے' رکوع وسجود میں اعتدال نہ کیا جائے تو وہ نماز خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَةٌ انتہائی سیاہ اور بدصورت ہو کر نکلتی ہے۔ اور اس نمازی کو بد دعاء دیتے ہوئے کہتی ہے ضَيَّعَكَ اللهُ كَمَا ضَيَّعْتَنِي کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی اسی طرح برباد کرے جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے۔ حتیٰ کہ پھر وہ نماز ایک پرانے اور بدبودار کپڑے کی طرح لپٹ کر اس نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہے کہ ہمیں تیری اس نماز کی کوئی ضرورت نہیں ہے اسے اپنے پاس رکھو۔ (الطبرانی)

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ اگر صحیح انداز میں دو رکعت پڑھ لی جائیں تو انکا بھی اتنا اجر وثواب ملتا ہے وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ کہ اس نمازی کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح انداز میں نماز پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

نماز کی حقیقت:

گرامی قدر سامعین! اگر غور فرمائیں تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ نماز کی حقیقت تین چیزوں پر موقوف ہے اور جب تک یہ تینوں چیزیں درست نہ ہوں

صحیح نہیں ہوسکتی۔ (۱) اذکارِ نماز۔ (۲) ھیئات نماز۔ (۳) روح نماز۔

اذکار نماز سے مراد وہ الفاظ ہیں جو ہم زبان سے ادا کرتے ہیں۔ ان کا درست ہونا ضروری ہے۔ ان میں اگر غلطی ہے تو نماز نماز نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم نماز کے الفاظ درست کریں اور ان میں زبر زیر کی غلطی بھی نہ ہو۔

ھیئاتِ نماز سے مراد ہمارے جسم کی وہ شکلیں ہیں جو ہم اپنی نماز میں بناتے ہیں۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانا' پھر ہاتھ باندھنا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور التحیات بیٹھنا وغیرہ۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے جسم کی یہ شکلیں بھی سنت کے مطابق بنائیں۔ اگر یہ شکلیں خدانخواستہ سنت نبوی کے مطابق نہ ہوں تو بھی نماز درست نہ ہوگی اور اگر درست نہ ہو تو قبول کس طرح ہوسکتی ہے؟

روح نماز سے مراد ہمارے قلب کی کیفیت ہے کہ دل ماسوی اللہ سے یکسر خالی ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے احساس سے معمور ہو۔ یعنی جس طرح جسم کا رخ بیت اللہ کی طرف کیا جاتا ہے اسی طرح دل کا رخ اللہ کی طرف ہونا چاہیے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حالت نماز میں ہماری زبان' ہمارے اعضاء و جوارح اور ہمارے قلب سے جو کچھ صادر ہو وہ سنت نبوی کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر یہ تینوں باتیں درست ہو جائیں تو تب ہی ہم اپنی نماز کو نماز کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

☆ اور ان سب کی روح اور جان حضور قلب ہے۔ جسے علماء کرام خشوع کا نام بھی دیتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ خشوع کی دولت بالکل حاصل نہ ہو اور ساری نماز محض غفلت اور بے خبری میں پوری ہو جائے تو یہ نماز ایک بے جان جسم کی مانند ہوگی۔

بعض ائمہ دین نے تو صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ جو نماز خشوع سے خالی ہو وہ نماز ہوتی ہی نہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں مَنْ لَمْ یَخْشَعْ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ کہ جس کی نماز خشوع سے خالی رہی اس کی نماز فاسد ہے۔ قرآن مجید کے اندر بھی اسی نماز کو کامیابی وفلاح کا ذریعہ بتایا گیا ہے جو خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کی گئی ہو قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون) کہ وہ مومنین کامیاب و بامراد ہیں جو اپنی نمازیں خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل فرمایا فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلٰوتِهِمْ سَاهُوْنَ (الماعون) کہ بڑی خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل اور بے خبر ہیں۔

علماء کرام نے نماز کی حقیقت سمجھاتے ہوئے جسم انسانی کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جس طرح جسم انسانی بہت سے اَجزا کا مجموعہ ہے اس میں سب سے اہم چیز روح اور جان ہے جو اگر چہ ہمیں نظر نہیں آتی مگر جسم انسانی کا سارا دارومدار اسی پر ہے۔ بعض اعضاء رئیسہ ہیں کہ ان میں سے اگر ایک بھی جاتا رہے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا جیسے دل۔ دماغ۔ جگر وغیرہ۔

بعض اعضاء ایسے ہیں کہ اگر چہ ان پر انسانی زندگی تو موقوف نہیں مگر پھر بھی ان کی غیر معمولی اہمیت ہے ان میں سے کوئی ایک بھی ماؤف ہو جائے تو جسم انسانی کا بہت بڑا نقصان ہو جاتا ہے۔ جیسے بازو پاؤں وغیرہ۔ بعض اعضاء ایسے ہیں کہ جن کے ہونے نہ ہونے سے انسانی زندگی پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا مگر وجود انسانی کی خوبصورتی اور کمال حسن میں ان کو بہت بڑا دخل ہے جیسے داڑھی۔ پلکیں اور ناک کان کا خارجی حصہ وغیرہ۔

اسی طرح نماز کے بھی بہت سے اجزاء ہیں۔ خشوع وخضوع کی کیفیت

اس کی روح اور جان ہے جس پر اس کا اصل دارومدار ہے۔
فرائض نماز (قیام۔ قرأت۔ رکوع وسجود وغیرہ) اس کے اعضاء رئیسہ ہیں کہ ان میں سے ایک بھی رہ جائے تو نماز باقی نہ رہے گی۔
واجبات نماز اس کے ایسے اعضاء ضروریہ ہیں کہ کسی ایک کے رہ جانے سے نماز ناقص اور ادھوری رہ جائے گی۔
سنن ومستحبات کو اس کی خوبصورتی اور کمال حسن میں بہت بڑا دخل ہے کہ ان میں سے کوئی رہ جائے تو نماز کا اکمال واتمام ختم ہو جائے گا۔
فقہاء کرام رحمہم اللہ چونکہ اپنی کتب میں ظاہری اعمال وشرائط پر بحث کرتے ہیں۔ اخلاص واحتساب اور حضور قلب ان کا موضوع نہیں ہے اس لیے فقہ کی کتب میں خشوع وخضوع جیسی باطنی کیفیات کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے ان کے غیر اہم ہونے کا دھوکہ نہ لگنا چاہیے۔ اعمال کا یہ باطنی پہلو اصحاب دل کے فن کی چیز ہے۔ اس لیے یہ چیز ان کی کتب اور ان کی صحبت سے ہی ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل دل سے وابستگی نصیب فرمائے۔ آمین

خُشوع کا طریقہ:

نماز میں خیالات ووساوس کا آنا ہمارے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بعض حضرات تو اس وہم کا شکار ہو کر کہ اس طرح ہماری نماز بالکل فاسد اور خراب ہو جاتی ہے نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔
اس کے بارے میں عرض ہے کہ ایسے وہم میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ہمیں اپنی طرف سے تو اس کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ نماز میں بیرونی خیالات نہ آئیں۔ لیکن اس کے باوجود جو خیالات آپ سے آپ آجائیں اور ان کے لانے میں ہمارے ارادہ اور اختیار کو کچھ بھی دخل نہ ہو ان کے بارے میں پریشان ہونے

کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالی یقیناً معاف فرما دے گا۔ اور انہی کی معافی طلب کرتے ہوئے ہم نماز کے بعد أَسْتَغْفِرُ اللهَ پڑھتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ خیالات کا آنا اور چیز ہے لانا اور چیز ہے۔ (اللہ تعالی ہمیں دونوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین)

علماء کرام نے ان خیالات کے دفعیہ اور خشوع وخضوع کے حصول کے لیے کچھ تراکیب بیان فرمائی ہیں۔

۱) اولاً یہ کہ نمازی اللہ تعالی کی موجودگی کا دھیان اور احساس کرے کہ گویا میرا مالک میرے سامنے موجود ہے۔ میں کون ہوں؟ کس کے سامنے کھڑا ہوں؟ کیوں کھڑا ہوں؟ یعنی اللہ تعالی کی بے انتہاء عظمت اور اس کی کبریائی کا تصور کرتے ہوئے اپنی ذلت ومسکنت و بے چارگی کو مدنظر رکھے۔ یوں سمجھے جیسے ایک بھاگا ہوا خطار کار غلام اپنے محسن آقا کے سامنے معافی مانگنے کے لیے لرزاں و ترساں کھڑا ہے۔

پھر اس خیال سے اللہ تعالی کی ثناء اور حمد پڑھے کہ وہ میری گزارشات کو اپنی خاص شان کریمی سے سن رہا ہے اور میری طرف متوجہ ہے۔ اور میری ہر بات کا جواب بھی دے رہا ہے۔ پھر جب رکوع میں جاتے ہوئے سر نیاز اس کے سامنے جھکائے تو اس کی بے پایاں جلالت وعظمت اور اپنی ذلت وحقارت کو مدنظر رکھے۔ سجدہ میں جاتے ہوئے اپنے جسم کا سب سے اعلی اور اشرف حصہ (چہرہ) زمین پر رکھے تو اس کے جلال و جبروت سے دل لبریز ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو ایک عبد ذلیل اور خاک پر پڑا ہوا ایک کیڑا سمجھتے ہوئے اپنی زبان سے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى کہے۔ اسی طرح التحیات میں بیٹھے تو پورے ادب و انکساری کے

ساتھ بیٹھ کر تشہد اور درود شریف پڑھے۔ پھر آخر میں انتہائی دل شکستگی کی کیفیت پیدا کر کے انتہائی الحاح اور تضرع سے اس کی بارگاہ میں دعاء واستغفار کرے پھر سلام پھیرے تو اس خیال سے کہ گویا کسی دوسرے عالم میں تھا اور اختتام نماز پر گویا اس عالم سے واپس آ گیا ہے۔

گرامی قدر سامعین! اگر ایسے تصورات سے دل معمور رہے تو یقیناً شیطانی حملے پسپا ہو جائیں گے اور دنیاوی وساوس وخیالات سے چھٹکارا مل جائے گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر احسان واخلاص کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کہ عبادت گزار کے دل میں اللہ تعالیٰ کا دھیان اور استحضار اتنا ہونا چاہیے کہ گویا وہ اپنے مالک کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر اخلاص کا یہ اعلیٰ درجہ میسر نہ ہو سکے تو کم از کم ادنیٰ درجہ ضرور حاصل ہونا چاہیے فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ کہ میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے سامنے کھڑا ہوں۔ یقیناً ایسے تصور سے نماز کے اندر خشوع وخضوع پیدا ہوگا۔

ب) پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ایک صحابی کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ (مشکوٰۃ) کہ نماز پڑھتے ہوئے یہ احساس دامن گیر رہے کہ گویا یہ میری آخری نماز ہے۔ زندگی کا کیا پتہ کب ختم ہو جائے؟ اس لیے ہر نماز کے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ شاید یہ میری زندگی کی آخری نماز ہو۔ اس خیال سے بھی ان شاء اللہ تعالیٰ نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہوگا۔

ج) علماء کرام نے ایک ترکیب یہ ارشاد فرمائی ہے کہ نمازی جو کچھ اپنی زبان سے کہہ رہا ہے اس کا مطلب اور معنیٰ اس کے ذہن میں مستحضر ہو۔ یعنی جو الفاظ وہ زبان سے ادا کر رہا ہے ان کے ترجمہ کا خیال ذہن میں لاتا رہے۔ اس طرح اس

کا ذہن شیطانی وساوس سے محفوظ ہو کر معانی نماز کی طرف معروف رہے گا۔ نیز اسے یہ بھی پتہ چلتا رہے گا کہ میں اپنے مالک و معبود سے کیا عرض کر رہا ہوں؟ اس ترکیب سے حضور قلب میں بھی بڑی مدد ملے گی۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب نمازی کو نماز کا پورا ترجمہ یاد ہو۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ نماز کا ترجمہ یاد کریں۔

یاد رکھیے! جو لوگ بے سمجھے بوجھے نماز پڑھتے ہیں ان سے فرض تو بہر حال ادا ہو جاتا ہے مگر انکی نماز انتہائی کم درجہ کی نماز گنی جاتی ہے۔ اس میں وہ خاص نورانیت نہیں ہوتی جو معنی اور مطلب سمجھ کر پڑھنے میں ہوتی ہے۔

(د) نماز کی تکمیل و ترقی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کی جائے اور ان کی نمازوں کو دیکھا جائے۔ صالح آدمی کی صحبت و سنگت کا ایک خاص نور ہوتا ہے اور یقیناً وہ نور تصفیہ قلب میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے اہل اللہ کی صحبت اور ان سے نسبت ضروری ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ہمیں صحیح اور کامل نماز پڑھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ اور ہماری کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۲:- اَمر بالمعروف و نهی عن المنکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (سورۃ آل عمران) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! نیکی اور بدی کا سلسلہ روز ازل سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دونوں قسم کے جذبات رکھ کر اسے امتحاناً دنیا میں بھیجا ہے۔ چاہے تو نیکی کا راستہ اختیار کر کے جنت کو پالے اور چاہے تو برائی کا راستہ اختیار کر کے جہنم میں جگہ بنالے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر قربان جائیں کہ اس نے انسان کی پیدائش سے پہلے عالم ارواح میں ہی اس کے فطرت میں نیکی کا بیج بو دیا۔ اور اس سے اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا عہد لے کر اسے فطرت صحیحہ پر پیدا فرمایا۔ پھر محض اس وعدے پر ہی اکتفاء کر کے اسے دنیا میں نہیں بھیجا بلکہ اسے سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے مالا مال کر کے آیات کائنات کی کتاب اس کے سامنے رکھ دی کہ معمولی سا بھی غور وفکر کر کے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچان سکے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں فرمائی وعدہ الست کی یاد دھانی کے لیے انبیاء ورسل کا نظام قائم فرمایا۔

چنانچہ تمام انبیاء کرامؑ اپنے اپنے دور اور علاقہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ نبوت و رسالت کا یہ سنہری سلسلہ حضرت

آدم علیہ السلامؑ سے شروع ہو کر بالآخر جب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر اختتام پذیر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت (امت محمدیہ) کو یہ شرف بخشا کہ ان کے سر پر خیر امت کا تاج سجا کر امر بالمعروف اور نہی المنکر کی یہ عظیم ذمہ داری ان کو سونپ دی کہ اب پورے عالم کو نیکی کی طرف بلانا اور برائی سے منع کرنا تمہارا کام ہے۔

خَیرِ امت کیوں؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خیر امم کا جو لقب عطاء فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ (سورہ آل عمران) کہ تم ایک بہترین امت ہو کہ لوگوں کی نفع رسانی کے لیے نکالے گئے ہو تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہو۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں اللہ تعالیٰ نے یہاں خیر امت ہونے کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو۔ یعنی اس خوبی اور خصوصیت کی وجہ سے تمہیں بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ ہماری یہ خوبی اور وصف معدوم ہو جائے تو ہم خیر امت کیسے کہلا سکتے ہیں؟

گرامی قدر سامعین! سوچنے والی بات ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے عام اسلوب سے ہٹ کر ایمان کا ذکر مؤخر فرمایا ہے۔ حالانکہ حق یہ تھا کہ ایمان کا ذکر مقدم رکھا جاتا۔ علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ایمان میں دوسری امتیں بھی شریک تھیں۔ اس امت محمدیہ کی خاص خوبی اور خصوصیت امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر ہی ہے اس لیے اس کا ذکر ایمان سے بھی پہلے فرمایا گیا ہے۔

قرآنی شہادت:

گرامی قدر سامعین! امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا اس کی فضیلت اور تاکید بیان فرمائی ہے۔

☆ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (سورۃ آل عمران) کہ تمہارے اندر ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امت کے اندر ایک ایسا طبقہ ضرور ہونا چاہیے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے۔ اور بحمد اللہ علماء اور مبلغین اور نیک حکومتیں اپنے اس فریضہ سے غافل نہیں ہیں۔

☆ سورۃ العصر کے اندر اللہ تعالیٰ نے نجات کے اصول اربعہ بیان فرمائے ہیں۔ تو ایمان اور اعمال صالحہ کے بعد تیسرا اصول یہی بیان فرمایا ہے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کہ وہ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور تلقین کرتے ہیں۔ مراد یہی ہے کہ خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی فکر کرتے ہیں اور انہیں بھی نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بڑے خوبصورت انداز میں ایک مختصر سا واقعہ بیان فرمایا ہے۔

صاحبدلے بمدرسہ آمد زخانقاہے　　بشکست عہد صحبت اہل طریق را

ایک آدمی خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسہ میں آ گیا۔ یعنی تخلیہ اور انفرادی عبادت

کی بجائے تعلیم وتعلم کو اپنا لیا۔ اور اہل طریقت سے اپنا رشتہ توڑ کر اہل علم کے ساتھ جوڑ لیا۔

گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود تا کردی اختیار ازاں ایں فریق را

تو میں نے اس سے پوچھا کہ ایک عالم اور عابد میں کیا فرق تھا کہ تو نے عابد کی صحبت ترک کر کے عالم کی صحبت اختیار کر لی۔

بگفت آن گلیم خویش بدرے بردز موج ویں جہدے کند کہ گیرد غریق را

تو وہ کہنے لگا کہ وہ عابد محض اپنی گودڑی کو دریا کی موجوں سے بچانے کی فکر میں ہوتا ہے اور یہ عالم اس فکر میں ہوتا ہے کہ دوسرے ڈوبتے ہوؤں کو بھی بچائے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں حضرت شیخ ؒ نے کس خوش اسلوبی سے خانقاہ و مدرسہ اور عالم و عابد کا فرق واضح فرما دیا۔

☆ حضرت لقمان علیہ السلام نے کسی موقعہ پر اپنے بیٹے کو چند نصیحتیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی وہ نصیحتیں اتنی پسند آئیں کہ پیغمبر آخرالزمان ﷺ پر انہیں قرآن بنا کر نازل فرما دیا اور امت محمدیہ کے لیے دستور العمل بنا دیا۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ (سورۃ لقمان) کہ اے میرے پیارے بیٹے نماز پڑھا کر اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر۔

☆ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے ان کی چند خوبیوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُہُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ کہ مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور دوست ہوتے ہیں یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْہَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبۃ) کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مومن کی بنیادی خوبیوں میں سے ہے۔

☆ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے ان کی خوبیاں بڑے خوبصورت انداز میں بیان فرمائی ہیں اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللهِ الخ (سورہ التوبۃ) کہ یہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت کرنیوالے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرتے والے نیکی کے کاموں کا امر کرنے والے اور برائی سے منع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

☆ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں اور صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ. کہ وہ لوگ پیروی کرنے والے ہیں اللہ کے رسول کی جو نبی امی ہیں۔ جن کے اوصاف وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں آگے فرمایا يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ (الاعراف) کہ وہ اللہ کے رسول انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اتنی عظیم خوبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پیغمبر کی خصوصی صفات میں شامل کر کے یہاں بیان فرمایا

ہے۔

☆ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کا تو وظیفہ بھی یہی تھا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ الخ (سورہ یوسف) کہ اعلان فرما دیں کہ میرا راستہ تو یہی ہے کہ میں پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی خدا کی طرف بلانے والا اور میرے پیروکار بھی اس کی طرف بلانے والے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کا وظیفہ اور مشن واضح فرما دیا کہ آپ کا مشن یہی ہے کہ مخلوق خدا کو خدا کی طرف بلایا جائے اور انہیں نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے منع فرمایا جائے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت:

اُم المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عجیب سی کیفیت میں گھر تشریف لائے۔ میں نے اندازہ کر لیا کہ آج کوئی خاص مسئلہ ہی درپیش ہے۔ چنانچہ آپؐ نے وضو فرمایا اور کسی سے کوئی بات کیے بغیر مسجد میں تشریف لے گئے فَلَصِقْتُ بِالْحُجْرَةِ چنانچہ میں حجرہ کی دیوار کے ساتھ چمٹ کر کھڑی ہو گئی کہ سنوں تو سہی کہ آپؐ مسجد میں جا کر کیا فرماتے ہیں۔ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ پھر آپؐ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَكُمْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْ فَلَا اُجِيْبَ لَكُمْ وَ تَسْاَلُوْنِيْ فَلَا اُعْطِيَكُمْ وَ تَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلَا اَنْصُرَكُمْ کہیں

ایسا نہ ہو کہ اس کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ وقت آ جائے کہ تم مجھ سے دعا مانگو اور میں قبول نہ کروں۔ تم سوال کرو اور میں رد کردوں۔ تم دشمن کے مقابلے میں مجھ سے مدد مانگو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔

حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں فَمَا زَادَ عَلَيْهِنَّ حَتّٰى نَزَلَ (ابن ماجہ) کہ آپؐ نے ان کلمات سے زیادہ اور کچھ نہ فرمایا اور منبر سے نیچے اتر آئے۔

مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دینے کے لیے آپؐ نے اتنا بڑا تردد فرمایا۔ اور لوگوں کو ڈرایا کہ اس کے ترک کر دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس حد تک ہو سکتی ہے کہ تمہاری درد بھری دعائیں اور التجائیں بھی قبول کرنا چھوڑ دے۔

حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے اور تمہاری التجائیں بھی قبول نہ کریں گے۔

بَرکاتِ وَحی کا خاتمه:

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا إِذَا عَظَّمَتْ أُمَّتِي الدُّنْيَا نُزِعَتْ مِنْهَا هَيْبَةُ الْإِسْلَامِ کہ جب میری امت دنیا کو بڑی چیز سمجھ کر اس کو اہمیت دینے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت اس کے دل سے نکل جائے گی۔ وَإِذَا تَرَكَتِ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ حُرِمَتْ بَرَكَةَ الْوَحْيِ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی وَإِذَا تَسَابَّتْ أُمَّتِي سَقَطَتْ مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ (الدر عن الحکیم الترمذی) اور جب

آپس میں ایک دوسرے کو سب وشتم کرنا شروع کر دے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جائے گی۔ (اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا)

مُشکل کام:

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سے مشکل کام نہی عن المنکر ہی ہے۔ یعنی کسی کو نیکی کا حکم دینا تو آسان ہے مگر کسی برائی سے منع کرنا انتہائی مشکل ہے۔ لازمی بات ہے مشکل کام کرنے پر اجر وثواب بھی زیادہ ملے گا اور اسے مشکل سمجھ کر چھوڑ دینے سے گناہ اور عذاب بھی زیادہ ملے گا۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے لعنت اسی لیے فرمائی ہے کہ انہوں نے نہی عن المنکر کو چھوڑ رکھا تھا۔ لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کہ جو لوگ بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (المائدۃ) اور وہ جو برے کام کرتے تھے ان سے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ انتہائی برا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کی تشریح کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں پہلے پہلے تنزل اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کرتے ہوئے دیکھتا تو کہتا یَا ھٰذَا اتَّقِ اللّٰہَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ بِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَحِلُّ لَکَ کہ اے شخص اللہ سے ڈر اور یہ کام چھوڑ دے' یہ تیرے لیے جائز نہیں ہے۔

پھر دوسرے دن اسے وہی کام کرتے ہوئے دیکھتا تو اب اسے منع نہ کرتا بلکہ اپنے تعلقات خراب ہونے کے ڈر سے اس سے گھل مل جاتا جَالَسَہٗ وَ اٰکَلَہٗ وَشَارَبَہٗ کَاَنَّہٗ لَمْ یَرَہٗ عَلٰی خَطِیْئَۃٍ بِالْاَمْسِ اور اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا کھاتا پیتا گویا کہ اس کو کل کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اولاً تو انہوں نے برائی کو برائی سمجھا نفرت کا اظہار کیا اور جب برائی کرنیوالا اپنی برائی سے نہ رکا تو پھر بھی اس کے ساتھ اپنے مراسم بدستور جاری رکھے۔ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ترک نہ کیا۔ فَلَمَّا رَآی عَزَّوَجَلَّ ذَالِکَ مِنْھُمْ ضَرَبَ قُلُوْبَ بَعْضِھِمْ عَلٰی بَعْضٍ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ رویہ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط ملط کر دیا۔ یعنی فرماں برداروں کے دلوں پر بھی نافرمانوں کے دلوں کی نحوست ڈال دی۔ ثُمَّ لَعَنَھُمْ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّھِمْ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان پر لعنت فرمائی۔

پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ الخ پھر ارشاد فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ لَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ لَتَاْخُذُنَّ عَلٰی یَدِ السَّفِیْہِ وَلَتَاْطُرُنَّ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میں محمد رسول اللہ کی جان ہے تمہیں ضرور امر بالمعروف کرنا ہوگا تمہیں ضرور نہی عن المنکر کرنا ہوگا۔ اور تمہیں ضرور بے وقوف اور نادان کا ہاتھ روکنا ہوگا۔ اور اس کو حق بات پر مجبور کرنا ہوگا اَوْ لَیَضْرِبَنَّ اللہُ قُلُوْبَ بَعْضِکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ثُمَّ یَلْعَنَنَّکُمْ کَمَا لَعَنَھُمْ (ابوداؤد) ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو بھی خلط ملط کر دے گا اور تمہارے اوپر بھی اسی طرح لعنت کرے گا جس طرح ان پر کی۔

مطلب یہ ہے کہ نہی عن المنکر نہ کرنے کی وجہ سے اس کی نحوست تم پر بھی لازماً پڑے گی۔

خوبصورت مثال:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات سمجھانے کے لیے ایک خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے کچھ آدمی ایک بہت بڑے دو منزلہ سمندری جہاز پر سوار ہوئے۔ پھر قرعہ اندازی کے ذریعے طے کیا گیا کہ اوپر والی منزل میں کون سوار ہوں گے اور نیچے والی منزل میں کون؟ فَصَارَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَ بَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا چنانچہ اس طرح کچھ لوگ اوپر والی منزل میں سوار ہو گئے اور کچھ لوگ نیچے والی منزل میں۔ صورتحال یہ ہے کہ پانی کا ذخیرہ اوپر والی منزل میں کیا گیا ہے۔ نچلی منزل والوں کو بھی اگر پانی کی ضرورت پڑتی ہے تو انہیں اوپر جانا پڑتا ہے۔ چنانچہ نچلی منزل والے اگر یہ خیال کر کے کہ ہمارے بار بار اوپر جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے اپنی نچلی منزل میں ہی ایک سوراخ سمندر میں کھولنا شروع کر دیں کہ اس طرح ہمیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے پانی ملتا رہے گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ صورت حال دیکھ کر اگر اوپر والے انہیں منع نہ کریں اور یہی کہیں کہ وہ جانیں اور ان کا کام! وہ اگر سوراخ کر رہے ہیں تو اپنے ہی حصے میں کر رہے ہیں۔ ہمیں ان سے کیا واسطہ؟ تو اس صورت میں وہ جہاز غرق ہو جائے گا۔ هَلَكُوْا جَمِيْعًا اور دونوں فریق ہلاک ہو جائیں گے۔ وَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَ نَجَوْا جَمِيْعًا (بخاری) اور اگر وہ بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو اس تخریب سے روک دیں گے تو دونوں فریق ہلاکت سے بچ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ نہی عن المنکر کے ترک کرنے کا وبال ان لوگوں پر بھی

بیٹا پڑتا ہے جو اس گناہ کا ارتکاب نہیں کر رہے۔
گرامی قدر سامعین! یہاں سے یہ بات سمجھ لیں کہ آج کل بعض لوگوں
نے جو نیا فلسفہ پیش کر رکھا ہے کہ جہاں کوئی لگا ہوا ہے لگا رہے ہمیں کیا؟ کوئی کہتا
ہے آپ اپنی اصلاح کریں دوسروں کی فکر نہ کریں۔ وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں
گے کوئی کہتا ہے آپ اپنی گاڑی چلائیں دوسروں کی ڈرائیونگ پر تنقید نہ کریں۔
یہ سب باتیں شریعت اسلامیہ کی روح کے منافی ہیں اور امت کی ہلاکت
کا باعث ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اپنی اصلاح ضروری ہے اسی طرح
دوسروں کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے۔ وبال اور عذاب آئے گا تو سب پر آئے
گا۔

بنی اسرائیل کا عابد:

بعض روایات میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص انتہائی عبادت گزار
تھا۔ ہمہ وقت اپنے گھر کے خلوت خانے میں عبادت میں مصروف رہتا تھا جبکہ اس
کی بستی کے دیگر لوگ ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے۔ وہ اگرچہ خود تو انتہائی پارسا
تھا مگر دوسرے لوگوں کو کبھی برائیوں سے منع نہ کرتا تھا۔ یعنی اس نے نہی عن المنکر کا
فریضہ ترک کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کی نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس
بستی پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرما کر عذاب کے فرشتوں کو بھیج دیا۔
جب وہ فرشتے اس بستی میں آئے تو دیکھا کہ ان میں تو ایک انتہائی نیک
آدمی بھی ہے جو ہمہ وقت عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ
سے عرض کیا کہ اے بار الٰہا کیا عذاب لانے سے قبل اس نیک آدمی کو اس بستی
سے باہر نہ نکال لیا جائے؟ کیونکہ یہ تو اس عذاب شدید کا مستحق نظر نہیں آتا۔
اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ پہلے اس کو کچلو اور بعد میں دوسروں کو۔

فرشتے حیران ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بستی کے لوگ ہر قسم کے کفر و شرک اور دیگر گناہوں میں مبتلا رہے مگر اس کی جبین پر شکن بھی نہ آیا۔ اسے ذرا برابر غیرت نہ آئی اور اس نے یہی سوچا کہ جہاں کوئی لگا ہے لگا رہے ہمیں کیا؟ بنابریں یہ بھی اسی طرح عذاب کا مستحق ٹھہرا۔

درجاتِ ثلاثہ:

گرامی قدر سامعین! امر کا معنی ہے حکم دینا' اور نہی کا معنیٰ ہے روکنا۔ آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں استعلاء اور غلبہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی نیکی کے اجراء اور بدی کے خاتمہ کے لیے پورا زور اور قوت خرچ کرنا۔ چنانچہ حدیث پاک میں نہی عن المنکر کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلا درجہ یہی ہے کہ قوت اور طاقت سے برائی کا خاتمہ کیا جائے۔

چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَنْ رَآى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ کہ جو آدمی کسی برائی کو ہوتے ہوئے دیکھے تو اس کو قوت اور طاقت سے بند کر دے فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ اور اگر اسے اس پر قدرت نہ ہو تو پھر اپنی زبان سے اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ یعنی ان لوگوں کو ہر لحاظ سے سمجھائے نصیحت کرے۔ تاکہ اس برائی کا قلع قمع ہو جائے۔ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ اور اگر اسے زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے روک دے۔

دل سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پکا عزم اور ارادہ کرے کہ جب بھی مجھے دسترس حاصل ہوگی میں اس برائی کو ہاتھ سے یا زبان سے روکوں گا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آخری درجہ کے بارے میں فرمایا وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (مسلم) کہ یہ ایمان کا سب سے کمزور اور نچلا درجہ ہے۔

مطلب واضح ہے کہ جب یہ آخری درجہ ایمان کے ضعف اور کمزوری کی علامت ہے تو پہلا درجہ یقیناً ایمان کی مضبوطی اور قوت کی دلیل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا مَامِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ قَبْلِیْ اِلَّاکَانَ لَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَ اَصْحَابٌ یَّأْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَ یَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ یعنی سنت الہیہ یہی ہے کہ ہر نبی کے بعد اس کی امت میں اس کے کچھ ایسے ساتھی اور تربیت یافتہ ہوتے رہے جو اس کی سنت پر عمل کرتے رہے اور اس کے حکم کی اقتدا کرتے رہے ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ پھر اس کے بعد ایسے نالائق لوگ پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے تھے جو خود نہ کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَ مَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ پس جو شخص ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان سے زبان کے ساتھ جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے اور جو شخص ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے گا وہ بھی مؤمن ہے۔ آپؐ نے فرمایا وَلَیْسَ وَرَاءَ ذَالِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ (مسلم) کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا درجہ نہیں ہے۔

یعنی اس آخر درجہ کے بعد ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے جو یہ بھی نہ کر سکے اس کا رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔

آغاز کہاں سے ؟

قرآن مجید کے اندر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا آغاز اپنے گھر سے ہی کرنا چاہیے۔ ارشاد خداوندی ہے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء) کہ اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرسنا

دو۔

ایک اور مقام پر فرمایا یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (تحریم) کہ اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ پھر یہ دائرہ کار بڑھتا جائے گا اور جہاں تک آدمی کا بس چلے اسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

طریقۂ کار:

شریعت اسلامیہ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں فرمایا۔ تحریر سے، تقریر سے وعظ و نصیحت سے جس طرح بھی ممکن ہو نیکی کو پھیلانا چاہیے اور برائی کو دبانا چاہیے۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ الحمدللہ علماء کرام کی سرپرستی میں مختلف جماعتیں اپنے اپنے انداز میں بہترین کام کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کام کو مزید ترقی عطاء فرمائے اور شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین

بڑا مَعروف اور بڑا مُنکر:

گرامی قدر سامعین! اگر قرآن و حدیث میں غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن سے زیادہ واضح نظر آتی ہے کہ اس دنیا میں سب سے بڑا معروف اللہ کی توحید ہے اور سب سے بڑا منکر اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

گرامی قدر سامعین! بنیادی طور پر اگر ہم اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور شرک سے منع کر رہے ہیں تو یقیناً ہم خیرامت کہلانے کے مستحق ہیں ورنہ اپنے بارے میں فکر کرنا چاہیے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ سب سے بڑا اور اہم کام دعوتِ توحید اور ردِ شرک ہے۔ جو جماعت یا افراد یہ کام کر رہے ہیں وہ قابل صد تحسین ہیں۔

اُصول اَربعه:

اگر قرآن مجید کے اندر غور کیا جائے تو دعوت کے چار اہم اصول نظر آتے ہیں۔

ارشاد ربانی ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل) کہ اے پیغمبر! لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلایئے حکمت سے اور نیک نصیحت سے اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔

۱) **اِخلاص**: یہ دعوت کا بنیادی اور پہلا اصول ہے جو "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ" سے سمجھ آ رہا ہے۔ کہ دعوت کی اندر اخلاص ہونا چاہیے۔ خالص اللہ کی رضاء کے لئے لوگوں کو اللہ سے ملایا جائے۔ اپنے ساتھ ملانا یا اپنی جماعت کے ساتھ ملانا مقصود نہ ہو۔ مقصود اللہ سے ملانا ہو۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰهِ (حم سجدہ) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

۲) **حکمت**: یعنی دوسروں کو دلائل و براہین سے قائل کرنا۔ ان کے شکوک و شبہات کو دور کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے دماغ کو اپنے دلائل سے متاثر کرنا۔

۳) **موعظت**: یعنی وعظ و نصیحت کر کے ان کے قلوب کو متاثر کرنا۔ ان میں خوف خدا اور خوف آخرت پیدا کر کے ان میں رقت پیدا کرنا۔

۴) **جدالِ حسن**: اگر مباحثہ اور مناظرہ کی نوبت آ جائے تو اس میں بھی اخلاق کا دامن نہ چھوڑنا۔ نہایت اچھے اور باوقار انداز سے مخالف کے دلائل کو توڑا جائے اور ان کے اعتراضات کا جواب دیا جائے۔

قرآن مجید میں اسی انداز دعوت کو بصیرت کا نام دیا گیا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ الخ آپ فرمادیں کہ میرا راستہ یہی ہے کہ میں پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ یعنی بصیرت یہی ہے کہ ان اصولوں کے مطابق دعوت دی جائے۔

آدابِ دعوت:

قرآن وحدیث میں اگر غور کیا جائے تو دعوت کے چار بنیادی آداب نظر آتے ہیں۔

۱) **شفقت**: یعنی دل میں لوگوں کی خیرخواہی کا جذبہ اور ان کی اصلاح کی سچی تڑپ ہو۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سب سے بڑے داعی تھے ان کے دل کے اندر اتنی فکر اور تڑپ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (کہف) کہ اے پیغمبر! اگر یہ لوگ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے غم کر کر کے اپنے آپ کو ختم کر دیں گے۔

قرآن مجید میں حبیب نجار کا واقعہ مذکور ہے جسے اس کی قوم نے دعوت توحید کی پاداش میں شہید کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً اسے جنت میں داخلہ نصیب فرمادیا تو جنت میں جانے کے بعد بھی وہ اپنی قوم کے ایمان نہ لانے پر کفِ افسوس ملتا رہا۔ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ (یٰسین) ہائے کاش میری قوم کو پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری

مغفرت فرمادی اور میری بے انتہاء عزت افزائی فرمائی۔

۲) **قولِ لین:** دل میں رأفت و رحمت کا جذبہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبان سے بھی نرم انداز اور نرم پیرایہ اختیار کیا جائے۔

یاد رکھیں! اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسئلہ چھپا دیا جائے حقیقت پر پردہ ڈال دیا جائے اور کتمانِ حق کیا جائے کتمانِ حق تو بہت بڑا جرم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسئلہ گرم ہو اور لہجہ نرم ہو۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام جب فرعون کو دعوت دینے کے لیے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ) کہ اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کر لے یا ڈر جائے۔

۳) **یُسر:** یعنی لوگوں کے ساتھ آسانی والا معاملہ کیا جائے۔ دین کو آسان کر کے پیش کیا جائے تاکہ ان کی اندر رغبت پیدا ہو۔ دین کو اس انداز میں پیش کرنا کہ وہ نفرت کر کے بدک جائیں کوئی دانشمندی نہیں ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو ساتھ ہی فرمایا يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ان سے آسانی والا معاملہ کرنا تنگی والا معاملہ نہ کرنا بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا انہیں بشارت سنا کر قریب کرنا نفرت دلا کر دور نہ کرنا۔

۴) **عفو و درگذر:** یعنی لوگوں کی گستاخی اور بے مروتی پر درگزر سے کام لینا۔ چشم پوشی اور اعراض کرنا۔ انکی جہالت اور بے مروتی کے باوجود ان سے اچھے اخلاق سے پیش آنا۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران) کہ اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (اعراف) کہ آپ عفو و درگزر سے کام لیں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض فرمائیں۔

اَوصافِ مبلغ:

قرآن مجید میں ایک مبلغ کے اوصاف بھی چار بیان کیے گئے ہیں۔ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ) کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے عجیب پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح زمین میں گاڑ دیئے گئے ہیں اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ پس تم نصیحت کرتے رہو کہ تم مذکر یعنی نصیحت کرنے والے ہی ہو۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ درحقیقت یہاں اللہ تعالیٰ نے مبلغ اور مذکر کے چار اوصاف بیان فرمائے ہیں۔

۱) **سادگی**: یعنی مبلغ کے اندر کمال درجے کی سادگی ہونی چاہیے اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ جس کا نمونہ اونٹ ہے۔ دیکھیے اونٹ کس طرح سادہ غذا کھاتا ہے' خاردار جھاڑیاں اور خودرو بوٹیاں اس کی غذا ہیں۔ اور وہ بھی جب مل جائے تو کھالیتا ہے۔ نہ ملے تو صبر کر لیتا ہے۔ پانی بھی اگر اس کو نہ ملے تو کئی کئی دنوں تک گزارہ کر سکتا ہے۔ اور اسکے باوجود کام کتنا کرتا ہے؟ صبح و شام اپنے سفر پر رواں دواں رہتا ہے۔ بڑے بڑے بھاری اور بوجھل سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر خاموشی سے کام کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک مبلغ کے اندر اونٹ جیسی سادگی

اور محنت ہونی چاہیے۔
۲) بلند همتی: ایک مبلغ کے اندر اعلیٰ درجے کی بلند ہمتی بھی ہونی چاہیے وَاِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ جس کا نمونہ آسمان میں موجود ہے۔ یعنی جس طرح آسمان بلند ہے اسی طرح ایک مبلغ کے عزائم بلند ہونے چاہئیں۔ اسے پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ پورے عالم کے انقلاب کا جذبہ اس کے اندر ہونا چاہیے۔
۳) استقامت: مبلغ کی تیسری صفت استقامت ہے وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ جس کا نمونہ پہاڑوں کی شکل میں موجود ہے۔ یعنی جس طرح پہاڑ زمین میں ٹھونک دیے گئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ اسی طرح ایک مبلغ کو استقامت کا سبق پہاڑوں سے لینا چاہیے۔ ساری دنیا ہلتی ہے تو ہل جائے مگر مبلغ کے پائے استقامت میں جنبش نہیں آنی چاہیے۔ اسے اپنے موقف اور نظریہ سے نہیں ہٹنا چاہیے۔ جس طرح پہاڑوں میں زلزلہ آنے سے ساری زمین کا نظام خراب ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مبلغ کے قدم پھسل جانے سے پوری امت میں فساد پھیل سکتا ہے۔
۴) تواضع: مبلغ کی چوتھی صفت تواضع ہے وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ جس کا نمونہ زمین کی شکل میں موجود ہے۔ زمین کتنی متواضع ہے کہ ساری دنیا اس پر چل کر اسے پاؤں کے نیچے روندتی ہے۔ مگر وہ پھر بھی انہیں فائدہ ہی پہنچاتی ہے۔ زمیندار اس کا سینہ چیر کر اس میں فصل کاشت کرتا ہے اور زمین اسے اناج اور فصل مہیا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں ہر لحاظ سے انسان کی پردہ پوشی کرتی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ ایک مبلغ کے اندر اونٹ جیسی سادگی، آسمان جیسی بلند ہمتی، پہاڑوں جیسی استقامت اور زمین جیسی تواضع و انکساری ہونی چاہیے۔ آگے فرمایا فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ کہ ان صفات سے متصف ہو کر آپ لوگوں کو

دعوت دیتے رہیں۔ نصیحت کرتے رہیں۔ بے شک آپ "مذکر" ہیں۔

رُفقاءِ مُبلغ:

ایک مبلغ اور داعی جب ان صفات سے متصف ہو کر دعوت کے آداب اور اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے چار قسم کے منعم علیہ لوگوں کی رفاقت نصیب فرمائے گا۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام فرمایا ہے اور وہ چار قسم کے لوگ ہیں (۱) انبیاء کرام علیہم السلام۔ (۲) صدیقین۔ (۳) شہداء۔ (۴) صالحین وَ حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی بہتر ہے ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا (النساء) اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے اور پھر اس پر پورے اخلاص اور استقامت کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین



۱۳:- فکرِ آخرت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّاکَسَبَتْ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ(البقرہ) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

عقیدۂ آخرت:

گرامی قدر سامعین! عقیدہ آخرت اسلام کے تین بنیادی اور اساسی عقیدوں میں سے ایک ہے۔ آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس حقیقت کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے اور وہاں انسان کو اس دنیا میں کیے ہوئے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ملے گی۔

یہ بات مسلم ہے کہ ہر عمل کا کوئی نہ کوئی اثر اور نتیجہ ضرور ہوتا ہے۔ ہماری عقل کا تقاضا ہے کہ ہمارے اچھے برے اعمال و اخلاق کا نتیجہ ضرور مرتب ہونا چاہیے۔ اچھے اعمال کا اچھا بدلا اور برے اعمال کا برا بدلہ ضرور ملنا چاہیے۔

اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو نیکوں کو ان کی نیکی کا پورا پورا صلہ اور انعام ملتا ہے اور نہ بدکاروں اور ظالموں کو ان کے گناہوں کی پوری سزا ملتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ انصاف اور بدلے کا ایک دن مقرر کیا جائے جہاں اچھائی اور برائی کا نتیجہ مرتب ہو اور وہ آخرت کا دن ہے۔

اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اگر اسی دنیا میں بھلائی اور برائی کا نقد بدلہ مل جاتا تو یہ امتحانی زندگی نہ رہتی۔ اس لیے اللہ تعالی نے جزاوسزا کو پردہ غیب میں رکھ کر ایک امتحانی صورت پیدا فرمادی ہے کہ کون انبیاء کرام علیہم السلام کے بیان کردہ حقائق کو مان کر زندگی گزارتا ہے اور کون نہیں؟

گرامی قدر سامعین! عقیدہ آخرت کا انسانی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ آخرت کا اقرار ہو یا انکار' دونوں اپنا خاص اثر رکھتے ہیں اور انسان کو زندگی کی دومختلف اور متضاد راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس حقیقت سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں کہ معاشرے کے سدھارنے اور بگاڑنے میں عقیدہ آخرت اور فکر آخرت کو بہت بڑا دخل ہے۔

دو زندگیاں:

اسلام نے ہمیں دوزندگیوں کا تصور دیا ہے۔

(ا) دنیاوی زندگی۔ (ب) اخروی زندگی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حقیقی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ یہ دنیا کی زندگی ایک عارضی اور غیر حقیقی زندگی ہے۔ نہ تو یہاں کا عیش وآرام حقیقی ہے اور نہ مصائب وآلام حقیقی ہیں۔ آخرت کی راحت وآسائش بھی حقیقی اور دائمی ہے اور صعوبت وتکلیف بھی حقیقی اور دائمی ہے۔ ارشاد ربانی ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (سورۃ الاعلیٰ) کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ انسان ایک مسافر ہے جو مسلسل سفر کرتا ہوا چلا آرہا ہے۔ کبھی یہ عالم ارواح میں تھا وہاں سے عالم بطن میں آیا پھر عالم دنیا میں پہنچا پھر یہاں سے سفر کر کے عالم برزخ میں جائے گا اور پھر عالم

آخرت میں پہنچے گا۔ وہی اس کا دائمی ٹھکانہ اور مستقر ہوگا۔

دُنیا و آخرت:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار مقامات پر دنیا اور آخرت کی زندگی کا موازنہ کر کے دنیا کی بے ثباتی کو واضح فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

الف) اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُالْقَرَارِ (سورۃ مومن) کہ یہ دنیا کی زندگی چند روزہ فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور بے شک آخرت ہی ہمیشہ رہنے والا گھر ہے۔

ب) اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ (سورۃ توبہ) کہ کیا تم آخرت سے لا پرواہ ہو کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو؟ دنیا کی زندگی کے فوائد تو آخرت کے مقابلے میں انتہائی کم ہیں۔

ج) قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَّالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى (سورۃ النساء) فرما دیجئے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور آخرت ہی پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔

د) وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (سورۃ عنکبوت) کہ یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل تماشا ہے بے شک ہمیشہ کی زندگی تو آخرت کی ہے۔

آخری آیت:

نزول کے اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دار آخرت ہی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (سورۃ البقرہ) کہ اس دن

سے ڈرو کہ جب تم خدا تعالیٰ کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔

قرآنی مثال:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دنیا و آخرت کی زندگی کو مختلف امثال سے سمجھایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیَاةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ وَمَا الْحَیَاةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (حدید) جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے اور زینت و آرائش ہے اور آپس میں تمہاری فخر و ستائش ہے اور مال و اولاد کی کثرت کی خواہش ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ اس سے اگنے والی کھیتی کسانوں کو بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پکڑ جاتی ہے اور پھر تو دیکھتا ہے کہ وہ زرد پڑ جاتی ہے اور پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں کفار کے لیے سخت عذاب ہے اور مؤمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضا مندی ہے اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔

گرامی قدر سامعین! آیت ہذا میں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی حقیقت سمجھاتے ہوئے تین الفاظ بیان فرمائے ہیں۔

(ا) لہو ولعب (ب) زینت و تفاخر۔ (ج) مال و اولاد کی حرص۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ لہو ولعب کے لفظ سے بچپن کے دور کی طرف اشارہ ہے۔ زینت و تفاخر سے جوانی کے دور کی طرف اشارہ ہے اور مال و اولاد کی حرص سے بڑھاپے کے دور کی طرف اشارہ ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے تینوں زمانوں کی حقیقت بیان فرمادی ہے کہ انسان بچپن میں محض کھیل و تماشا میں معروف رہتا ہے۔ پھر جوانی میں اپنے بناؤ سنگھار اور فخر و مباہات میں لگا رہتا ہے اور پھر آخری عمر میں اسے کثرت مال واولاد کی خواہش گھیر لیتی ہے۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی حقیقت سمجھانے کے لیے ایک خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے سے کھیتی پیدا ہوتی ہے۔ ابتداً وہ کھیتی انتہائی کمزور ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ ترقی کر کے بڑی ہو جاتی ہے اور خوب طاقت ور ہو جاتی ہے۔ اور انسان اسے دیکھ کر انتہائی خوش ہوتا ہے پھر وہی کھیتی مرور زمانہ سے کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی رنگت پیلی پڑ جاتی ہے۔ ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا پھر وہ بالکل چورا چورا ہو جاتی ہے۔ یہی مثال دنیا کی زندگی کی ہے ابتداً کمزوری' پھر جوانی پھر بڑھاپا اور پھر موت۔

موت کے بعد پھر دو نتیجے لازمی ہیں۔ (ا) جہنم کا عذاب۔ (ب) اللہ کی مغفرت اور رضامندی۔

پھر آخر میں نتیجہ نکالتے ہوئے فرمایا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کہ یہ دنیا کی زندگی بزا دھوکے کا سامان ہے۔

فرامین رسول ؐ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بے شمار مواقع پر دنیوی اور اخروی زندگی کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔

☆ ایک موقعہ پر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّاذِكْرُ اللهِ وَ مَا وَالَاهُ (ترمذی) کہ خبردار دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار اور رحمت سے دوری ہے' سوائے خدا تعالیٰ کی یاد کے اور ان

چیزوں کے جن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔

☆ ایک حدیث میں ہے لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَا سَقٰی کَافِرًا مِنْھَا شَرْبَۃً (ترمذی) کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاللّٰہِ مَا الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مِثْلُ مَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ اِصْبَعَہٗ فِی الْیَمِّ فَلْیَنْظُرْ بِمَ یَرْجِعُ (مسلم) کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلے میں یہ ہے کہ جیسے تم میں سے کوئی آدمی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکال لے اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس پر لگ گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح انگلی پر لگا ہوا پانی سمندر کے مقابلے میں بے حیثیت اور بے حقیقت ہے اسی طرح آخرت کی مقابلے میں دنیا بے حیثیت اور بے قدر ہے۔

☆ ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یعنی اس دنیا میں جیسی محنت کریں گے آخرت میں ویسا ہی اس کا صلہ اور بدلہ ملے گا۔

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ (مسلم) کہ دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح قیدی کی زندگی آزادانہ نہیں ہوتی اسی طرح مومن بھی دنیا میں آزاد زندگی نہیں گزارتا۔ اور جس طرح ایک قیدی قید خانہ سے دل نہیں لگاتا اسے اپنا گھر نہیں سمجھتا اسی طرح ایک مومن دنیا سے جی نہیں لگاتا۔ اس کے بالمقابل ایک کافر آدمی اسی دنیا سے جی لگا کر اس کے عیش و آرام کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے اور آزادانہ زندگی گزارتا ہے۔ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''۔ پھر قیامت کے دن

نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلے گا دنیا کو قید خانہ سمجھنے والے کو آخرت میں جنت ملے گی اور دنیا کو جنت سمجھنے والے کو آخرت میں جہنم کا قید خانہ ملے گا۔

☆ ایک حدیث میں آپؐ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَ مَنْ اَحَبَّ بِاٰخِرَتِہٖ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ (رواہ احمد) کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا لازماً نقصان کرے گا اور جو شخص آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی پس تم فنا ہونے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح دو۔

بکری کا مُردہ بچہ:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کے ہمراہ جا رہے تھے کہ آپؐ نے راستے میں بکری کا ایک کان کٹا مردہ بچہ پڑا ہو دیکھا جس سے بدبو بھی اٹھ رہی تھی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو اس طرف متوجہ فرمایا اور سوال کیا اَیُّکُمْ یُحِبُّ اَنَّ ھٰذَا لَہٗ بِدِرْ ھَمٍ کہ تم میں سے کون شخص اس کو صرف ایک درہم میں خریدنے کے لیے تیار ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یہ تو انتہائی بے کار اور بے قیمت ہے ہم اسے خرید کر کیا کریں گے؟ ہم تو اسے کسی قیمت پر بھی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ مردار بھی ہے اور بدبودار بھی۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا وَاللّٰہِ لَلدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا عَلَیْکُمْ (مسلم) کہ قسم بخدا یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس مردار سے بھی زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی طلب و فکر کا مرکز اس حقیر اور بدبودار دنیا کو بنانے کی بجائے آخرت کو بناؤ۔

میرا مال ' میرا مال:

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کہتا ہے کہ "مَالِیْ' مَالِیْ" "میرا مال' میرا مال' حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے وہ صرف تین چیزیں ہیں (ا) مَا اَکَلَ فَاَفْنٰی جو اس نے کھا کر ختم کر دیا۔ (ب) اَوْلَبِسَ فَاَبْلٰی دوسرا وہ جو اس نے پہن کر پرانا کر دیا۔ (ج) اَوْاَعْطٰی فَاَقْتَنٰی تیسرا وہ جو اس نے راہ خدا میں دیکر ذخیرہ کر لیا۔ وَمَا سِوٰی ذَالِکَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِکُهٗ لِلنَّاسِ (مسلم) اور اس کے سوا جو کچھ ہے اسے وہ دوسروں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ وہ سب مالِ اغیار ہے اور یہ محض چوکیدار ہے۔

حضرت عمرؓ رو پڑے:

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ دیکھا کہ آپ ایک کھردری چٹائی پر تشریف فرما ہیں اور اس کے نشانات آپؐ کے وجود اقدس پر پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر دیکھا تو وہاں چند برتنوں کے سوا اور کچھ نہ تھا ایک پیالہ پانی پینے کا' ایک برتن وضو کے لیے' ایک مشکیزہ پانی بھرنے کے لیے اور ایک تھیلی جس کے اندر جو کا آٹا تھا۔

یہ اسباب دیکھ کر حضرت عمرؓ کی چیخ نکل گئی اور رو پڑے۔ آپؐ نے حیران ہو کر پوچھا مَایُبْکِیْکَ یَا عُمَرُ اے عمر روتے کیوں ہو؟ آپؓ نے جواباً عرض کیا یا رسول اللہؐ! اللہ کے دشمن قیصر و کسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹیں اور آپ دو جہاں کے سردار ہو کر اس تنگی اور عسرت میں گزارہ کریں؟

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عمرؓ کی یہ باتیں سن کر اٹھ بیٹھے اور حیران ہو کر سوال فرمایا وَاَنْتَ یَا عُمَرُ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا اے عمر! تو بھی دنیا کی

زیب و زینت کی باتیں کرنے لگا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَالِیْ وَلِلدُّنْیَا اے عمر! مجھے دنیا سے کیا غرض! مَاۤاَنَا اِلَّا کَرَاکِبٍ ؕاسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَۃٍ ثُمَّ رَاحَ وَ تَرَکَھَا (بخاری) میری مثال تو ایک مسافر کی سی ہے جس نے تھوڑی دیر کے لیے ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کیا اور پھر اسے چھوڑ کر اپنی راہ لی۔

پھر آپؐ نے قیصر و کسریٰ کے بارے میں ارشاد فرمایا یَا عُمَرُ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ لَھُمُ الدُّنْیَا وَ لَنَا الْاٰخِرَۃُ؟ اے عمر! تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ ان کو دنیا مل جائے اور ہمیں آخرت؟ مزید فرمایا اُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَھُمْ طَیِّبَاتُھُمْ فِیْ حَیَاتِھِمُ الدُّنْیَا اے عمر! یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ دینا تھا اسی دنیا میں دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ آخرت میں عطاء فرمائے گا۔

موت کی تیاری:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَ حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا (کشف الخفاء) کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ اور قیامت کے حساب سے پہلے اپنا محاسبہ کر لو۔ مطلب یہ ہے کہ حقیقی موت کے آنے سے پہلے تم اپنی نفسانی خواہشات اور معصیت کے تقاضوں کو کچل کر فنا کر دو اور ہمہ وقت اپنا محاسبہ جاری رکھو کہ میں کس سمت جا رہا ہوں؟

فکر آخرت سے آپؐ کی اپنی حالت یہ تھی کہ ایک دفعہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ پر بڑھاپے کے آثار دیکھ کر عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ شِبْتَ اے اللہ کے رسول! آپؐ تو بوڑھے ہونے لگے۔ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَالْوَاقِعَۃُ وَالْمُرْسَلَاتُ الخ (ترمذی) کہ مجھے سورۃ ہود، سورۃ واقعہ اور سورۃ مرسلات وغیرہ نے بوڑھا کر دیا۔ کیونکہ ان سورتوں میں قیامت اور احوال

آخرت کا بیان ہے۔

ایک موقع پر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْتَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا (بخاری) کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم بہت زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے۔ یعنی برزخ کے حالات' محشر کی کیفیات' جہنم کے عذابات وغیرہ کی تفصیل اگر تمہیں پتہ چل جائے تو تمہارا ہنسا رونے میں بدل جائے وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ (ترمذی) پھر تم اپنے بستروں پر اپنی بیویوں سے لطف اندوز ہونا بھی چھوڑ دو گے اور اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل کھڑے ہو گے۔

قبر کی پکار:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کی مجلس میں تشریف لائے تو وہ آپس میں دل لگی کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ تو آپ کو یہ بات ناگوار گزری اور آپؐ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ لذتوں کو توڑ دینے والی چیز یعنی موت کو یاد کرو۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا یاد رکھو قبر ہر روز یہ آواز دیتی ہے اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ میں مسافرت کا گھر ہوں۔ اَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ اَنَا بَیْتُ التُّرَابِ میں مٹی کا گھر ہوں اَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ میں کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں (ترمذی)۔

عقل مند کون ہے؟

ایک دفعہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا جانتے ہو کہ عقل مند کون

ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَ عَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَ الْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ (ترمذی) حقیقی عقل مند وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مرنے کے بعد والے وقت کی تیاری کرے اور حقیقی بے وقوف وہ ہوتا ہے جو نفس کی خواہشات پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ پر امید لگا بیٹھے۔ یعنی آخرت کی تیاری کیے بغیر ہی خوش فہمی میں مبتلا رہے۔

حضرت بہلولؒ کی نصیحت:

حضرت بہلولؒ ایک مجذوب قسم کے بزرگ تھے جن کا ہارون الرشید کے دربار میں اکثر آنا جانا تھا۔ ایک دن دربار میں تشریف لے گئے تو ہارون الرشید نے ازراہ مذاق ان کو ایک چھڑی امانت دیتے ہوئے کہا جو آدمی آپ کو سب سے زیادہ بے وقوف نظر آئے اس کو یہ چھڑی دے دینا۔ آپ نے وہ چھڑی اپنے پاس رکھ لی حتیٰ کہ اسے گھر لے گئے۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد ہارون الرشید سخت بیمار ہوا۔ آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پوچھا کہ بادشاہ سلامت کیا حال ہے؟ ہارون الرشید کہنے لگا کیا پوچھتے ہو بس اب جا رہا ہوں۔ بہلولؒ نے پوچھا امیر المؤمنین کہاں جا رہے ہو؟ کہاں کا سفر درپیش ہے؟ بادشاہ کہنے لگا اللہ کے بندے آخرت کا سفر درپیش ہے۔ میں اب دنیا سے جا رہا ہوں۔ بہلولؒ پوچھنے لگے واپسی کتنے دن بعد ہوگی؟ بادشاہ بولا بھئی یہ آخرت کا سفر ہے اس سے کوئی واپس نہیں آیا کرتا۔ بہلول پوچھنے لگے بادشاہ سلامت! اگر واپس نہیں آئیں گے تو کیا آپ نے اپنے آسائش و آرام کے لیے کوئی فوج' کوئی لشکر' کوئی سامان وغیرہ بھیجا ہے؟ بادشاہ کہنے لگا کیسی باتیں کرتے ہو؟ یہ آخرت کا سفر ہے اس پر میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ یہاں نہ کوئی باڈی گارڈ جانا ہے نہ لشکر نہ سپاہ۔

حضرت بہلولؒ فرمانے لگے عجیب بات ہے اتنا لمبا سفر کہ وہاں سے واپس بھی نہیں آنا اور آپ نے اپنی راحت و آرام کے لیے آگے کچھ بھی نہیں بھیجا؟ حالانکہ اس سے قبل آپ کے جتنے سفر ہوتے تھے آپ اس سے پہلے سامان سفر بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت بہلولؒ کہنے لگے بادشاہ سلامت! میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے جو بڑے عرصے سے پڑی ہے۔ فوراً اٹھے اور گھر سے وہ چھڑی لا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دی گویا اس حقیقت کا اظہار کر دیا کہ میری نظر میں سب سے بڑے بے وقوف آپ ہی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہارون الرشید رونے لگا اور کہا کہ بہلول! ساری عمر ہم تجھے بے وقوف سمجھتے رہے مگر آج پتہ چلا کہ حقیقی بے وقوف تو ہم ہی تھے جنہوں نے عمر ضائع کر دی اور سفر آخرت کی تیاری نہ کی۔

رہ کے دنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت　　موت کا خیال بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

جو بشر آتا ہے دنیا میں یہ کہتی ہے قضا　　میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

پانچ چیزیں:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ایک موقعہ پر ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو اور ان کی قدر کرو۔

۱) شَبَابَکَ قَبْلَ هَرَمِکَ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔

۲) وَصِحَّتَکَ قَبْلَ سَقْمِکَ اور صحت کو تندرستی سے پہلے۔

۳) وَغِنَاکَ قَبْلَ فَقْرِکَ اور مال و دولت کو فقر و افلاس سے پہلے۔

۴) وَفَرَاغَکَ قَبْلَ شُغْلِکَ اور فراغت کو مصروفیت سے پہلے۔

۵) وَحَيَاتَکَ قَبْلَ مَوْتِکَ اور زندگی کو موت سے پہلے (مشکوٰۃ)

یعنی ان مواقع کو غنیمت جان کر آخرت کی تیاری کرو ایک دن آئے گا کہ یہ چیزیں نہ رہیں گی اور پھر کف افسوس ملتے رہو گے۔

مُراقبۂ مَوت:

گرامی قدر سامعین! موت اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا اٹل فیصلہ ہے کہ جو لازماً لاگو ہونا ہے۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ اگر کوئی ذات اس سے مستثنیٰ ہے تو وہ اس کی اپنی ذات ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ کہ اس دھرتی پر جو بھی متنفس ہے اسے لازماً ایک دن فنا ہونا ہے اور باقی رہنے والی ذات صرف اور صرف اللہ جل جلالہ کی ہے۔ موت ایک ایسا جام ہے جسے لازماً ہر ایک نے پینا ہے اور قبر ایک ایسا دروازہ ہے جس میں لازماً ہر ایک نے داخل ہونا ہے۔

اَلْمَوْتُ قَدْحٌ كُلُّ نَفْسٍ شَارِبُوْهَا وَالْقَبْرُ بَابٌ كُلُّ نَفْسٍ دَاخِلُوْهَا

موت ایک ایسا یقین ہے جس کا منکر کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر تو مل جائیں گے مگر موت کا منکر کوئی نہ ملے گا۔ اس لیے اس کا نام "یقین" بھی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ کہ اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ تجھے یقین یعنی موت آ جائے۔

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے — اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تھا کون سا گل جس نے دیکھی نہ ہو خزاں — وہ کون سے گل تھے جو مرجھا نہ گئے

اس لیے سوچنا چاہیے کہ ہمارے اوپر ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب روح اور بدن کا رشتہ ٹوٹ رہا ہوگا۔ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ (سورۃ قیامہ) دیکھو جب جان گلے تک پہنچ جائے گی اور لوگ کہنے لگیں کہ

اب کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ اور مرنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب جدائی کا وقت آن پڑا ہے۔ اس وقت پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی اور اس دن تجھے اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔

اس لیے سوچنا چاہیے کہ ایک دن ایسا وقت بھی آئے گا جب میری سانس اکھڑ جائے گی۔ سارے انتظامات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ عزرائیل آ کر میری روح کو قبض کرے گا' مساجد میں میری موت کا اعلان کیا جائے گا۔ تختہ غسل پہ مجھے لٹایا جائے گا۔ کفن کا لباس مجھے پہنایا جائے گا۔

طے منزل وحشت وحزن ہوتی ہے   فرقت مابین روح و بدن ہوتی ہے
کیوں نام کفن سن کے لرزتا ہے بدن   اک روز یہی قبا زیب تن ہوتی ہے

پھر میرا جنازہ اٹھے گا' میرا سارا مال و متاع یہیں رہ جائے گا' کچھ بھی ساتھ نہ جائے گا۔ میری میت گھر کے دروازے سے آج ہمیشہ کے لیے نکل جائے گی۔ پھر وہ بھی وقت آئے گا جب جنازہ پڑھانے کے بعد مجھے قبر کی طرف لے جایا جائیگا۔ تنگ سی قبر۔ تاریک سا مکان۔ نہ پلنگ نہ بستر۔ یہی میرا مسکن ہوگا۔ میرے اپنے رشتہ دار مجھے اپنے ہاتھوں سے مٹی میں دبا دیں گے۔ پھر سب اپنے اپنے گھروں میں واپس آ کر اپنے بستر پر آرام کریں گے اور مجھے اکیلا اس قبر کے اندر رہنا ہوگا۔

اَلَایَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی   سَتُدْفَنُ عَنْ قَرِیْبٍ فِی التُّرَابِ
لَهٗ مَلَکٌ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ   لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَ ابْنُوْا لِلْخَرَابِ

پانچ فرشتے:

بعض روایات میں ہے کہ جب انسان موت و حیات کی کش مکش میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر پانچ فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں۔ پہلا فرشتہ اس وقت آتا

ہے جب اس کی روح حلقوم میں ہوتی ہے وہ اس کو آواز دیتا ہے یَا ابْنَ آدَمَ أَیْنَ بَدَنُکَ الْقَوِیُّ اے انسان! اب تیرا طاقت ور بدن کہاں ہے؟ مَا اَضْعَفَہُ الْیَوْمَ آج اسے کس نے کمزور کر دیا ہے؟ أَیْنَ لِسَانُکَ الْفَصِیْحُ مَا اَسْکَتَہُ الْیَوْمَ آج تیری خوش بیان زبان کہاں ہے؟ آج اسے کس نے خاموش کر دیا ہے؟ أَیْنَ اَھْلُکَ وَ قَرَابَتُکَ مَا اَوْحَشَکَ مِنْھُمُ الْیَوْمَ تیرے تمام اہل خانہ اور رشتہ دار کہاں ہیں؟ آج تجھے ان سے کس نے وحشت زدہ کر دیا ہے؟

دوسرا فرشتہ اس وقت آتا ہے جب اس کی روح قبض ہو چکی ہوتی ہے اور کفن ڈالا جا چکا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے یَا ابْنَ آدَمَ أَیْنَ مَا اَعْدَدْتَ مِنَ الْغِنٰی لِلْفَقْرِ اے انسان! آج تیری وہ دولت کہاں ہے جو تو نے مشکل لمحات کے لیے جمع کی تھی۔ أَیْنَ مَا اَعْدَدْتَ مِنَ الْعُمْرَانِ لِلْخَرَابِ؟ آج تیرے وہ مکانات کہاں ہیں جو تو نے رہائش کے لیے تعمیر کیے تھے؟ أَیْنَ مَا اَعْدَدْتَ مِنَ الْاُنُسِ لِلْوَحْشَۃِ تو نے وحشت سے بچنے کے لیے جو مونس اور غم خوار تیار کیے تھے وہ کہاں ہیں؟

تیسرا فرشتہ اس وقت آتا ہے جب اس کا جنازہ لوگوں کے کندھوں پر اٹھ چکا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے یَا ابْنَ آدَمَ اَلْیَوْمَ تُسَافِرُ سَفَرًا بَعِیْدًا لَمْ تُسَافِرْ سَفَرًا اَبْعَدَ مِنْہُ اے ابن آدم! آج تو نے بڑا لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اتنا لمبا سفر تو نے آج تک طے نہیں کیا۔ اَلْیَوْمَ تَزُوْرُ قَوْمًا لَمْ تَزُرْھُمْ قَبْلَ ھٰذَا قَطُّ آج تیری ملاقات ایسی قوم سے ہو گی جس سے آج تک تیری ملاقات نہیں ہوئی۔ اَلْیَوْمَ تَدْخُلُ مَدْخَلاً ضَیِّقًا لَمْ تَدْخُلْ اَضْیَقَ مِنْہُ آج تجھے تنگ جگہ میں داخل ہونا ہے کہ اس سے قبل اتنی تنگ جگہ پر تو کبھی داخل نہیں ہوا۔

چوتھا فرشتہ اس وقت آتا ہے جب اس کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ کہتا

ہے یَا ابْنَ آدَمَ بِالْاَمْسِ کُنْتَ عَلٰی ظَهْرِهَا مَاشِیًا وَالْیَوْمَ اَصْبَحْتَ فِیْ بَطْنِهَا مُضْطَجِعًا اے ابن آدم! کل تو جس زمین کی پشت پر چلتا پھرتا تھا آج تو اس کے پیٹ میں پہنچ چکا ہے۔ بِالْاَمْسِ کُنْتَ عَلٰی ظَهْرِهَا مُذْنِبًا وَالْیَوْمَ اَمْسَیْتَ فِیْ بَطْنِهَا نَادِمًا کل تو اس کی پشت پر گناہ کرتا تھا آج اس کے پیٹ میں ندامت اٹھائے گا۔

پانچواں فرشتہ اس وقت آتا ہے جب اس کی قبر مکمل ہو کر اس پر مٹی ڈالی جا چکی ہوتی ہے۔ اور اس کے تمام احباب واپس جا چکے ہوتے ہیں۔ تو وہ کہتا ہے یَا ابْنَ آدَمَ دَفَنُوْکَ وَ تَرَکُوْکَ وَلَوْاَقَامُوْا عِنْدَکَ مَانَفَعُوْکَ اے ابن آدم! انہوں نے تیرے اوپر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈال دی اور تجھے اکیلا چھوڑ کر چلے گئے اگر یہاں رہ بھی جاتے تو تجھے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ یَا ابْنَ آدَمَ جَمَعْتَ الْمَالَ وَ تَرَکْتَ لِغَیْرِکَ اے ابن آدم! تو نے مال جمع کیا اور جائداد بنائی آج وہ سب تو غیروں کے لیے چھوڑ کر آ گیا یَا ابْنَ آدَمَ اَلْیَوْمَ تَصِیْرُ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ الْعَالِیَةِ اَوْ اِلٰی نَارٍ حَامِیَةٍ اے ابن آدم! یہاں ایمان وعمل کا سودا ہے آج یا تو تجھے جنت کا اعلیٰ درجہ ملے گا یا پھر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ تیرے لیے منتظر ہے (بحرالدموع)

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں ہے   سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں ہے

وہ دن کیسا ہو گا؟

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَ اِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ (الانفطار)

اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور تارے جھڑ جائیں گے اور دریا بہہ پڑیں گے اور قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ تب ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا

بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَ هَا الخ (سورۃ زلزال) کہ جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور اپنے اندر کے بوجھ نکال دے گی اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس دن وہ زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔
آپؐ نے صحابہؓ سے سوال فرمایا اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُ هَا؟ جانتے ہو زمین کیا خبریں دے گی؟ صحابہؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو آپؐ نے فرمایا فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ وَ اَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا کہ اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر مرد اور عورت کے بارے میں بتا دے گی کہ انہوں نے فلاں دن فلاں وقت میری پشت پر یہ یہ کام کیے تھے۔

ھمیں کس نے اٹھا دیا:

وَ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَاوَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (سورہ یاسین) اور جس وقت صور پھونکا جائے گا تو یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ پھر کہیں گے کہ ہائے ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ پھر جواباً اللہ کے فرشتے کہیں گے هٰذَا مَاوَعَدَالرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہ وہی تو ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور اللہ کے رسولوں نے سچ ہی کہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ قبروں سے اٹھ کر کفار پر اتنی گھبراہٹ طاری ہوگی کہ وہ عذاب قبر کو اس کے بالمقابل ہلکا سمجھیں گے۔ اسی لیے تو کہیں گے مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یعنی اس کی نسبت تو ہم آرام میں تھے۔

شدید گھبراہٹ:

وہ دن اتنی گھبراہٹ اور پریشانی کا ہوگا کہ مائیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گے۔حتیٰ کہ حمل والیوں کے حمل بھی گر جائیں گے یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَ مَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (سورۃ الحج) یعنی وہ دن اتنا ہولناک ہوگا کہ تو دیکھے گا کہ تمام دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھے مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ مدہوش نہیں ہونگے بلکہ اللہ کا عذاب انتہائی سخت ہوگا۔

وہ دن اتنا ہیبت ناک ہوگا کہ مارے دہشت اور خوف کے بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا اے کافرو! اس دن سے کیونکر بچ سکو گے وہ دن تو لڑکوں کو بھی بوڑھا کر دے گا۔ یہ کنایہ ہے اس کی سختی اور شدت سے کہ بالفرض اگر کوئی حاملہ ہوگی تو اس کا حمل گر جائے گا اور اگر کوئی بچہ ہوگا تو خوف والم سے اس کا سر سفید ہو جائے گا۔

ننگا بدن:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا یُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا کہ قیامت والے دن لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن بن ختنہ کیے ہوئے اکٹھے کیے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ اے اللہ کے رسولؐ! مرد بھی ہوں گے اور عورتیں بھی ہوں گی۔ ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو بڑی شرم آئے گی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً ارشاد فرمایا يَا عَائِشَةُ

اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ یَّنْظُرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ (مسلم) اے عائشہ مصیبت اتنی سخت ہوگی کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش بھی نہ ہوگا۔

تین قسم کے لوگ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ تین گروہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ صِنْفًا رُکْبَانًا ایک گروہ تو ایسا ہوگا جس کے لیے سواریاں لائی جائیں گی۔ اور ان پر بڑے ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ سوار کیے جائیں گے۔ وَصِنْفًا مُشَاۃً اور ایک گروہ ایسا ہوگا جو پا پیادہ چلے گا اور اللہ کے حضور حاضر ہوگا۔ وَصِنْفًا عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اور ایک گروہ ایسا ہوگا جو منہ کے بل چلے گا۔ صحابہ کرامؓ یہ سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ! منہ کے بل کس طرح چلیں گے؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً ارشاد فرمایا اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاھُمْ عَلَی الْاَقْدَامِ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَھُمْ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ (ترمذی) کہ جس ذات نے انہیں قدموں کے بل چلنا سکھایا وہی قیامت والے دن انہیں اپنی قدرت سے منہ کے بل چلائے گا۔ یعنی وہ انتہائی خوار اور ذلیل ہو کر اپنے چہرے کو زمین پر گھسٹتے ہوئے چلنے پر مجبور ہوں گے۔

پسینے کی لگام:

اس دن ساری خلقت ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر اپنے رب کے حضور پیش ہو جائے گی۔ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رب العالمین کے حضور حاضری ہوگی۔ زمین انتہائی گرم ہوگی' سورج انتہائی قریب آ جائے گا اور لوگ اپنے اپنے پسینہ میں غرق ہوں گے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تُدْنَی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰی تَکُوْنُ مِنْھُمْ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ کہ سورج

لوگوں کے اتنا قریب آ جائے گا کہ یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر رہ جائے گا۔ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِى الْعَرَقِ لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینہ پسینہ ہو جائیں گے۔ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ بعض لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا۔ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ بعض ایسے ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک ہوگا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُوْنُ اِلٰى حَقْوَيْهِ بعض ایسے ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کی کمر تک آ جائے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا (مسلم) کہ بعض وہ لوگ ہوں گے کہ جن کو پسینے کی لگام دی جائے گی۔ یعنی ان کا پسینہ ان کے منہ میں جا رہا ہوگا اور وہ بڑی مشکل سے سانس لے رہے ہونگے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل اگر کوئی دفتر میں ہے

کلیجے مُنہ کو:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس دن کی شدت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (سورۃ غافر) کہ ان کو قریب آ جانے والے اس دن سے ڈراؤ جب کہ دل غم سے بھر کر گلوں تک آ رہے ہونگے اور ظالموں کا کوئی دوست اور سفارشی نہ ہوگا کہ جس کی بات قبول کی جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ تو آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی جانتا ہے۔

جلالتِ الٰہی:

اس دن اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کا یہ عالم ہوگا کہ زمین وآسمان اس کی مٹھی میں ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سورۃ زمر) کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر وعظمت نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر وعظمت کا حق تھا۔ وہ تو اتنی عظمت والی ذات ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے۔ وہ پاک وبرتر ہے ہر اس چیز سے جسے لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ زمین و آسمان کو مٹھی میں لیکر اللہ تعالیٰ اعلان فرمائینگے۔ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ؟ اَيْنَ الْجَبَابِرَةُ؟ کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ؟ کہاں ہیں دنیا کی سپر طاقتیں؟ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ؟ بتاؤ آج بادشاہی کس کی ہے؟

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا یہ عالم ہوگا کہ اس سوال کے جواب میں کسی کو دم مارنے کی جرأت بھی نہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ آج اکیلے اللہ کی بادشاہی ہے۔

فرشتوں کی حالت:

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے سامنے مقرب ترین فرشتے بھی بولنے کی جرأت نہ کرسکیں گے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا (سورۃ النبا،) جس دن روح الامین اور دیگر فرشتے صف باندھے کھڑے ہونگے کوئی بول بھی نہ سکے گا مگر جس کو اللہ تعالیٰ اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔

اپنی فکر:

وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ کوئی کسی کو نفع نہ پہنچا سکے گا ہر ایک اپنی فکر میں سر گرداں ہوگا یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ (سورۃ عبس) اس دن انسان اپنے بھائی سے دور بھاگے گا اور اپنی ماں اور باپ سے اور اپنی بیوی اور بیٹوں سے۔ ہر ایک شخص اس دن محض اپنی فکر میں ہوگا اور دوسروں سے لاپرواہ ہوگا۔ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ جس دن مال اور اولاد کسی کام نہ آئیں گے۔

تین مواقع:

ایک دفعہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آخرت کو یاد فرمایا تو اس کے خوف سے رونے لگیں۔ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے سوال فرمایا مَا یُبْکِیْکِ یَا عَائِشَۃُ؟ اے عائشہ کیوں رو رہی ہو؟ عرض کرنے لگیں ذَکَرْتُ النَّارَ فَبَکَیْتُ میں نے جہنم کو یاد کیا تو رونا آ گیا۔ پھر ساتھ ہی سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تَذْکُرُوْنَ اَهْلِیْکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا اَمَّا فِیْ ثَلَاثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا یَذْکُرُ اَحَدٌ اَحَدًا کہ تین مواقع ایسے ہیں کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔

۱) عِنْدَ الْمِیْزَانِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیَخِفُّ مِیْزَانُهٗ اَمْ یَثْقُلُ؟ ایک وزن اعمال کے وقت۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری؟

۲) عِنْدَ الْکِتَابِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَیْنَ یَقَعُ کِتَابُهٗ فِیْ یَمِیْنِهٖ اَمْ فِیْ شِمَالِهٖ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهٖ دوسرا اعمال نامے کے ملنے کے وقت۔ یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملتا ہے یا پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ

میں ملتا ہے۔

۳) عِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَیْنَ ظَهْرَیْ جَهَنَّمَ (ابوداؤد) تیسرا پل صراط سے گزرتے وقت۔ جب اسے جہنم کے اوپر رکھا جائے گا۔

یعنی یہ مواقع ایسے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی فکر میں ڈوبا ہوا ہوگا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔

اپنے اعضاء کی گواہی:

غیر تو غیر رہے قیامت کے دن تو انسان کے اپنے اعضاء بھی اس کے خلاف گواہی دینے لگ جائیں گے۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (سورہ یاسین) آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے اس کی بابت ان کے ہاتھ ہم سے بیان کریں گے اور انکے پاؤں اس کی گواہی دیں گے۔

ایک اور مقام پر فرمایا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان کے کان، آنکھیں اور چمڑیاں ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گی۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ (سورہ حم سجدہ) پھر وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ حالانکہ آج سے پہلے تم کبھی نہیں بولے تھے آج کیوں بول پڑے؟ تو وہ جواب دیں گے اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ ہمیں اسی اللہ نے آج بولنا سکھایا جس نے سب کو قوت گویائی عطا فرمائی۔

پانچ سوال:

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک آدمی کو لازماً پانچ

سوالات کے جوابات دینے ہونگے۔ لَا تَزُوْلُ قَدَ مَا اِبْنِ آدَمَ حَتّٰی يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اِكْتَسَبَهٗ وَ فِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَ مَا ذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ (ترمذی) کہ اس وقت تک آدمی کے پاؤں سرکنے نہیں دیے جائیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق پوچھ نہ لیا جائے۔

۱) اس کی عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کس کام میں صرف کی؟

۲) اس کی جوانی کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ کہاں کھپائی؟

۳) مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کن ذرائع سے کمایا؟

۴) پھر وہ مال کہاں کہاں خرچ کیا؟

۵) اس کے علم کے بارے میں سوال کیا جائیگا کہ اس پر کس حد تک عمل کیا؟

اَعمال نامہ:

اللہ تعالٰی ارشاد فرماتے ہیں وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (سورہ اسراء) کہ ہم نے ہر آدمی کا عمل اس کے ساتھ لازم کر کے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ نکالیں گے جس کو وہ اپنے سامنے کھلا ہوا دیکھ لے گا اور ہم کہیں گے اپنا اعمال نامہ آج خود ہی پڑھ لے آج تو اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔

☆ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (سورہ کہف) اور لوگوں کا اعمال نامہ سامنے لا کر رکھا جائے گا اور تو دیکھے گا کہ

گنہ گار ڈرنے والے ہیں اس چیز سے جو اس میں ہے۔ اور کہیں گے ہائے افسوس! یہ کیسا اعمال نامہ ہے جو کہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی چیز کو۔ مگر اس کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور جو جو اعمال انہوں نے کیے تھے ان کو موجود پائیں گے اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

☆ بعض خوش نصیب ایسے ہوں گے جن کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا وہ تو انتہائی خوشی اور مسرت کے عالم میں دوسروں کو بلا بلا کر اپنا اعمال نامہ دکھائیں گے۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَیَقُوْلُ ھَاؤُمُ اقْرَءُوْا کِتَابِیَهْ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلَاقٍ حِسَابِیَهْ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ الخ (سورة الحاقہ) کہ جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دوسروں سے کہے گا کہ لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ مجھے میرا حساب ضرور ملے گا۔ پس وہ شخص من مانی زندگی میں ہوگا۔

☆ بعض بدنصیب ایسے ہونگے جن کا اعمال نامہ ان کی پیٹھ کے پیچھے سے ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِشِمَالِہٖ فَیَقُوْلُ یَالَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتَابِیَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَاحِسَابِیَهْ یَالَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ مَا اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَهْ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ الخ (سورة الحاقہ) اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا ہائے کاش مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔ مجھے میرا حساب معلوم ہی نہ ہوتا۔ ہائے کاش! کہ موت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میرا کام تمام کر چکی ہوتی! آج میرا مال کچھ بھی میرے کام نہ آیا۔ ہائے آج میری سلطنت بھی خاک میں مل گئی۔ پھر حکم ہوگا اسے پکڑ لو پھر اسے جکڑ لو اور پھر اسے جہنم کی آگ میں ڈال دو۔

کلیدِ دَرِ جنّت:

گرامی قدر سامعین! یہ بات یاد رکھیں کہ قیامت والے دن فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہی لوگ مستحق ہونگے جن کا عقیدہ وایمان درست ہوگا۔

عقائد میں سے سب سے مہتم بالشان عقیدہ عقیدہ توحید ہے اس میں اگر کچھ بھی خامی ہوئی تو کامیابی ناممکن ہے۔ گویا جنت کی کنجی یہی عقیدہ توحید ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ کہ دو چیزیں دو چیزوں کو لازم کر دیتی ہیں۔ صحابہؓ نے سوال کیا کہ وہ دو چیزیں کون سی ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَ مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (مسلم)

۱) جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا تھا اس کے لئے جہنم لازم ہوگئی۔

۲) اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اس کے لیے جنت لازم ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے بچائے اور جنت میں داخلہ نصیب فرمائے۔ آمین

نظر سوئے دنیا قدم سوئے مرقد
کدھر جار ہے ہو کدھر دیکھتے ہو

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۴:- فضیلتِ توبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ الخ (تحریم) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج کی اس مجلس میں آپ کے سامنے توبہ کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا۔

توبہ کیا ہے؟

توبہ کا لغوی معنی ہے مائل ہونا، رجوع کرنا، لوٹنا وغیرہ۔ یہ لفظ بندے کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی۔ یعنی جب کوئی گنہ گار بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو کہا جاتا ہے تَابَ اِلَى اللّٰهِ.. اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر نظر رحمت کرتا ہے تو کہا جاتا ہے تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ.. اس لیے اللہ تعالیٰ کا ایک نام "تواب" بھی ہے۔

توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندے سے جب کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہو جائے تو وہ فوراً اس کے انجام بد سے ڈر جائے اور اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہو جائے۔ پھر وہ اپنے کیے پر ندامت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا پکا عزم کرے۔

یاد رکھیے! انسان خطا کا پتلا ہے اس سے گناہ تو ہو ہی جاتا ہے۔ اصل

گناہ یہ ہے کہ گناہ کو گناہ نہ سمجھا جائے یا اس پر مداومت کی جائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام نے ارشاد فرمایا کُلُّ بَنِیْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ (ترمذی) کہ تمام بنی آدم خطاء کار ہیں اور بہترین خطاء کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔

توبہ کا وقت:

ارشاد خداوندی ہے اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (سورۃ النساء) کہ بے شک اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرماتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو ساری عمر برے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے تو اس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو کفر کی حالت میں مر جائیں ایسے لوگوں کے لیے ہم نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

یعنی اصل اور حقیقی توبہ یہ ہے کہ گناہ ہوتے ہی فوراً ندامت کا احساس ہو جائے اور بندہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ (ترمذی) کہ جب تک بندے پر جان کنی کی کیفیت طاری نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ (مسلم) کہ قربِ قیامت میں سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے اگر کسی نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرمالے گا۔

تَوبہ کے اَرکان:

قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے چار ارکان ہیں (ا) اِعْتِرَافُ بِالذَّنْبِ یعنی اپنے گناہ کو گناہ سمجھے اور اس پر ندامت اختیار کرے۔ (ب) اِقْلَاعٌ مِنَ الذَّنْبِ یعنی فوری طور پر اس گناہ سے رک جائے اگر گناہ کی طرف ایک قدم اٹھ گیا ہے تو دوسرا مت اٹھائے۔ (ج) عَزْمٌ اَنْ لَّا یَعُوْدَ اَبَدًا یعنی دوبارہ ایسا کام نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے عزم بالجزم کرے۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرے کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ (د) اِلَّا سْتِغْفَارُ یعنی اس گناہ کے جو اثرات دل پر پڑ چکے ہیں اور ظلمت چھا چکی ہے اس کا ازالہ کرنے کے لیے استغفار کرے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے۔ (ھ) اگر اس معصیت کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو پانچواں رکن یہ ہے کہ ان حقوق کی ادائیگی کرے یا معاف کرائے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے راہ چلتے کسی کا پاؤں غفلت و بےخبری کی وجہ سے گندگی یا کیچڑ وغیرہ میں آ گیا تو سب سے پہلے اس کے دل میں احساس پیدا ہوگا کہ یہ قدم غلط رکھا گیا ہے۔ پھر وہ اگلا قدم اٹھانے سے باز آ جائے گا۔ پھر اس کے دل میں عزم پیدا ہوگا کہ آئندہ ایسے راستہ پر نہ آؤں گا۔ بعد ازاں وہ اپنے پاؤں پر لگی ہوئی گندگی کے نشانات کو مٹائے گا۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات ذہن میں رکھیں کہ توبہ درحقیت دل کا ایک فعل ہے۔ محض زبان سے توبہ توبہ کہہ دینے کا نام توبہ نہیں ہے۔ جب تک دل میں احساس ندامت نہیں ہوگا اور آئندہ کے لیے اجتناب معصیت کا عزم نہیں بنے گا

توبہ مکمل نہیں ہوگی۔

تَوبۃً نَصُوحًا:

قرآن مجید میں ایسی ہی توبہ کو تَوْبَةً نَّصُوْحًا یعنی سچی توبہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے یَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ الخ (سورۃ تحریم) کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے آگے سچے دل سے توبہ کرو۔ امید ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تمہیں جنت کے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخلہ نصیب فرمائے گا۔ اور جب انہی شرائط کے ساتھ سچی توبہ کی جائے تو اس کے بارہ میں فرمایا گیا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ (ابن ماجہ) کہ گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت فرما رہے تھے۔ آپؓ نے دیکھا کہ سامنے سے ایک من چلا نوجوان شراب کی بوتل لیے آ رہا ہے۔ جونہی اس نوجوان کی نظر حضرت عمرؓ پر پڑی تو وہ خوف زدہ ہو گیا اور بوتل کو قمیض کے نیچے چھپا لیا۔ حضرت عمرؓ بھانپ گئے۔ آپؓ نے اسے روک کر تلاشی لی اور بوتل برآمد کر لی اور اس نوجوان سے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ اب وہ بتائے تو کیا بتائے؟ جان چھڑانے کے لیے جھوٹ بول دیا اور کہنے لگا کہ اس میں سرکہ ہے۔ آپؓ نے بوتل ہاتھ میں لے لی اور چیک کرنے کے لیے اس کا منہ کھولنے لگے۔ وہ نوجوان اتنا خوف زدہ ہوا کہ دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی کہ اے اللہ میں اپنے کیے پر نادم ہوں مجھے اب کی بار بچا لے میں آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ اس کی توبہ میں اتنا خلوص تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کو سچ کر

دکھایا اور شراب کو سرکے میں مبدل فرما دیا۔ حضرت عمرؓ نے خود بھی چیک کیا اور دوسروں سے بھی چیک کرایا تو وہ سرکہ ہی تھا۔

شیطان کا رونا:

ایسی ہی توبہ سے شیطان انتہائی پشیمان ہوتا ہے اور افسوس کرتا ہے اور کہتا ہے اَھْلَکْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوْبِ وَ اَھْلَکُوْنِیْ بِلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَالْاِسْتِغْفَارِ (ابویعلی) کہ میں نے بندوں سے گناہ کروا کر انہیں ہلاک کر دیا اور انہوں نے سچی توبہ کر کے لا الہ الا اللہ پڑھ کر اور استغفار پڑھ کر میری ساری محنت کو ضائع کر دیا۔

اللہ کا خوش ہونا:

ایسی ہی سچی توبہ سے اللہ تعالیٰ بے انتہا خوش ہوتے ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ ایک بندے نے گناہ کیا پھر اسے ندامت ہوئی تو کہنے لگا۔ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْہُ اے اللہ! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا مجھے معاف فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر فرمانے لگے اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَاْخُذُبِہٖ میرا بندہ اتنا تو جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ میں نے اپنے بندے کو معاف فرما دیا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد پھر اس نے گناہ کیا۔ پھر اسی طرح ندامت ہوئی اور توبہ کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے پھر یہی فرمایا اَعَلِمَ عَبْدِیْ اَنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ یَاْخُذُبِہٖ اور معاف فرما دیا۔ کچھ وقت کے بعد اس بندے نے پھر گناہ کر لیا اور توبہ کرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے پھر اس کا گناہ معاف فرما دیا اور ارشاد فرمایا غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَا شَآءَ (بخاری) کہ میں نے اپنے بندے کو بخش

دیا اب جو اس کا جی چاہے کرے۔ مطلب یہ ہے کہ مرے بندے تو جتنی مرتبہ بھی گناہ کر کے اس طرح استغفار کرتا رہے گا' میں تجھے معافی دیتا رہوں گا۔

توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوتا ہے؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ کہ جیسے کوئی شخص اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر سفر کرتا ہوا ایک بہت بڑے صحرا کو عبور کر رہا ہو۔ راستے میں ایک جگہ وہ کچھ آرام کرنے کے لئے رکا تو اسکی آنکھ لگ گئی۔ پھر جب بیدار ہوا تو اس کی وہ اونٹنی کہیں گم ہو چکی تھی۔ اس کا سارا اثاثہ سب کھانا پانی اس اونٹنی پر موجود تھا۔ اس نے صحرا میں اپنی اونٹنی کو بہت تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ اب کرے تو کیا کرے؟ نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو' اور موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ جب وہ بالکل مایوس ہو گیا اور اسے اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اب میں اس صحرا میں اکیلا بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ تو ایک جھاڑی کے نیچے آ کر موت کے انتظار میں لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کی وہی گم شدہ اونٹنی سامنے کھڑی ہے اور سارا سامان اس کے اوپر جوں کا توں موجود ہے۔ اب وہ تو انتہائی خوش ہوا گویا اسے نئی زندگی مل گئی ہے۔ اس نے لپک کر اونٹنی کو پکڑ لیا پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَ اَنَا رَبُّکَ کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ شدید خوشی کیوجہ سے جملہ بھی الٹا بول دیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْهِ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جب کوئی گنہ گار بندہ توبہ کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس اونٹنی والے سے بھی زیادہ

خوشی ہوتی ہے کہ میرا بھٹکا ہوا بندہ میرے دروازے پر واپس آ گیا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تو یہ عالم ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے اسے آواز دیتا ہے۔ یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ اے انسان! کس نے تجھے اپنے کریم رب سے دھوکے میں ڈال دیا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ تیرا رب تو اتنا کریم ہے کہ اس نے اس وقت بھی تیری ضروریات کا خیال رکھا جب تو مانگنے کے قابل ہی نہ تھا۔ ماں کے پیٹ میں تجھے تخلیق کیا پھر تسویہ اور تعدیل سے نوازا۔ اے انسان! آج تو مانگنے کے قابل ہو گیا مجھ سے روٹھ کر کیوں دور جا رہا ہے۔ واپس آ جا! میری رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔

گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ — باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ

صد بار اگر تو بہ شکستی باز آ — کیں درگاہ ما درگاہ نا امیدی نیست

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ پھر جب گناہ گار بندہ توبہ کے ارادے سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑھ کر اس کا استقبال کرتی ہے۔ حدیث قدسی ہے اِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا کہ جب بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں۔ وَاِذَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْہُ بَاعًا اور جب بندہ میری طرف ایک گز بڑھتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دو گز بڑھتی ہے۔ وَاِذَا اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً (بخاری) اور جب بندہ میر طرف چل کر آتا ہے تو میری رحمت دوڑ کر اس کا استقبال کرتی ہے۔

حضورؐ کا توبہ کرنا:

گرامی قدر سامعین! توبہ محض گناہ بخشوانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ یہ

ایک ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا بے انتہاء قرب بھی نصیب ہوتا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کے دامن پر گناہ کا داغ تک نہ تھا وہ بھی اللہ کے حضور توبہ کر کے اس کے تقرب کے خواہاں رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا یَا اَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ (مسلم) اے لوگو! اللہ کے حضور توبہ کیا کرو میں بھی اللہ کے حضور دن میں سوسو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے خود گنا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہی نشست میں سوسو دفعہ اللہ کے حضور عرض کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ (ترمذی) اے میرے رب مجھے معاف فرما دے۔ مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما۔ بیشک تو بہت ہی عنایت فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ کی یہ توبہ گناہ بخشوانے کے لیے نہ تھی بلکہ بلندی درجات کے لیے تھی۔

رحمت کا بہانہ:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تو محض ایک بہانہ چاہیے بس آدمی تھوڑی سی محنت کرے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت لپک کر اسے تھام لیتی ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سابقہ امتوں میں سے ایک شخص کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ بہت بڑا ظالم اور قاتل تھا۔ حتیٰ کہ اس نے ننانوے آدمیوں کو بے گناہ قتل کر رکھا تھا۔ بعد ازاں اس کے دل میں توبہ کا خیال آیا۔ چنانچہ وہ ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے ساری بات بیان کر کے پوچھا ھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَۃٍ کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تیری توبہ کس طرح قبول

ہو سکتی ہے؟ اگر ایک شخص کو بھی ناحق قتل کر دیا جائے تو اس کی سزا جہنم ہے اور تو نے تو ننانوے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ اس قاتل کو غصہ آیا اور فوراً اس راہب کو بھی قتل کر دیا فَكَمَّلَ مِائَةً اور سو پورے کر دیے؟ اب وہ ایک دوسرے عالم کے پاس گیا اور اس سے یہی سوال کیا کہ میں نے سو آدمیوں کو ناحق قتل کیا ہے۔ کیا میری توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟ اس عالم نے جواب دیا کہ توبہ کا دروازہ تو قیامت تک کھلا ہے۔ اگر اب بھی تو صدقِ دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ یقیناً تجھے معاف فرما دے گا۔ وہ کہنے لگا بتایئے پھر میں کیا کروں؟

اس عالم نے اسے مشورہ دیا کہ اب تو اس علاقے کو چھوڑ دے۔ فلاں بستی میں چلا جا۔ وہاں کچھ نیک لوگ موجود ہیں بقیہ زندگی ان کی معیت میں عبادت، توبہ واستغفار میں گزار دے۔

چنانچہ وہ اس عالم کے کہنے کے مطابق رختِ سفر باندھ کر اس بستی کی طرف چل پڑا۔ خدا کی قدرت کہ ابھی وہ راستہ میں ہی تھا کہ اس کی موت کا وقت آ گیا اور دونوں قسم کے فرشتے قبضِ روح کے لیے آ گئے۔ ملائکہ عذاب بھی آ گئے اور ملائکہ رحمت بھی۔ پھر دونوں قسم کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے کہ یہ ہمارا ہے۔ اس کی روح ہم نے لے جانی ہے۔ ملائکہ رحمت کہنے لگے جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهٖ إِلَى اللهِ تَعَالٰى کہ یہ سچے دل سے توبہ کرنے کے لیے چل پڑا تھا۔ ملائکہ عذاب کہنے لگے إِنَّهٗ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ کہ ابھی تک تو اس نے کوئی نیکی کا کام کیا ہی نہیں ہے۔

جب یہ دونوں قسم کے فرشتے آپس میں جھگڑ رہے تھے اور دلائل دے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک تیسرے فرشتے کو انسانی شکل میں وہاں بھیج دیا انہوں نے اسے اپنا فیصل اور حکم مان کر اس سے فیصلہ چاہا۔ اس نے فیصلہ کرتے

ہوئے کہا کہ اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے؟ قِیْسُوْا مَا بَیْنَ الْاَرْضَیْنِ دونوں طرف کا فاصلہ ناپ لو۔ اگر یہ برائی کی سرزمین کے قریب پایا جائے تو برا شمار ہوگا اور عذاب والے فرشتے اس کی روح لے جائیں گے۔ اور اگر یہ نیکی کی سرزمین کے قریب پایا گیا تو نیک شمار ہوگا اور رحمت والے فرشتے اس کی روح لے جائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ درحقیقت یہ شخص ابھی برائی والی بستی کے قریب ہی تھا اور نیک لوگوں کی بستی سے دور تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آیا فَاَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی ھٰذِہٖ اَنْ تَقَرَّبِیْ وَاِلٰی ھٰذِہٖ اَنْ تَبَاعَدِیْ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو حکم دیا کہ تو سکڑ کر قریب ہو جا اور دوسری طرف کی سرزمین کو حکم دیا کہ تو پھیل جا اور فاصلہ زیادہ کر دے۔

چنانچہ فرشتوں نے جب فاصلہ ناپا فَوَجَدُوْہُ اِلٰی ھٰذِہٖ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ تو اسے نیکی کی سرزمین کی طرف بالشت بھر قریب پایا۔ فَغَفَرَ لَہٗ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی (بخاری)

توبہ کی روح اور جان:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین مخلص صحابہ کرامؓ کی توبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اور توبہ کی قبولیت سے پہلے ان کی دلی کیفیت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں تو یہی دلی کیفیت درحقیقت توبہ کی روح اور جان ہے۔

وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَیْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (سورۃ توبہ) اور ان تینوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے نظر عنایت فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ

جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے یقین کرلیا کہ خدا تعالیٰ سے خود اس کی ذات کے ماسوا کوئی پناہ نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی فرمائی تا کہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

گرامی قدر سامعین! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرامؓ کی تین حالتوں کو بیان فرمایا ہے۔ (ا) زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہونے لگی۔ (ب) ان کی اپنی زندگی اور جان ان پر بوجھ بن گئی۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے انتہائی بے قرار ہوگئے۔ (ج) انہیں یقین ہوگیا کہ اب اللہ تعالیٰ سے بچانے والا اس کی اپنی ذات کے ماسوا اور کوئی نہیں۔ یعنی وہ اس کے غضب سے بھاگ کر اس کے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈنے لگے۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر رحمت فرمائی اور ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔

حضرت کعبؓ کا بیان:

ان تینوں صحابہ (کعب بن مالکؓ۔ ہلال بن امیہؓ۔ مرارہ بن ربیعؓ) میں سے حضرت کعب بن مالکؓ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ہم تینوں کی غلطی یہ تھی کہ ہم نے بغیر کسی عذر اور مجبوری کے محض غفلت اور سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔

فرماتے ہیں کہ جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں معذرت کے لیے حاضر ہوا۔ آپ کے پوچھنے پر میں نے بالکل سچ عرض کر دیا کہ مجھے کوئی عذر اور مجبوری نہ تھی یہ محض میری غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا قُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيْكَ اب چلے جاؤ تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا۔

لوگوں نے مجھے کہا کہ اس کی بجائے اگر تو کوئی عذر کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استغفار کی درخواست کرتا تو وہ تیرے حق میں بہتر تھا۔ مگر میرا موقف یہ تھا کہ سچ میں ہی نجات ہے۔

مجھے پتہ چلا کہ میرے علاوہ دو صالح شخص اور بھی ہیں جن کا معاملہ اسی طرح التواء میں رکھا گیا ہے۔ بعد میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم تینوں سے بولنے کی بھی ممانعت فرما دی اور لوگوں نے ہم سے بولنا چھوڑ دیا۔ اب اپنے بھی پرائے ہو گئے اور میری بے قراری کی انتہاء نہ رہی۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ اگر میں اس حال میں مر گیا تو حضورؐ میرا جنازہ بھی نہ پڑھائیں گے اور اگر خدانخواستہ حضورؐ کا وصال ہو گیا تو میں ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہوں گا۔

فرماتے ہیں کہ اس حال میں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا غم و الم کا ایک ایک لمحہ سالوں کے برابر معلوم ہوتا تھا۔ بعض اوقات میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور بڑے غور سے دیکھتا هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ اَمْ لَا کہ کیا سلام کے جواب میں حضورؐ کے لب ہلے ہیں یا نہیں؟ آپؐ کے قریب جا کر نماز پڑھتا اور آنکھ چرا کر دیکھتا کہ حضورؐ مجھے دیکھتے بھی ہیں یا نہیں؟ یہی حالات گزر رہے تھے کہ میں ایک دن اپنے چچا زاد بھائی ابوقتادہؓ کو ملنے گیا کہ وہ میرے ساتھ دلی محبت رکھتا ہے میرا غم بانٹے گا۔ میں نے اسے جا کر سلام کیا فَوَاللّٰهِ مَا رَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ اللہ کی قسم اس نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ اب تو میری حالت غیر ہو گئی اور میں نے اس سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والا نہیں ہوں؟ بار بار پوچھنے پر اس نے کہہ دیا۔ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فَفَاضَتْ عَيْنَايَ وَ تَوَلَّيْتُ میری آنکھوں

میں آ نسو آ گئے اور میں واپس آ گیا۔

پھر ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھے غسان کے کافر بادشاہ کا خط دیا جس میں مجھے عیسائیت کی دعوت دی گئی تھی کہ تمہارے آقا نے تمہاری بے عزتی اور بے قدری کی حد کر دی۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہیں عزت دیں گے۔ خط پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے کہ اب تو کفار بھی مجھ سے امیدیں باندھنے لگے۔ چنانچہ میں نے وہ خط ایک تنور کے اندر جھونک دیا۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جا کر سارا ماجرا عرض کر دیا مگر آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔

پھر چالیس دن کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاصد میرے پاس آپ کا یہ پیغام لایا کہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لوں۔ میں نے جواباً عرض کیا اگر طلاق دینے کا حکم ہے تو میں ابھی اس کے لیے تیار ہوں۔ مجھے بتایا گیا کہ صرف علیحدگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ میں نے یہ حکم بسر و چشم قبول کر لیا اور اپنی بیوی کو میکے بھیج دیا۔ اب نہ تو گھر کے اندر میرا کوئی مونس و غمخوار رہا اور نہ باہر۔ غم و حزن کی وجہ سے زمین میرے لیے تنگ ہو چکی تھی حتیٰ کہ میری جان بھی میرے لیے گراں تھی۔ خدا کے حضور ہمہ وقت رو رو کر عرض کرتا کہ مولا اب تیرے سوا میرا کون ہے؟

چنانچہ پچاسویں دن میں اسی حزن و ملال میں صبح کی نماز کے بعد گھر کی چھت پر بیٹھا تھا کہ جبل سلع کی چوٹی پر سے ایک آدمی نے آواز دی یَا کَعْبُ بْنُ مَالِكٍ اَبْشِرْ اے کعب تجھے خوش خبری ہو۔ یہ بات سن کر میں سمجھ گیا کہ کام بن گیا ہے۔ اور اللہ کے حضور فوراً سجدے میں گر گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا۔ پھر ایک صاحب جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر مجھے یہ عظیم خوشخبری سنانے

آئے کہ صبح کی نماز کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہاری معافی کا اعلان فرما دیا ہے۔ میں نے اپنے وجود کے کپڑے اتار کر فوراً اس کی نذر کر دیے اور خود ادھار مانگ کر پہن لیے اور فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ لوگ دھڑا دھڑ اٹھ کر مجھے مبارکباد دینے لگے۔

میں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر سلام عرض کیا وَهُوَيَبْرُقُ وَ جْهُهٗ تو آپ کا رخ انور خوشی کی وجہ سے کھل رہا تھا۔ آپؐ نے بڑے تپاک سے میرے سلام کا جواب دیا اور مبارکباد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا اَبْشِرْ بِخَیْرِیَوْمٍ مَرَّعَلَیْکَ مُنْذُ وَلَدَتْکَ اُمُّکَ اے کعب جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے آج سے زیادہ خوشی کا دن تیرے لیے کوئی نہیں۔ میں نے عرض کیا اَمِنْ عِنْدِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَمْ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ اے اللہ کے رسولؐ! یہ قبولیت توبہ آپؐ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا بَلْ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ تیری توبہ کی قبولیت کا پروانہ بارگاہ ایزدی سے آیا ہے۔

پھر آپؐ نے قرآن مجید کی وہ آیات تلاوت فرمائیں جو ہماری توبہ کی قبولیت کے ضمن میں نازل ہوئی تھیں وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ الخ (بخاری)۔

اَللّٰہ کی رحمت وسیع ہے:

گرامی قدر سامعین! اگر اس طرح سچے دل سے توبہ کی جائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وہ گناہوں کی کثرت وقلت نہیں دیکھتا بلکہ ہمارے دل کی کیفیت کو دیکھتا ہے۔ حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَا ابْنَ آدَمَ اِنَّکَ مَا دَعَوْتَنِیْ وَ رَجَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ عَلٰی مَاکَانَ مِنْکَ وَلَا اُبَالِیْ اے ابن آدم جب تو مجھے پکارتا ہے اور مجھ سے امید لگاتا ہے تو میں

تیرے سارے گناہ بخش دوں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے یَا ابْنَ آدَمَ لَوْبَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَا اُبَالِیْ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندی تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تیرے سارے گناہ بخش دوں گا مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یَا ابْنَ آدَمَ اِنَّکَ لَوْاَتَیْتَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَایَا ثُمَّ لَقِیْتَنِیْ لَا تُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَاَتَیْتُکَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً (ترمذی) اے ابن آدم! اگر تو زمین بھر گناہوں کو لے کر میرے دروازے پر آئے اور تو مجھے اس حال میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو تو میں زمین بھر مغفرت کے ساتھ تجھے ملوں گا۔

ایک حدیث میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِکُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی فَیَغْفِرُلَهُمْ (مسلم) کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ کرنا چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایسے لوگ لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں گے پس اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا۔

مطلب یہ ہے کہ بندے کا استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب ہے بالفرض اگر سارے لوگ انتہائی پارسا بن جائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں فوراً جنت میں پہنچادے گا اور ایسے لوگوں کو زمین میں بسائے گا جو گناہ بھی کریں گے اور استغفار بھی کریں گے۔

خوفِ خُدا:

خوف خدا کا پیدا ہو جانا توبہ کی بنیاد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ پر مامور فرشتوں کو حکم ارشاد فرمائے گا اَخْرِجُوْا مِنَ

النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ (ترمذی) جس شخص نے کبھی بھی مجھے یاد کیا یا کسی موقعہ پر جو بندہ مجھ سے ڈر گیا اسے دوزخ سے نکال لیا جائے۔

ایک حدیث میں ہے اِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا (البزاز) کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑ جاتے ہیں جیسے کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَامِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ (ابن ماجہ) کہ اللہ کے خوف اور خشیت سے جس بندہ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ آنسو مقدار میں مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتش دوزخ کے لیے حرام کردے گا۔

ایک زانیہ عورت:

حدیث کی کتب میں واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت سے زنا سرزد ہوگیا۔ ارتکاب معصیت کے بعد فوراً اس کے دل میں خوف خدا پیدا ہوگیا اور وہ قیامت والے دن کی سزا سے ڈر گئی۔ فوراً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی يَا رَسُوْلَ اللهِ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَيَّ اے اللہ کے رسولؐ! میں نے گناہ کرلیا ہے میرے اوپر حد جاری فرمائیے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بی بی تو ہوش میں تو ہے؟ کیا کہہ رہی ہے؟ کیا واقعی تو نے اس گناہ کا حقیقی ارتکاب کیا ہے؟ ہوسکتا ہے تیرا گناہ حد

جاری کرنے کی حد تک نہ ہو؟ وہ اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگی کہ اس گناہ کا ثبوت تو میرے پیٹ میں ناجائز بچے کی صورت میں بھی موجود ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک بچہ پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک تیرے اوپر حد جاری نہیں کی جاسکتی۔ بچے کی پیدائش کے بعد آنا۔ اس عورت پر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا کہ وہ روتی ہوئی واپس چلی گئی کہ پتہ نہیں زندگی وفا کرے یا نہ کرے؟

کچھ عرصہ کے بعد جب اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو پھر خدمت نبوی میں حاضر ہو کر حد جاری کرنے کا مطالبہ کرنے لگی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب اس بچے کا دودھ چھڑا لے تب آنا۔ کچھ عرصہ گزرا تو پھر حاضر خدمت ہوگئی۔ اس کے بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا اور کہنے لگی اے اللہ کے رسولؐ! دیکھیے اب تو یہ روٹی بھی کھا رہا ہے۔ میں نے اس کا دودھ بھی چھڑا دیا ہے۔ براہ مہربانی مجھے پاک کیجئے۔ آپؐ نے بچے کی کفالت کا انتظام فرما کر اس پر حد جاری فرمائی اور اس کو رجم کیا گیا۔

بعد ازاں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا جنازہ پڑھا تو حضرت عمرؓ نے حیران ہو کر سوال کیا تُصَلِّیْ عَلَیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ قَدْ زَنَتْ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے ایک زانیہ عورت کا جنازہ کیسے پڑھا دیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَیْنَ سَبْعِیْنَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ لَوَسِعَتْهُمْ (مسلم) اس عورت نے ایسی بے مثال توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ مدینہ منورہ کے ستر مستحق عذاب گنہ گاروں پر تقسیم کی جائے تو ان کی بخشش کے لیے کافی ہو جائے۔

ناامیدی گناہ ہے:

گرامی قدر سامعین! خوف خدا کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش کی امید رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس نے خود ارشاد فرمایا ہے لَا تَیْئَسُوْا مِنْ

رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (سورۃ یوسف) کہ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ۔ بے شک اللہ کی رحمت سے کافر ہی نا امید ہوا کرتے ہیں۔

گناہ گار لوگوں کے نام اس نے خود پیغام بھیجا ہے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (سورۃ زمر) کہ اے میرے گناہ گار بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

حضرت حمزہ ؓ کا قاتل:

جنگ اُحد میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وحشی بن حرب نے نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کیا۔ صرف شہید کرنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ان کے چہرے کو بگاڑ دیا' ناک' کان' ہونٹ اور آنکھیں وغیرہ سب کاٹ دیے اور چہرے پر اتنی ضربیں لگائیں کہ شناخت ناممکن ہوگئی۔ بلکہ اس نے ان کا پیٹ چاک کر کے اعضاء رئیسہ نکال کر ان کے بھی ٹکڑے کر دیے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا کی لاش دیکھ کر بے اختیار رو پڑے حتیٰ کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی۔

مدت مدید کے بعد اس وحشی نے یہ پیغام بھیجا کہ اب اسلام کی حقانیت میرے اوپر واضح ہو چکی ہے اور میں ایمان لانا چاہتا ہوں۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کوئی بات نہیں اسے آنے دو مجھے اس کے قتل کی نسبت اس کا اسلام لانا زیادہ محبوب ہے۔

وحشی کو جب یہ پیغام ملا تو کہنے لگا کہ قرآن مجید کی ایک آیت میرے

اسلام لانے سے رکاوٹ بن رہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (الفرقان) وہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو الہ نہیں پکارتے اور جس جان کو مار ڈالنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریقہ پر اور زناء بھی نہیں کرتے اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ جہنم کی وادی میں گرایا جائیگا۔ قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہوگا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا۔

وحشی کہنے لگا میں نے شرک بھی کیا ہے۔ قاتل بھی ہوں، زانی بھی ہوں میں نے تو ان تینوں گناہوں کا ارتکاب کیا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی وعید سنائی ہے۔ اس لیے میں اب اسلام قبول کر کے کیا کروں گا؟

وحشی کا یہ پیغام جب دربار رسالت میں پہنچا تو آپ نے توقف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے وحشی کی طلب پر اگلی آیت بطور استثناء کے بھیج دی اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ آیت لکھ کر بھیج دی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری خاطر استثناء کر دیا ہے۔

وحشی یہ آیت سن کر کہنے لگا اِنَّ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ شُرُوْطًا کہ اس آیت میں تو بڑی شرطیں لگائی گئی ہیں۔ یعنی توبہ بھی کرے، ایمان بھی لائے، ساری عمر اعمال صالحہ بھی کرے۔ یہ معاملہ تو بڑا سخت ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جب اس کا یہ پیغام پہنچا تو پھر آپ نے توقف فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ

يُشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ کہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا سب گناہوں کو جس کے لیے چاہے گا معاف کر دے گا۔ وحشی یہ آیت سن کر کہنے لگا اِنَّ فِیْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اِخْتِصَاصًا کہ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت تو اس کی مشیت کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے کہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔ پتہ نہیں وہ کس کے لیے چاہے گا اور کس کے لیے نہیں؟

وحشی کا جب یہ اعتراض آپؐ کی خدمت میں پہنچا تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہوئے سر آسمان کی طرف اٹھایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (سورہ زمر) اے پیغمبر! میری طرف سے میرے ان بندوں کو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے پیغام دے دیجیے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تو سب گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

آپؐ نے جب یہ آیت اس کی طرف لکھ کر بھیجی تو وہ کہنے لگا اب بات بنی ہے۔ اور پھر اس نے مدینہ منورہ آ کر اسلام قبول کیا۔ آپؐ نے اسے ارشاد فرمایا کہ ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کر تجھے دیکھ کر چچا حمزہؓ کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔

میں بھی حساب کروں گا:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور آپؐ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے کرم و بخشش کی باتیں کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ یقیناً مجھے معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اعرابی کو کہہ دیجیے لَا يَغُرَّنَّهٗ حِلْمُنَا وَلَا كَرَمُنَا کہ ہمارے حلم اور کرم پر غرہ نہ

ہو جائے۔ دوسری طرف بھی دھیان کرے نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ کہ اگر میں غفور و رحیم ہوں تو سخت عذاب دینے والا بھی ہوں۔ فَقَدْ نُحَاسِبُهٗ عَلَی الْقَلِیْلِ وَ الْکَثِیْرِ ہم اس کا ذرے ذرے کا حساب لیں گے۔

آپؐ نے جب اس دیہاتی کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا تو وہ بڑا حیران ہوا اور سوال کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ اتنی عظمت و شان رکھنے کے باوجود میرے ساتھ ذرے ذرے کا حساب کرے گا؟ ہم نے تو لین دین میں اتنا باریک حساب کبھی نہیں کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو اس کے عدل کا تقاضا ہے وہ تو سرسوں کے دانے کے برابر بھی برائی ہوگی تو اس کا بھی حساب کرے گا۔

اب وہ دیہاتی جوش میں آ گیا اور کہنے لگا وَعِزَّتِهٖ وَ جَلَالِهٖ مجھے اس کے جلال و عظمت کی قسم! اِنْ حَاسَبَنِیْ لَاُحَاسِبَنَّهٗ اگر وہ میرا حساب کرے گا تو میں بھی اس کا حساب کروں گا۔ صحابہ کرامؓ اس کے یہ بیباک جملے سن کر کانپ گئے۔ آپؐ نے پوچھا تو اللہ تعالیٰ کا کیا حساب کرے گا؟ وہ کہنے لگا اگر وہ قیامت دن میرے گناہوں کا حساب کرے گا تو میں اس کی مغفرت کا حساب کروں گا۔ وہ میری خطاؤں کا حساب کرے گا تو میں اس کی معافی کا حساب کروں گا۔ وہ میرے بخل کا حساب کرے گا تو میں اس کی جود و سخا کا حساب کروں گا۔

دیہاتی کی یہ باتیں سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ میرے پیغمبر دیہاتی ٹھیک کہتا ہے۔ یہ تو طے شدہ بات ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ قَدْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ کہ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے۔ اس لیے دیہاتی کو پیغام دے دیجیے لَا یُحَاسِبُنَا وَلَا نُحَاسِبُهٗ نہ وہ قیامت کے دن ہمارا حساب کرے اور نہ ہم اس کا

حساب کریں گے فَإِنَّهُ رَفِيقُكَ فِي الْجَنَّةِ وہ جنت میں آپ کا ساتھی ہوگا۔

سَيِّدُ الإستغفار:

حدیث پاک میں استغفار وتوبہ کے متعدد صیغے آئے ہیں مگر یہ ایسے کلمات ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو سید الاستغفار کا درجہ دیا ہے۔ اگر کسی نے ان کلمات کو صبح پڑھا اور شام تک مرگیا تو سیدھا جنت میں جائے گا۔ اور جس نے شام کو پڑھا اور صبح تک مرگیا تو وہ بھی سیدھا جنت میں جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (مسلم) اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا۔ میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد اور وعدے پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں آپ سے اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو میرے عمل میں ہے۔ اور میں ان نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں جو آپ نے مجھے پر کیں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ پس اے اللہ! تو مجھے بخش دے تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا اور کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توبہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین



۱۵ :- فضیلتِ تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۲ پ ۴) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! آج میں آپ کے سامنے تقویٰ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

تقویٰ کیا ہے ؟

تقویٰ اصل میں ''وقویٰ'' ہے عربی زبان کی رو سے اس کا معنی ہے بچنا' پرہیز کرنا' لحاظ کرنا وغیرہ۔

شریعت کی اصطلاح میں یہ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ یعنی جب دل اللہ تعالیٰ کی عظمت سے معمور ہو اور ہر جگہ اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہو۔ روز جزاء یعنی قیامت کے دن پر پکا ایمان ہو۔ جنت و جہنم کے مناظر گویا آنکھوں کے سامنے ہوں۔ پھر دل کے اندر خیر و شر کی تمیز کی خلش پیدا ہو کر خیر کی طرف جو رغبت اور شر سے جو نفرت پیدا ہوتی ہے اس کا نام تقویٰ ہے۔ آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے شدید نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی اطاعت کا سچا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تقویٰ کا مرکز اور مقام انسان کا قلب ہے۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو بار بار بیان کیا گیا ہے وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (حج) کہ جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرتے ہیں وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (حجرات) یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے واسطے جانچ لیا ہے۔

ان آیات میں غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید نے تقویٰ کا مرکز دل ہی کو قرار دیا ہے۔

حضرت اُبی بن کعبؓ کا معنیٰ:

ایک دفعہ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال فرمایا کہ اے ابیؓ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا خصوصی فہم عطاء فرمایا ہے۔ مجھے بتائیے کہ تقویٰ کا معنیٰ کیا ہے؟ حضرت اُبی بن کعبؓ نے جواباً عرض کیا "امیر المؤمنین! کیا زندگی میں کبھی آپ کا گزر ایسی جگہ سے ہوا ہے جہاں ہر طرف خاردار جھاڑیاں اور کانٹے ہی کانٹے ہوں۔ راستہ بھی تنگ ہو اور گزرنا بھی ضروری ہو؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں کئی دفعہ ایسے پُر خطر اور پُر پیچ راستوں سے گزر ہوا ہے۔ حضرت ابیؓ بولے امیر المومنینؓ! پھر آپ وہاں سے کیسے گزرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس طرح گزرتا ہوں کہ دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے ہر طرف دھیان ہوتا ہے۔ اپنے دامن کو سمیٹتے ہوئے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے پوری احتیاط سے گزرتا ہوں کہ کہیں سے کوئی کانٹا نقصان نہ پہنچائے۔

حضرت ابی بن کعبؓ مسکرائے اور فرمایا امیر المومنین! اسی حزم و احتیاط کا نام تقویٰ ہے۔ زندگی کے راستے میں ہر طرف شیطان نے فسق و فجور کے کانٹے

بچا رکھے ہیں۔ خالق کائنات کو اس لعین نے چیلنج دے رکھا ہے لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ (اعراف) کہ میں بھی تیرے راستے میں ان کو گمراہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے یعنی ہر طرف سے حملہ کروں گا۔ نفس و شیطان کے ان حملوں سے اپنے آپ کو بچانے کا نام ہی تقویٰ ہے۔

تُجھے اجازت نہیں:

گرامی قدر سامعین! پھر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور حزم و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ آپ کے ہاں بحرین سے کستوری آئی۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اسے تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپؓ کی بیوی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے رضا کارانہ طور پر تولنے کا عندیہ ظاہر کیا۔ آپؓ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ جب بیوی نے بار بار عرض کیا تو آپؓ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور فرمایا کہ میں کسی اور سے تو یہ کام کروا لوں گا مگر تجھے یہ کستوری تولنے کی اجازت ہر گز نہیں دوں گا۔ پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ مال سب مسلمانوں کا ہے اور تولتے ہوئے کچھ ذرات تیرے ہاتھ سے لگ جائیں گے اور تو اس سے فائدہ اٹھائے گی۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ اتنی سی مقدار کی بھی زیادتی مجھے یا میرے گھر والوں کو حاصل ہو۔

اِطاعت اُورتقویٰ:

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے احکام دو قسم کے ہیں کچھ کام وہ ہیں جنہیں کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کچھ کام وہ ہیں جن

سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر کام کا ایک ایجابی پہلو ہوتا ہے کہ اسے پورا کرو اور ایک سلبی پہلو ہوتا ہے کہ ان باتوں سے بچو۔ کرنے کے جو کام ہیں انہیں اطاعت کہہ لیجئے اور نہ کرنے کا جو کام ہیں انہیں تقویٰ کا نام دے لیجئے۔ پھر ہر معروف کام کی حدود اس طرح بیان کر دی گئی ہیں کہ ان سے انسان آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اسی حد بندی کا نام تقویٰ ہے۔ مثلاً نماز ایک کرنے کا کام ہے اور پھر اس کے اندر کتنے ہی ایسے افعال ہیں جن کے نہ کرنے کا حکم دے کر انہیں گناہ شمار کیا گیا ہے۔ حج ایک کرنے کا کام ہے اور اس کے اندر کتنی ایسی باتیں ہیں جنہیں نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ جس طرح ہم کرنے کے کام کرتے ہیں یعنی نیکیاں کرتے ہیں اسی طرح نہ کرنے کے کام یعنی گناہوں سے بھی بچیں۔ اطاعت اور تقویٰ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اطاعت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک تقویٰ اختیار نہ کریں اور تقویٰ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اطاعت اختیار نہ کریں۔ ایجابی اور سلبی دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔

دین کا خُلاصَہ:

سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ اگر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ صرف ایک لفظ میں ہم بیان کرنا چاہیں تو وہ لفظ ''تقویٰ'' ہے۔ یعنی اسلام کی ساری تعلیمات کا مقصد یہ ہے کہ اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح پیدا کی جائے۔

چنانچہ قرآن کریم نے اپنی ابتداء ہی میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ اس کتاب سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کہ یہ کتاب متقین کو راہ دکھاتی ہے۔

اَعمال کا مقصد:

شریعت اسلامیہ کے جتنے اعمال ہیں ان کی غرض و غایت حصول تقویٰ ہی ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا یہ جملہ دہرایا گیا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.. لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.

روزہ کا ذکر آیا تو فرمایا گیا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (سورۃ بقرہ) ایمان والو! تمہارے اوپر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے۔ فرضیت صیام کی غرض و غایت یہی ہے لعلکم تتقون تا کہ تم صاحب تقویٰ بن جاؤ۔

حج کا ذکر آیا تو فرمایا وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورہ حج) کہ جو اللہ تعالیٰ کے شعائر یعنی حج کے ارکان و مقامات کی عزت کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

قربانی کا ذکر آیا تو فرمایا لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى (حج) کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تمہاری قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا لیکن تمہارا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے۔

لباس اور زیب و زینت کا ذکر آیا تو فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (سورۃ بقرہ) اور تقویٰ کا لباس وہ سب سے اچھا ہے۔

حج کے سفر اور زاد راہ کا بیان آیا تو فرمایا وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (سورۃ توبہ) کہ سفر میں زاد راہ لے کر چلو اور سب سے اچھا زاد راہ تقویٰ ہے۔

مساجد جہاں ایک مسلمان کی پیشانی جھکتی ہے اس کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس کی بنیاد بھی تقویٰ پر ہونی چاہیے اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ الخ (سورۃ توبہ) کہ جس نے اس کی عمارت اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر کھڑی کی۔

غرضیکہ اسلام کی ساری عبادات کا منشاء و مقصد حصول تقویٰ ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ) کہ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ تمہیں تقویٰ کی دولت مل جائے۔

خصوصی حکم:

اہل ایمان کو ایمان جیسی دولت ملنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۃ آل عمران) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اسی طرح اختیار کرو جس طرح اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اسلام پر آئے۔

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں! حصول ایمان کے بعد بھی اللہ تعالیٰ حصول تقویٰ کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا یَا اَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (سورۃ احزاب) کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات سیدھی کیا کرو' مطلب یہی ہے کہ ایمان کے بعد بھی تقویٰ کا حکم دینا اس کی اہمیت پر دال ہے۔

شُبہات سے بچنا:

گرامی قدر سامعین! اصل تقویٰ یہ ہے کہ آدمی مشتبہ چیزوں سے بھی اسی طرح بچے جس طرح حرام سے بچنا چاہیے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَ اِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ کہ بے شک حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے وَ بَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ اور ان

دونوں کے درمیان شبہ کی چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ پس جو شخص شبہات سے بھی بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو محفوظ کر لیا۔ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَ قَعَ فِي الْحَرَامِ اور جو آدمی شبہات سے نہ بچا یعنی ان پر عمل کر لیا وہ حرام میں پڑ جائے گا۔

پھر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی بات کو ایک خوبصورت مثال سے یوں سمجھایا کَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ جیسے کوئی چرواہا اپنا ریوڑ کسی کھیت کی باڑ کے قریب چرائے تو عنقریب ایسا ہوگا کہ اس کا ریوڑ کھیت کے اندر ہی پہنچ جائے گا۔

پھر آپ نے فرمایا اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ خبردار ہر بادشاہ نے اپنا قانون وضع کر کے باڑ یعنی حد بندی لگا دی ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کی حد بندی وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام بتائی ہیں۔ پھر فرمایا اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ خبردار انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ٹکڑا بگڑ جائے اس میں فساد اور خرابی آ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ (بخاری) خبردار وہ ٹکڑا انسان کا دل ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے بار بار فرمایا اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا يُشِيْرُ اِلَى الْقَلْبِ یعنی اپنے دل کے طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تقویٰ یہاں دل میں ہوتا ہے۔ تقویٰ کا اصل مرکز دل ہی ہے۔

صدقہ کی ایک کھجور:

حدیث شریف میں ہے کہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر میں پڑی ہوئی ایک کھجور ملی تو آپ نے ارشاد فرمایا لَوْلَا اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ لَاَکَلْتُھَا (بخاری) کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہے تو میں اسے اٹھا کر کھالیتا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کو اس کھجور کے متعلق شک ہوا کہ صدقہ کی ہے یا غیر صدقہ کی؟ اگر صدقہ کی تھی تو آپ کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں تھا اور اگر ہدیہ وغیرہ کی تھی تو آپ کو اس کا کھانا جائز تھا۔ مگر آپ نے شبہ سے بچتے ہوئے نہ کھانے کو ترجیح دی۔

حضرت ابوبکرؓ کا تقویٰ:

ایک دفعہ آپ کا ایک غلام کہیں سے کچھ کھانا وغیرہ لے کر آیا۔ آپؓ نے اس سے ایک لقمہ کھالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپؓ روزانہ مجھ سے پوچھتے تھے کہ یہ کھانا وغیرہ کہاں سے لیا ہے۔ آج آپؓ نے پوچھا ہی نہیں؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا حَمَلَنِیْ عَلٰی ذَالِکَ الْجُوْعُ شدت بھوک کی وجہ سے پوچھنا یاد نہ رہا۔ اب بتا' تو نے یہ کھانا کہاں سے لیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ میں دور جاہلیت میں کہانت کا کام کرتا تھا۔ میں نے ایک آدمی کو جھوٹی خبر دی تھی اور وہ قدرتی طور پر ٹھیک ثابت ہوئی آج اس کے ساتھ ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے یہ کھانا دیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ بات سن کر فوراً اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ بار بار قے کر کے اپنا معدہ بالکل خالی کر دیا اور آپؓ کی طبیعت انتہائی خراب ہوگئی۔ لوگوں نے سوال کیا رَحِمَکَ اللّٰہُ کُلُّ ھٰذَا مِنْ اَجْلِ لُقْمَۃٍ کہ اللہ آپؓ پر رحم فرمائے کیا یہ سارا کچھ آپ نے محض ایک لقمے کے

لے کیا ہے؟ آپؒ نے ارشاد فرمایاؤَ اللہِ لَوْلَمْ تَخْرُجْ اِلَّا مَعَ نَفْسِیْ لَاَخْرَجْتُهَا
اللہ کی قسم! اگر یہ لقمہ نکالتے نکالتے میری جان بھی نکل جاتی تو مجھے کوئی پرواہ نہ
تھی۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مال حرام سے پرورش
پانے والا جسم آگ ہی کا حق دار ہے (بخاری)۔

حضرت امامِ ابُوحنیفہؒ کا گوشت نہ کھانا:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شہر کوفہ کی بکریوں
میں ایک چوری کی بکری شامل ہوگئی۔ اس بکری کی شناخت ناممکن تھی کہ کون سی
ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ورع اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ چرواہوں سے
جاکر پوچھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک بکری کی عمر کتنی ہوسکتی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ
سات سال۔ آپؒ نے محض شبہ کی بناء پر سات سال تک بکری کا گوشت نہ کھایا کہ
کہیں یہ وہی چوری کی بکری نہ ہو۔

امامِ احمد بن حنبلؒ کا روٹی نہ کھانا:

آپؒ کا ایک بیٹا ایک دفعہ ایک سال تک اصفہان کا قاضی رہا۔ امام احمد
بن حنبلؒ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ حکومتی ملازمت کی وجہ سے ان سے کچھ لے کر نہ
کھاتے تھے۔ ایک دن آپؒ کے لیے روٹی پکائی جا رہی تھی خادم کو اس کے لیے
خمیر کی ضرورت پڑی تو اس نے آپؒ کے بیٹے سے تھوڑا سا خمیر لیکر اس روٹی میں
شامل کرلیا۔ روٹی جب آپؒ کے سامنے آئی تو آپؒ نے پوچھا یہ روٹی کیسی ہے؟
خادم نے جواب دیا کہ خمیر آپ کے بیٹے صالح سے لیا گیا ہے۔ آپؒ نے جواباً
ارشاد فرمایا کہ اس نے ایک سال تک اصفہان میں قضاء کی ہے اس کی روٹی
میرے حلق کے قابل نہیں ہے۔ اسے لے جاؤ۔ خادم نے عرض کیا پھر اس کا کیا

کروں؟ آپؒ نے فرمایا اسے رکھ دو جب کوئی سائل آئے تو دینے سے پہلے اسے بتا دینا کہ خمیر صالح کا ہے اور آٹا احمد کا۔ اگر پسند کرتے ہو تو لے لو۔

خدا کی قدرت وہ روٹی چالیس دن تک پڑی رہی کوئی سائل ہی نہ آیا بالآخر ایک دن خادم نے اسے دریا دجلہ کے اندر پھینک دیا کہ مچھلیاں کھا جائیں۔ آپؒ کو جب اس کا علم ہوا تو دریائے دجلہ کی مچھلی کھانا چھوڑ دی' کہ شاید اس مچھلی نے اس روٹی کا کوئی ٹکڑا کھایا ہو۔

گرامی قدر سامعین! یہ تھا ہمارے اسلاف کا تقویٰ کہ مشتبہ اشیاء سے بھی اسی طرح بچتے تھے جس طرح حرام سے بچنا چاہیے۔

برتری کا معیار:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر بزرگی اور برتری کا معیار بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات) کہ تم میں سے سب سے زیادہ قابل عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہو۔ اس بات کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یوں بیان فرمایا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ اِلَّا بِالدِّيْنِ وَالتَّقْوٰى کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت و برتری کا معیار صرف دین اور تقویٰ ہے۔

اولیاء اللہ کون؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر اپنے دوستوں (اولیاء اللہ) کی نشاں دہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا إِنْ أَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (سورۃ انفال) کہ اللہ تعالیٰ کی ولی اور دوست وہی ہیں جو متقی ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ کہ خبردار سن رکھو کہ جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ آگے ان کی پہچان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ (سورۃ یونس) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے رہے۔

صحابہؓ کا امتحان:

اللہ تعالیٰ نے جب صحابہ کرامؓ کا امتحان لیا تو وہاں بھی تقویٰ ہی کو معیار بنایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ لِلتَّقْوٰی لَہُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ (سورۃ الحجرات) کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا ہے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ ایک اور مقام پر صحابہ کرام پر اپنی عنایات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وَاَلْزَمَہُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِہَا وَاَہْلَہَا (سورۃ الفتح) کہ ان کو تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ یعنی ہم نے صحابہ کرامؓ کے لیے تقویٰ کو لازم کر دیا۔

تقویٰ کا نتیجہ:

سورۃ طلاق میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے اپنے انعامات یوں بیان فرمائے ہیں۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے رنج اور مصائب سے مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔ پھر فرمایا وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ اَمْرِہٖ یُسْرًا کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے

گا۔ پھر فرمایا وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهٖ وَ يُعْظِمْ لَهٗ أَجْرًا کہ جو آدمی تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہ دور کر دے گا اور اسے اجر عظیم عطاء فرمائے گا۔

ایک نمونہ:

تقویٰ اختیار کرنے والے کو کیا کچھ ملتا ہے؟ تاریخ کی کتب میں بطور نمونہ کے ایک واقعہ لکھا ہے کہ گیلان کے قصبہ کا ایک متقی اور صالح نوجوان ایک دفعہ حالت روزہ میں ایک نہر کے کنارے سفر کر رہا تھا۔ اس کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان نہ تھا اور لوگوں سے سوال کرنا اس کی غیرت کے منافی تھا۔

جب شام کو افطاری کا وقت ہوا تو اس نے دیکھا کہ نہر میں ایک سیب بہتا ہوا آ رہا ہے۔ اس نے افطاری کی نیت سے اٹھا کر اس سے روزہ افطار کر لیا اور اوپر سے پانی پی لیا۔ روزہ افطار کرنے کے بعد انتہائی ندامت ہوئی کہ میں نے ایک ایسی شئے سے روزہ افطار کیا ہے جو میری ملکیت میں نہ تھی میرا کیا بنے گا؟ یہ احساس اتنی شدت پکڑ گیا کہ اس نے دوسرے دن نہر کے ساتھ الٹے رخ چلنا شروع کر دیا تا کہ سیب کا مالک تلاش کر کے اس سے معافی مانگ لے۔ کئی میل چلنے کے بعد اسے نہر کے کنارے ایک سیبوں کا باغ نظر آیا جس کی شاخیں نہر پر جھکی ہوئی تھیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ سیب انہی درختوں سے نہر میں گرا ہوگا۔

چنانچہ وہ اس باغ میں چلا گیا اور اس کے مالک کو تلاش کرنے لگا وہاں ایک جھونپڑی میں اسے ایک بوڑھا شخص ملا۔ نوجوان نے اپنی ساری پریشانی اس کے سامنے بیان کی تو وہ کہنے لگا کہ میں اس باغ کا مالک نہیں ہوں۔ میں تو صرف رکھوالا ہوں۔ میں نے تو چالیس سال سے اس کا ایک دانہ بھی بلا اجازت نہیں کھایا۔ بوڑھے نے بتایا کہ اس باغ کے دو مالک ہیں؛ جو دونوں بھائی ہیں اور فلاں

فلاں علاقہ میں رہتے ہیں۔

یہ نوجوان اس باغ کے مالک کی تلاش میں کئی دنوں کا سفر کر کے اس علاقہ میں پہنچ گیا اور اس سے مل کر اس سے معافی مانگی۔ وہ بولا کہ ہم دو بھائی حصہ دار ہیں۔ آدھا حصہ تو معاف کر سکتا ہوں باقی آدھا حصہ تو میرا دوسرا بھائی ہی معاف کرے گا' جو فلاں علاقہ میں رہتا ہے۔

چنانچہ وہ نوجوان اس سے آدھا حصہ معاف کروا کر دوسرے مالک کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ کئی دن کے سفر کے بعد اس کے ہاں پہنچا اور اس سے سارا واقعہ بیان کیا اور معافی مانگی۔ وہ شخص یہ واقعہ سن کر انتہائی متاثر ہوا کہ عجیب قسم کا متقی اور پرہیزگار نوجوان ہے۔ اس نے اس کے اخلاق و عادات کا جائزہ لینے کے لیے کہا کہ یہ معافی دو شرطوں پر مل سکتی ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ میرے ہاں ایک سال تک رہ کر میری نوکری کرو اور میری بکریاں چراؤ اور دوسری شرط اس پہلی شرط کی تکمیل کے بعد بتاؤں گا۔ نوجوان کے اندر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا کہ محض آدھے سیب کی معافی کے لیے ایک سال تک اس کے ہاں نوکری کرتا رہا۔

ایک سال کے بعد اس نے دوسری شرط بتائی کہ تجھے اب میری لڑکی ام الخیر سے شادی کرنی ہوگی۔ جو اندھی' بہری' گونگی اور لنگڑی بھی ہے۔ نوجوان بڑا گھبرایا کہ یہ عجیب شادی ہے کہ دلہن اندھی بھی ہے' بہری بھی' گونگی بھی اور لنگڑی بھی؟ بہرحال مجبوراً وہ اس پر راضی ہو گیا کہ کسی نہ کسی طرح وہ آدھا سیب معاف ہو جائے۔ پھر جب وہ حجلہ عروسی میں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں تو ایک انتہائی خوبصورت لڑکی موجود ہے جس کے اندر اس قسم کا کوئی عیب نہیں ہے۔ اسے وہ نامحرم سمجھ کر محض اللہ کے خوف سے اس کے قریب تک نہ گیا کہ کہیں ساری عمر کا تقویٰ ہی ضائع نہ ہو جائے۔

صبح جب مالک نے پوچھا کہ آپ کی بیوی کیسی ہے؟ تو وہ ڈرتے ہوئے کہنے لگا کہ وہ تو کوئی اور لڑکی تھی۔ میں تو اس کے قریب تک نہ گیا۔ اب اس مالک نے بتایا کہ وہی تو میری بیٹی ام الخیر ہے جس کے ساتھ میں نے تیری شادی کی ہے۔ دراصل تو میری بات نہیں سمجھا وہ اندھی اس طرح ہے کہ اتنی شریف اور پاکباز ہے کہ آج تک اس نے کسی غیرمحرم کونہیں دیکھا۔ بہری اس طرح ہے کہ آج تک اس نے کسی غیر مرد کی بات نہیں سنی۔ گونگی اس طرح ہے کہ آج تک اس نے غیر مرد کے ساتھ کلام نہیں کی اور لنگڑی اس طرح ہے کہ آج تک اس نے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا۔ یہی تیری بیوی ہے میں نے تجھے رشتہ بھی دیا اور تیری پرہیز گاری اور تقوئی کو دیکھ کر تجھے فلاں باغ بھی دے دیا۔ اور گھر وغیرہ بنانے کے لیے یہ سو دینار بھی حاضر ہیں۔

چنانچہ انہی فرشتہ خصال والدین کے ہاں پھر حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوئے۔ (دیباچہ غنیۃ الطالبین)

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس نوجوان کو ہر طرح سے نواز دیا اور اپنا وعدہ سچ کر دکھا دیا۔ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

مُتّقین کے لیے اِنعامات:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان کیا ہے وہاں ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ یہ سب کچھ میں نے متقین کے لیے تیار کیا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ كَذٰلِكَ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ الخ (دخان) کہ متقی لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔ یعنی باغات اور چشموں میں

ہوں گے۔ ریشم کا باریک اور دبیز لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ وہاں اس طرح کا حال ہوگا۔ اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی سفید رنگ کی عورتوں سے ان کی شادی کر دیں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ فٰكِهِيْنَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَ وَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ (الطور) بے شک متقی لوگ باغات اور نعمتوں میں ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے ان کو عطاء کیا ہے اس کی وجہ سے خوشحال ہوں گے۔ اور ان کے رب نے انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیا ہے۔ اپنے اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔ وہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جو برابر برابر بچھے ہوئے ہونگے۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا عقد کر دیں گے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ آخِذِيْنَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلاً مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِا الْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (سورة الذاریات) بے شک متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ اپنے پروردگار سے نعمتوں پر نعمتیں وصول کر رہے ہونگے۔ بے شک وہ اس سے پہلے نیکیاں کرتے تھے۔ رات کے تھوڑے حصہ میں سوتے تھے اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلَالٍ وَّ عُيُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ (المرسلات) بے شک متقی لوگ سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں گے۔ جو اعمال تم کرتے تھے ان کے بدلے میں

مزے سے کھاؤ اور پیو۔ ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا حَدَائِقَ وَاَعْنَابًا وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَّكَاْسًا دِهَاقًا لَايَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا (سورۃ النباء) بے شک متقین کے لیے سراسر کامیابی ہے یعنی باغات اور انگور اور ہم عمر نوجوان عورتیں اور شراب (طہور) کے چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انعام کثیر۔

جَنّت مُتّقین کی:

گرامی قدر سامعین! قرآن مجید نے جا بجا یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ جنت دراصل ہے ہی متقین کی اور انہیں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ (سورۃ ق) اور جنت متقین کے قریب کر دی جائے گی کہ مطلق دور نہ ہوگی۔ یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یعنی ہر رجوع لانے والے اور حفاظت کرنیوالے سے۔

ایک اور مقام پر فرمایا مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ (سورۃ الرعد) جس جنت کا متقین کے لیے وعدہ کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس کے پھل ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں اور اس کے سائے بھی۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔

یہاں یہ بیان کر دیا گیا کہ دراصل جنت کا وعدہ متقین ہی کیلئے کیا گیا ہے۔

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ آل عمران) کہ اپنے پروردگار کی بخشش اور

بہشت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

گرامی قدر سامعین! آیت ہٰذا کے اس جملہ پر غور فرمائیں "اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ" یہاں اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے کہ جنت تیار ہی متقین کے لیے کی گئی ہے۔

مُتّقین کی نشست:

متقین کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کتنے اونچے مقام پر فائز فرمائے گا؟ اس کی وضاحت اس آیت سے ہو رہی ہے۔اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (سورۃ القمر) کہ جو لوگ متقی ہیں وہ باغات اور نہروں میں ہوں گے۔ بیٹھے ہوں گے سچی بیٹھک میں۔ نزدیک بادشاہ کے جو ہر طرح کی قدرت رکھنے والا ہے۔

آیت ہٰذا کے اس جملہ پر غور فرمائیں تو متقین کا مقام واضح ہو گا "عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ" یعنی قیامت والے دن جن لوگوں کو اس بادشاہ مقتدر کا قرب نصیب ہو گا وہ متقی ہی ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت کے ساتھ ہمیں بھی یہ سعادت نصیب فرمائے۔(آمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۶:- فضیلتِ ذکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلَاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا (سورۃ احزاب) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! ذکر اللہ کا معنی ہے ''اللہ کی یاد'' یہ لفظاً اپنے وسیع معنی کے لحاظ سے نماز' تلاوت' دعاء اور استغفار سب کو شامل ہے۔ لیکن مخصوص اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس' اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفات کمال کے بیان اور دھیان کو ذکر اللہ کہا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بیان کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اور دھیان کا تعلق دل کے ساتھ۔ زبان سے اگر اللہ کا ذکر کیا جائے تو اسے ذکر لسانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اگر دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ذکر قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اَعمال کی رُوح:

اگر آپ قرآن و حدیث میں غور فرمائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ذکر اللہ تمام اعمال کی روح اور جان ہے۔ ہر عمل اگر مقبول ہوتا ہے تو ذکر اللہ کی وجہ سے۔ اگر نماز میں ذکر اللہ اور یاد خداوندی نہ ہو تو نماز بے روح ہو جائے گی۔ روزے میں ذکر اللہ نہ ہو تو روزہ بے روح ہو جائے گا۔ زکوٰۃ میں ذکر اللہ نہ ہو تو زکوٰۃ بے روح ہو جائے گی۔ یعنی سارے اعمال شرعیہ کی روح اور جان ذکر اللہ اور یاد خداوندی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ کہ

اللہ کا ذکر بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

کثرتِ ذکر:

ارشاد ربانی ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا (سورۃ احزاب) کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہو۔

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جتنی چیزیں بھی فرض فرمائی ہیں کسی نہ کسی درجے میں انکی حد مقرر کر دی ہے۔ نمازوں کی ایک مخصوص تعداد اور رکعات ہیں۔ روزے کی بھی ایک تعداد معین ہے۔ زکوٰۃ کی شرح مقرر ہے۔ حج کے اعمال بھی متعین اور مخصوص ہیں۔ لیکن ذکر اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ رات میں' دن میں' سفر میں حضر میں' بیماری میں' صحت میں یہی حکم ہے اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

ایک حدیث پاک میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ (الترغیب) کہ اتنی کثرت سے اللہ کا ذکر کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمہیں ریاکار کہنے لگیں (الترغیب) مطلب یہ ہے کہ کوئی تمہیں مجنون کہے یا ریاکار۔ تمہیں اپنے کام سے کام ہونا چاہیے۔ لوگوں کی باتوں میں نہ آنا چاہیے۔

عقلمند کون؟

لوگ تو شاید اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کو مجنون سمجھیں' مگر قرآن کریم

نے انہیں لوگوں کو عقلمند گردانا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ الخ (سورۃ آل عمران) کہ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُولِی الْاَلْبَابِ یعنی اہل عقل کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں وہی عقل مند لوگ ہیں۔

ایک حدیث میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا یُنَادِیْ مُنَادٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَیْنَ اُولُو الْاَلْبَابِ کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقل مند لوگ کہاں ہیں؟ سب لوگ اس آواز کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے کہ عقل مندوں سے کون مراد ہیں؟ جواب ملے گا اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَ قُعُوْدًا وَ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ الخ وہی لوگ مراد ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ پھر ان لوگوں کے لیے ایک جھنڈا تجویز کیا جائے گا جس کے پیچھے یہ سب لوگ جائیں گے۔ وَقَالَ لَهُمْ اُدْخُلُوْ هَا خَالِدِیْنَ (الترغیب) پھر انہیں کہا جائے گا کہ ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اطمینانِ قلب:

آج کے دور کی یہ بہت بڑی پرابلم ہے کہ ہر شخص مختلف پریشانیوں کا شکار ہے۔ جس ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جاؤ یہی جواب ملتا ہے کہ ٹینشن ہے۔ ہر

انسان اس ٹینشن سے نجات پانے کا متلاشی ہے۔ کہ کسی طرح میری یہ پریشانی یہ ٹینشن یہ مصیبت ختم ہو جائے۔

ان مصائب کے ختم نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نہ تو ہماری تشخیص درست ہے اور نہ ہی علاج۔ یعنی دونوں غلط ہیں۔ تشخیص کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ہم نے بیماری کی تہہ اور جڑ کو تلاش نہیں کیا۔ یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہے کہ ہم نے بیماری' دکھ' افلاس' قید و بند وغیرہ کو مصیبت سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ مصیبت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسباب مصیبت ہیں۔ حقیقی مصیبت یہ ہے کہ ان اسباب مصیبت سے دل متاثر ہو۔ دل کا اثر لینا ہی حقیقی مصیبت اور دکھ ہے۔

اس کا علاج دو طرح ممکن ہے۔

(۱) یا تو ان تمام عوارضات و حوادثات کو بالکل ختم کر دیا جائے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

(۲) یا پھر دل کا علاج کر لیا جائے کہ ہمارا دل ان سے متاثر نہ ہو۔

پہلا علاج تو بالکل ناممکن ہے۔ باوجود اس کے ساری دنیا اس میں لگی ہوئی ہے کہ حوادثات و عوارضات کو ختم کر لیا جائے۔ یہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اضداد بنایا ہے اس میں اگر آرام ہے تو آلام بھی ہیں۔ سکھ ہے تو دکھ بھی ہے۔ صحت ہے تو مرض بھی ہے۔ شادی ہے تو غمی بھی ہے۔ یہ چیزیں ہمیشہ ساتھ ساتھ چلیں گی۔ انکو ختم کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

دوسرا علاج البتہ ممکن ہے کہ حوادثات سے نظر ہٹا کہ دل کا تعلق اللہ کی ذات سے قائم کر لیا جائے۔ اس کے ساتھ رشتہ عبودیت و محبت قائم کر کے اس پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے اپنی چاہتوں کو ختم کر کے اس کی چاہت اور منشاء کو قبول کر لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عَبْدِیْ اَنْتَ تُرِیْدُ وَ اَنَا اُرِیْدُ وَلَا یَکُوْنُ اِلَّا مَا اُرِیْدُ میرے بندے ایک تیری چاہت ہے۔ ایک میری چاہت ہے۔ اور ہوگا تو وہی جو میری چاہت ہے۔ فَاِنْ سَلَّمْتَ لِیْ فِیْمَا اُرِیْدُ کَفَیْتُکَ فِیْمَا تُرِیْدُ اگر تو میری چاہت پر راضی ہو جائے تو میں تجھے راضی کر دوں گا۔ یعنی اگر آدمی راضی برضاء الٰہی ہو جائے ہر وقت دل میں اپنے خالق کی یاد بسالے مصائب و حوادث کو اس کی منشاء سمجھ کر قبول کر لے تو بس اطمینان ہی اطمینان ہے۔ ساری ٹینشن ختم۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطمینان قلب کا یہی نسخہ بیان فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ (سورۃ رعد)

افلاطون کا سوال:

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اگر آسمان کو کمان سمجھ لیا جائے۔ مصائب و حوادث کو تیر سمجھ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ کو تیر انداز مان لیا جائے تو کیا بچنے کی کوئی صورت ہے؟ بچ کر آدمی جائے تو کہاں جائے؟ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور انبیاء کرامؑ فہم و فراست اور حکمت و بصیرت کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ہاں پھر بھی بچنے کی صورت ہے۔ وہ کہنے لگا کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا آدمی تیرانداز کے پہلو میں آ کر کھڑا ہو جائے۔ خود بخود بچ جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر لے۔ یادِ خداوندی کو اپنا وظیفہ بنا لے۔ اسے اپنے دل میں بسالے۔ سب مصائب خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

تُم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا:

ارشاد خداوندی ہے فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ) میرے بندو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ گرامی قدر سامعین! یہ بہت بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یاد کرے۔ ہم نے تو اس کے احسانات وانعامات کی بنیاد پر بہر حال یاد کرنا ہی ہے۔ یہ اس کا فضل ہے کہ وہ ہمیں یاد کرے۔

ایک حدیث پاک میں ہے کہ جب کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی تسبیح وتقدیس بیان کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس مجلس پر چار انعامات فرماتے ہیں۔

الف) حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ اللہ کے فرشتے اس مجلس کو اپنے نورانی پروں کے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔

ب) غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ اللہ کی رحمت ان لوگوں کو مکمل طور پر ڈھانپ لیتی ہے۔

ج) نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں سکینت واطمینان نازل فرماتے ہیں۔

د) وَذَكَرَهُمُ اللّٰہُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ اپنے مقرب فرشتوں کے درمیان کرتے ہیں (ترمذی)۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذْ ذَكَرَنِیْ کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں بالکل اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ فَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَاِنْ ذَكَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُ (بخاری) کہ جب میرا بندہ مجھے اکیلا یاد کرے تو میں بھی اس کو اکیلا یاد کرتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرے تو میں اس کو اس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں۔ یعنی بندہ اسے گنہ گاروں میں یاد کرے تو وہ اسے پاکوں میں یاد کرتا

ہے۔ بندہ اسے فرش پہ یاد کرے تو وہ اسے عرش پہ یاد کرتا ہے۔

سِرّی ذِکر:

اس لیے علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ذکر بالجہر سے سری ذکر بہر حال افضل ہے۔ اور بعض اوقات تو ذکر بالجہر بدعت کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (سورۃ اعراف) اور اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کر نہایت عاجزی کے ساتھ اور آہستہ آہستہ۔ اور جہر سے کم آواز میں۔ایک اور مقام پر فرمایا اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (اعراف) کہ اپنے رب کو نہایت عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے یاد کرو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

صحابہ کرامؓ نے ایک موقعہ پر بلند آواز سے ذکر کیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَيْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَهٗ سَمِيْعًا قَرِيْبًا وَهُوَمَعَكُمْ (بخاری) کہ اے لوگو! اپنی جان پر نرمی کرو۔ تم اس کو تو نہیں پکار رہے جو بہرا اور غائب ہو۔ تم تو سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے۔

علامہ حلبیؒ حنفی لکھتے ہیں وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ بِدْعَةٌ مُخَالِفٌ لِلْاَمْرِ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الخ (کبیری) کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الخ۔

گھاٹا پانے والے:

ارشاد ربانی ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِاللهِ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ (المنافقون) اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔ اور جو لوگ اس غفلت میں مبتلا ہو گئے وہ بڑے گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

دنیا ملعون ہے:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّاذِکْرُ اللهِ الخ (ترمذی) کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ وَمَا وَالَاہٗ اور جو چیزیں اس کے قریب ہوں یعنی وہ چیزیں جو اللہ کے قرب کا ذریعہ اور اس کے ذکر میں معین و مددگار ہوں وہ بھی اس لعنت میں شامل نہیں ہیں۔ پھر فرمایا وَ عَالِمًا وَ مُتَعَلِّمًا عالم اور طالب علم بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

جنت کے باغات:

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا کہ جب تمہارا گزر جنت کے باغوں پر ہو تو ان میں خوب چرا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ جنت کے باغات سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا حِلَقُ الذِّکْرِ ذکر کے حلقے (مشکوٰۃ)

مقصد یہ ہے کہ ایسی مجالس کو غنیمت سمجھ کر ان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

حُضور تلاش میں نکلے:

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی مجلس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔
حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ پر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ الخ کہ ان لوگوں کے پاس بیٹھیے۔ جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں۔ تو آپؐ ان کی لوگوں کی تلاش میں نکلے فَوَجَدَ قَوْمًا یَذْکُرُوْنَ اللہَ کچھ لوگوں کو دیکھا جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہیں ثَائِرُ الرَّأْسِ وَ جَافُّ الْجِلْدِ وَ ذُوالثَّوْبِ الْوَاحِدِ ان کے بال پراگندہ تھے۔ ان کی جلد خشک تھی اور یہ صرف ایک ہی کپڑے میں ملبوس تھے۔ یعنی یہ لوگ انتہائی مفلس اور نادار تھے۔ آپؐ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ اَمَرَنِیْ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِیْ مَعَھُمْ (ابن جریر) اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے کہ خود مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دلوں کی صفائی:

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَالَۃٌ وَ صَقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللہِ کہ ہر چیز کی صفائی کے لیے کوئی صیقل ہے اور دلوں کی صیقل اللہ کا ذکر ہے۔ یعنی یہ دلوں کی صفائی کا خاص مسالہ ہے۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے میں جتنا اللہ کا ذکر مؤثر ہے اتنی کوئی اور چیز مؤثر نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کرلیا وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ کہ کیا یہ جہاد سے بھی افضل ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا وَلَا اَنْ یُقَرِّبَ بِسَیْفِہٖ حَتّٰی یَنْقَطِعَ (دعوات کبیر) کہ ہاں! اگر جہاد کرنے والا اللہ کے راستے میں اس قدر تلوار چلائے کہ وہ ٹوٹ جائے تب بھی ذکر اللہ افضل ہے۔

گناہ جھڑنا:

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ (بخاری) کہ جس نے روزانہ سو دفعہ سبحان اللہ وبحمدہ کہہ لیا اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ چاہے وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ذکر کرنے سے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح سوکھے درخت سے پتے جھڑتے ہیں (ترمذی)۔

مُردہ اور زندہ:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ رَبَّهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ (بخاری) کہ ذکر کرنیوالے اور نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ یعنی ذکر کرنے والا زندوں میں شمار اور ذکر نہ کرنے والا مردوں میں شمار ہے۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ اس زندگی اور موت سے قلبی اور روحانی زندگی اور موت مراد ہے۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

فَنِسْيَانُ ذِكْرِ اللهِ مَوْتُ قُلُوْبِهِمْ   وَاَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرُ

وَاَرْوَاحُهُمْ فِيْ وَحْشَةٍ مِنْ جُسُوْمِهِمْ   لَيْسَ لَهُمْ حَتَّى النُّشُوْرِ نُشُوْرُ

اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا ان کے دلوں کی موت ہے اور ان کے جسم زمینی قبروں سے پہلے ان کے قلوب کی قبریں بن گئے ہیں۔ ان کے جسموں میں ان کی روحیں وحشت میں ہیں اور ان کے لیے قیامت اور حشر سے پہلے زندگی

نہیں ہے۔ (مدارج السالکین)

زُبان کی تازگی:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! نیکی کے کام تو بہت سارے ہیں اور یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کہ ان سب کو بجالاؤں۔ آپؐ مجھے کوئی ایسی مختصر سی بات بتادیں جس و میں مضبوطی سے تھام لوں۔ اور ساتھ یہ بھی میری عرض ہے وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ فَأَنْسَى کہ جو کچھ آپؐ بتائیں وہ بہت زیادہ بھی نہ ہو کہ کہیں مجھے بھول ہی نہ جائے۔ تو آپؐ نے ارشادفرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ (ترمذی)۔ کہ اس بات کا اہتمام کرو کہ تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ یعنی ذکر اللہ سے کبھی غافل نہ ہونا۔

دُنیا وَ مَافِيهَا سے افضل:

آپؐ نے ایک موقعہ پر ارشادفرمایا لَأَنْ أَقُوْلَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ (مسلم) کہ سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہ کلمات پوری دنیا سے قیمتی ہیں۔

ایک دفعہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ روزانہ اُحد پہاڑ کے برابر عمل کرلو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ؟ اے اللہ کے رسول! یہ کون کرسکتا ہے؟ تو آپؐ نے ارشادفرمایا كُلُّكُمْ يَسْتَطِيْعُ تم سب کر سکتے ہو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا وَمَا ذَا؟ اے اللہ کے رسول

وہ کونسا عمل ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا سُبْحَانَ اللهِ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ کہ سبحان اللہ اُحد پہاڑ سے افضل ہے۔ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ لا الہ الا اللہ کہنا اُحد پہاڑ سے بڑا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ وَ اللهُ اَكْبَرُ اَعْظَمُ مِنْ اُحُدٍ (زغیب) اسی طرح الحمد للہ اور اللہ اکبر بھی اُحد پہاڑ سے بڑا ہے۔

قرآن مجید کی آیت سے بھی اس مضمون کی تائید ہو رہی ہے وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ کہ اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

حضرت فاطمہؓ کو تلقینِ ذکر:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ایک دن آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ گھر کے کام کاج کر کر کے میری صحت ہی بگڑ گئی ہے۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں پر نشانات پڑ گئے ہیں مشکیزہ اٹھانے کی وجہ سے سینہ زخمی ہو چکا ہے۔ جھاڑو دینے کی وجہ سے کپڑے میلے رہنے لگے ہیں۔ آپؐ کے پاس کل کچھ غلام آئے تھے اگر آپؐ ان میں سے ایک غلام یا باندی مجھے عنایت فرما دیں تو میرے لیے سہولت رہے گی۔ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا سَبَقَكُنَّ يَتَامٰى بَدْرٍ کہ اس سلسلہ میں بدر کے یتیم زیادہ حقدار ہیں۔ پھر فرمایا اِتَّقِي اللهَ يَا فَاطِمَةُ وَاَدِّيْ فَرِيْضَةَ رَبِّكِ وَاعْمَلِيْ عَمَلَ اَهْلِكِ اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کیے رکھ۔ اللہ سے ڈرتی رہو اور اسکے فرائض ادا کرتی رہو اور گھر کے کام کاج بھی خود کرتی رہو۔ میں تجھے ایسی چیز بتاتا ہوں جو تیرے لیے خادم سے بہتر ہے۔ وہ یہ کہ ہر نماز کے بعد ۳۴ مرتبہ اَللهُ اَكْبَرُ، ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھ لیا کر۔ یہ تیرے لیے خادم سے کئی گنا بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

فُقرا، مُہاجرین کا مطالبہ:

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ کی خدمت میں فقراء مہاجرین جمع ہو کر حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ کہ مالدار لوگ سارے بلند درجے لے اڑے۔ آپؐ نے اس کی تفصیل پوچھی تو عرض کرنے لگے۔ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وہ بھی ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں۔ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ روزہ بھی ہماری طرح رکھتے ہیں۔ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ مالدار ہونے کی وجہ سے وہ لوگ صدقہ کرتے ہیں غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم مفلس اور غریب ہونے کی وجہ سے یہ اعمال نہیں بجالا سکتے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ کہ جس کے کرنے سے تم پہلوں کو پکڑ لو اور بعد والوں سے بھی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اور کوئی آدمی تم سے بڑھ نہ سکے مگر یہ کہ یہ عمل کرے۔

فقراء مہاجرین نے خوش ہو کر عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول اللہؐ! تو آپؐ نے یہی تسبیحات ارشاد فرمائیں کہ انہیں نماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔ پھر انہوں نے ان تسبیحات کو معمول بنا لیا۔ چند دنوں کے بعد پھر یہ فقراء مہاجرین آئے اور عرض کرنے لگے کہ یہ وظیفہ تو ہمارے مالدار بھائیوں کو بھی معلوم ہو گیا ہے اور وہ بھی کرنے لگے ہیں۔ ہم تو پھر پیچھے کے پیچھے رہ گئے۔ آپؐ یہ بات سن کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ (متفق علیہ)

اس حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ ذکر اللہ صدقہ سے بھی افضل ہے۔

اَللہ کا فخر کرنا:

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرامؓ کی مجلس میں تشریف لے گئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ تم کس وجہ سے یہاں بیٹھے ہو؟ وہ عرض کرنے لگے جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَ نَحْمَدُهٗ عَلٰى مَاهَدَانَا لِلْاِ سْلَامِ وَ مَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا کہ ہم یہاں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس کی حمد بیان کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی دولت سے نوازا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا خدا کی قسم اسی وجہ سے یہاں بیٹھے ہو؟ وہ عرض کرنے لگے خدا کی قسم صرف اسی لیے یہاں بیٹھے ہیں اور کوئی کام نہیں ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم سے یہ قسم کسی بدگمانی کی وجہ سے نہیں اٹھوائی بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اِنَّ اللهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلٰئِكَةَ (مشکوٰۃ) میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر فرما رہے ہیں۔ کہ دیکھو یہ لوگ باوجودیکہ نفس اور شیطان ان کے ساتھ ہے۔ شہوت و معصیت کا جذبہ ان کے اندر ہے۔ ضروریات دنیویہ ان کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ مگر یہ ان سب سے منہ موڑ کر میرے ذکر میں لگے ہوئے ہیں۔

مغفرت کا اعلان:

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ذکر کی مجالس کی حاضری سے فارغ ہو کر فرشتے جب آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ وہ ساری بات عرض کرتے ہیں کہ ہم تیرے ان بندوں کی مجلس سے آ رہے ہیں يُسَبِّحُوْنَكَ وَ يُكَبِّرُوْنَكَ وَ يُحَمِّدُوْنَكَ جو تیری تسبیح تکبیر اور حمد بیان کر رہے تھے۔ اگرچہ انہوں نے تجھے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ وہ

لوگ جنت کی تمنا کر رہے تھے اور جہنم سے پناہ مانگ رہے تھے اگر چہ انہوں نے جنت و جہنم کو نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ اگر وہ لوگ مجھے اور میری جنت و جہنم کو دیکھ لیتے تو پھر کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں پھر تو اس سے بھی زیادہ تیز ذکر کرتے اور جنت کی تمنا اور جہنم کے خوف میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ گواہ ہو جاؤ میں نے ان سب کی مغفرت فرما دی ہے۔ پھر ایک فرشتہ کھڑا ہو کر عرض کرتا ہے۔ اے اللہ اس مجمع میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جو وہاں اتفاقاً کسی اپنی ضرورت کے لیے آیا تھا وہ اس مجلس کا حقیقی شریک نہیں تھا۔ کیا تو نے اس کی بھی مغفرت فرما دی؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ (بخاری) کہ یہ ایسی مبارک جماعت ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہے۔ میں نے ان کے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے اس کو بھی معاف فرما دیا۔

اس حدیث پاک سے جہاں اہل ذکر کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے وہاں ان کے ہم نشین کا مرتبہ بھی عیاں ہو گیا ہے۔

عرش کا سایہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ تَعَالٰى يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ کہ سات قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے جگہ دے گا' اس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان سات میں سے ایک شخص وہ بھی ہے وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ کہ جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ (بخاری)

ظاہر ہے تنہائی میں رونا تب ہی آ سکتا ہے جب اعلیٰ درجے کا اخلاص اور خوف خدا دل میں موجود ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو آنکھ اللہ کے خوف سے روئی ہو یا جو آنکھ اللہ کی راہ میں جاگی ہو اس پر جہنم حرام ہے۔

موتی کے منبر:

ایک حدیث میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو ایسی عزت عطاء فرمائے گا کہ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا وہ موتیوں کے منبروں (سٹیجوں) پر ہونگے يَغْبِطُهُمُ النَّاسُ لَيْسُوْا بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ سب لوگ ان پر رشک کرتے ہوں گے نہ تو وہ انبیاء ہوں گے اور نہ شہداء۔

لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہؐ! پھر وہ کون لوگ ہوں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ وہ اللہ کی رضا کی خاطر باہمی محبت کرنے والے ہیں۔ يَجْتَمِعُوْنَ عَلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ جو اللہ کے ذکر کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یعنی مختلف قبائل اور علاقوں کے لوگ محض اللہ کی خاطر باہم محبت بھی کرتے ہیں اور اللہ کی یاد کی خاطر جمع بھی ہوتے ہیں۔

جنّت کے پودے:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ معراج کی رات حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جب میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے امت محمدیہ کے نام سلام بھی بھیجا اور پیغام بھی۔ پیغام یہ ہے اِنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَ اِنَّهَا قِيْعَانٌ کہ جنت کی مٹی نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہے اور اس کا پانی بہترین ہے لیکن وہ بالکل چٹیل میدان ہے۔ وَاِنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ

إلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ (ترمذی) اس کے پودے اور درخت سبحان اللہ الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَ بِحَمْدِهٖ پڑھے غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ تو اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت کی آبادی اور اس کی شادابی انسان کے اعمال کے مطابق ہوگی اور اعمال میں سے ذکر اللہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس کے ہر ہر کلمہ کے عوض صاحب جنت کے لیے اس کی جنت میں درخت لگ جاتے ہیں۔

اہلِ جنّت کی حسرت:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق اور افسوس نہیں ہوگا إِلَّا عَلٰى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ تَعَالٰى فِيْهَا (طبرانی) مگر اس ساعت اور گھڑی پر افسوس ہوگا جو انہوں نے اللہ کے ذکر کے بغیر گزاری ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانے کے بعد جب ذکر کے ایک ایک کلمے کا اجر و ثواب ان کے سامنے آئے گا تو وہ غفلت میں گزرے ہوئے وقت پر افسوس کریں گے۔

کلماتِ ذکر:

گرامی قدر سامعین! جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ "ذکر اللہ" اپنے مفہوم کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔ نماز، تلاوت، دعا، تسبیح و تحمید وغیرہ سب ذکر اللہ کے مفہوم میں شامل ہیں۔ تاہم ذکر کے کچھ ایسے مخصوص کلمات بھی ہیں جن کی

فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما کر امت کو ان کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ چند احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

اَفْضَلُ الذِّکْر:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (مشکوٰۃ) کہ تمام اذکار میں سے بہترین اور افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور تمام دعاؤں میں سے افضل دعاء الحمد للہ ہے۔

کلمہ توحید کی فضیلت تو ہر ایک پر عیاں ہے۔ یہی کلمہ سارے دین کی بنیاد اور اساس ہے، پھر اس کے افضل ہونے میں کیا تردد ہوسکتا ہے؟

جَنّت کی کُنجی:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (مشکوٰۃ) کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا جنت کی کنجیاں ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جنت کی قیمت لا الہ الا اللہ ہے۔

بہترین وظیفہ:

ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور عرض کیا یا رَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْکُرُکَ بِہٖ وَاَدْعُوْکَ بِہٖ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا ورد عطاء فرمایئے جس کے ذریعہ میں آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ارشاد فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کیا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حیران ہو کر عرض کیا یا اللہ یہ وظیفہ تو سب لوگ پڑھتے اور جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا

اللہ ہی پڑھا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِہٖ میں تو کوئی خاص وظیفۂ خاص ذکر مانگنا چاہتا ہوں۔ مجھے کوئی خاص الخاص وظیفہ عطاء فرمایئے۔

اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا لَوْاَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ فِیْ کَفَّۃٍ وَّلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فِیْ کَفَّۃٍ مَالَتْ بِھِمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (مشکوٰۃ) کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسرے پلڑے میں اکیلا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رکھ دیا جائے تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جس قدر اخلاص سے یہ کلمہ پڑھا جائے گا اس کا وزن بڑھتا ہی جائے گا۔

دو بول:

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان پر بہت ہلکے ہیں ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ ترازو میں بہت وزنی ہیں۔ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی پیارے ہیں۔ اور وہ دو کلمے اور بول یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (بخاری)۔

چار کلمات:

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد میں اپنے مصلے پر بیٹھ کر ذکر وغیرہ کر رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزر کر باہر تشریف لے گئے۔ پھر آپ کافی دیر کے بعد چاشت کے وقت واپس تشریف لائے تو میں اسی طرح مصلے پر بیٹھی ذکر کر رہی تھی۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیران ہو کر مجھ سے پوچھا کہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی ذکر کر رہی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا میں نے تیرے پاس سے جانے کے بعد چار کلمات تین دفعہ کہے ہیں لَوْوُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ اگر وہ تیرے اس وظیفہ کے ساتھ تولے جائیں جو آج صبح سے تو پڑھ رہی ہے تو ان کلمات کا وزن بڑھ جائے گا اور وہ کلمات یہ ہیں سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (مسلم) ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کے عرش عظیم کے وزن کے برابر اور اس کی ذات پاک کی رضاء کے مطابق اور اس کے کلمات کی تعداد کے مطابق۔

جنّت کا خزانہ:

ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ کیا میں تجھے وہ جملہ نہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اترا ہے اور جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ اور وہ یہ ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ. اور جب بندہ یہ کلمہ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَسْلَمَ عَبْدِيْ وَاسْتَسْلَمَ (دعوات کبیر) کہ میرا بندہ بالکل میرا تابعدار اور فرماں بردار ہو گیا۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ گناہ سے باز آنا اور اطاعت کا بجالانا اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اُمِّ ھَانیؓ کا وظیفہ:

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ كَبُرْتُ وَضَعُفْتُ میں بوڑھی اور ضعیف ہو گئی ہوں۔

کوئی ایسا عمل بتایئے جو بیٹھے بیٹھے کرتی رہا کروں تو آپ ؐ نے فرمایا سُبْحَانَ اللہِ سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اس کا ثواب سو عرب غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اس کا ثواب سو گھوڑے بمعہ ساز و سامان جہاد کے لیے دینے کے برابر ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اس کا ثواب سو اونٹ قربانی کرنے کے برابر ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سو مرتبہ کہہ لیا کرو اس کا ثواب آسمان و زمین کے سارے خلاء کو بھر دینے والا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا۔ (مشکوۃ)

بہترین ڈھال:

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا خُذُوْا جُنَّتَکُمْ کہ اپنی ڈھال سنبھال لو۔ حفاظت کا انتظام کیے رکھو۔ صحابہ کرام ؓ نے پوچھا اَمِنْ عَدُوٍّ حَضَرَ کیا کسی دشمن کے حملہ سے جو درپیش ہے؟ تو آپ ؐ نے جواباً ارشاد فرمایا خُذُوْا جُنَّتَکُمْ مِنَ النَّارِ جہنم سے بچاؤ کے لیے انتظام کرو۔ وہ یہ کہ سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھا کرو۔ فَاِنَّھُنَّ یَاْتِیْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مُتَقَدِّمَاتٍ وَ مُتَأَخِّرَاتٍ کہ یہ کلمات آگے بڑھنے والے اور پیچھے رہنے والے ہیں۔ اور یہی باقیات صالحات ہیں۔

جامع ذکر:

علماء کرام نے ہم جیسے غافلین کے لیے ایک جامع ذکر تجویز فرمایا ہے اگر اس پر مداومت کر لی جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت نفع ہوگا۔ وہ یہ کہ سو دفعہ تیسرا کلمہ، سو دفعہ استغفار، سو دفعہ درود شریف صبح و شام پڑھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۷:- صَبر و شُکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (سورۃ البقرۃ) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ آمَنْتُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا (النساء) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمِ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمِ.

گرامی قدر سامعین! ایک انسان کی زندگی قطعی طور پر ایک نہج پر نہیں چل سکتی۔ اس کے اندر لازمی طور پر نشیب و فراز ہوتے ہیں۔ کبھی سکھ ہے تو کبھی دکھ۔ کبھی صحت ہے تو کبھی بیماری۔ کبھی شادی ہے تو کبھی ماتم۔ کبھی افلاس اور تنگدستی ہے تو کبھی دولت کی فراوانی۔ کبھی عیش و آرام ہے تو کبھی مصائب و آلام۔ کبھی قوت ہے تو کبھی ضعف۔ کبھی فقر ہے تو کبھی شاہی۔ کبھی حالات سازگار ہیں تو کبھی ناسازگار۔ کبھی آزادی ہے تو کبھی قید و بند۔ کبھی امن ہے تو کبھی جنگ۔ کبھی خوشی ہے تو کبھی غم۔

ایک مومن انسان زندگی کے اس نشیب و فراز میں اعتدال کا راستہ اختیار کر کے کبھی گھاٹے اور نقصان میں نہیں رہتا۔ نہ تو وہ خوشی کی حالت میں اتراتا اور فخر کرتا ہے اور نہ غمی کی حالت میں جزع فزع کر کے بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ خوشی کی حالت میں اس کا دل شکر کے جذبے سے معمور ہوتا ہے تو غمی کی حالت میں وہ صبر و ثبات کا پیکر ہوتا ہے۔ یعنی خوشی کی حالت میں وہ شکر کر کے اور غمی کی

حالت میں صبر کر کے نیکیوں سے اپنا دامن بھر لیتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَ لَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ کہ مومن کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کہ دونوں حالتوں میں اس کے لیے نفع ہی نفع ہے۔ بہتری ہی بہتری ہے۔ اور مومن کے سوا کسی اور کو اللہ تعالیٰ نے یہ چیز عطاء نہیں فرمائی۔ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ اگر اسے خوشی ملتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور نیکیاں کما لیتا ہے۔ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهٗ (مسلم) اور اگر اسے غمی پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور پھر بھی اجر و ثواب کما لیتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! صبر اور شکر انسانی زندگی کی دو ایسی اہم صفات ہیں کہ جن سے زندگی حالت اعتدال پر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح امت محمدیہ کو دیگر بہت سے امتیازات اور خصائص سے نوازا اسی طرح اس امت کو اپنے فضل سے صبر و شکر جیسی صفات عطاء فرما کر اس کا تذکرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا يَا عِيْسٰى اِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوْا اللهَ وَ اِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک ایسی امت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو جذبہ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے اور جب ان پر ناموافق حالات آئیں گے تو وہ صبر و ثبات سے انکا سامنا کریں گے اور اجر و ثواب پائیں گے۔ آگے فرمایا وَلَا حِلْمَ وَ لَا عَقْلَ کہ یہ اس وجہ سے نہیں کہ ان میں بردباری اور دانشمندی دوسروں کی نسبت زیادہ ہو گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کر لیا يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ

وَلَا حِلْمَ وَلَا عِلْمَ اے اللہ جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی تو یہ کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُعْطِيهِمْ مِنْ حِلْمِي وَ عِلْمِي (بیہقی) یہ ان پر میرا خاص فضل و احسان ہوگا کہ میں انہیں اپنے حلم اور علم میں سے کچھ حصہ عطا فرمادوں گا۔

گرامی قدر سامعین! اب میں آپ کے سامنے بالترتیب دونوں صفات کے بارے میں مختصراً عرض کروں گا۔

صَبر

صبر کا لغوی معنیٰ ہے ''روکنا'' اور ''سہارنا''۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا۔ یعنی صبر کا معنیٰ بے اختیاری، مایوسی، خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب ہے پامردی، دل کی مضبوطی اور جرأت و استقامت سے کام لینا۔

مؤمن کو تکلیف کیوں؟

گرامی قدر سامعین! ہم دیکھتے ہیں کہ تکالیف اور مصائب جس طرح ایک نافرمان اور گنہ گار آدمی پر آتی ہیں اسی طرح ایک مخلص اور اطاعت شعار آدمی پر بھی آتی ہیں۔ فاسق، فاجر اور کافر آدمی کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ اس پر آنے والی تکالیف اس کی سرکشی اور بغاوت کا نتیجہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانیوں کی سزا دینے کے لیے اس پر اپنا غضب نازل کیا ہوگا مَآ اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ) کہ تم پر آنے والی مصیبتیں تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہیں؟

سوچنے کا مقام یہ ہے کہ ایک سچے، مخلص اور اطاعت گزار مؤمن پر

تکالیف کیوں آتی ہیں؟ کیا وہ اس کی سرکشی اور گناہ کا نتیجہ ہوتی ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ اسے سزا دینے کے لیے اس پر اپنا غضب نازل کرتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک سچے مؤمن پر آنے والی تکالیف اس کی لغزشوں اور خطاؤں کا کفارہ بن کر آتی ہیں۔ وہ ان تکالیف پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات کو مزید بلند فرما دیتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمُ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أذىً وَلَا غَمٍّ کہ مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ بیماری، غم، رنج، دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے حَتَّى الشَّوْكَةَ يُشَاكُهَا حتی کہ اسے اگر کانٹا بھی چبھتا ہے إِلَّا كَفَّرَ اللهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ (بخاری) تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔

اسی طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دفعہ حضرت ام سائبؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہیں بخار تھا اور وہ بخار کو برا بھلا کہہ رہی تھیں تو آپؐ نے فرمایا لَا تَسُبِّي الْحُمّٰى کہ بخار کو برا نہ کہو فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ (مسلم) کہ یہ تو انسان کے گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح لوہے کے میل کچیل کو آگ کی بھٹی دور کر دیتی ہے۔

انبیاءِ کرامؑ کی تکالیف:

گرامی قدر سامعین! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کی تکالیف اور پریشانیوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ سوچیے بھلا ان معصوم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے تکالیف میں کیوں مبتلا فرمایا؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صبر کریں گے تو ان کے درجات مزید بلند ہوں گے اور ان کا صبر ہمارے لئے نمونہ بنے گا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ

الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ (مشکوٰۃ) کہ سب لوگوں سے زیادہ انبیاء کرام تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پھر ان کے بعد جتنا کوئی افضلیت کا حامل ہوتا ہے اس کے بقدر اس کو تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا لَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُؤْذٰی اَحَدٌ (ترمذی) کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے پیچھے جتنی تکالیف مجھے دی گئیں اتنی کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ یعنی کسی نبی اور غیر نبی نے اتنی تکالیف نہیں اٹھائیں۔

حدیث میں ہے کہ عام لوگوں کو اکہرا بخار چڑھتا تھا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دوہرا بخار چڑھتا تھا۔ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ (بخاری)۔

گرامی قدر سامعین! اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو مزید سے مزید بلند کرنا چاہتا تھا۔

ایک بچہ آگے بھیجنا:

ایک موقعہ پر عورتوں کو وعظ کرتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس عورت نے تین بچے آگے بھیج دیے۔ یعنی تین بچوں کی موت پر صبر کیا اِلَّا کَانَ لَھَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ تو یہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ بن جائے گا۔ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ! دو بچوں پر بھی یہی اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا وَاثْنَیْنِ. وَاثْنَیْنِ. وَاثْنَیْنِ (بخاری) ہاں ہاں دو بچوں پر بھی یہی اجر وثواب ہے۔

ایک موقعہ پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ میں نے تو ایک ہی بچہ آگے بھیجا ہے تو آپؐ نے فرمایا ایک بچہ آگے بھیجنے کا بھی یہی اجر وثواب ہے (مشکوٰۃ)۔

بلکہ آپؐ نے تو یہاں تک فرمایا کہ ادھورا بچہ بھی اپنے والدین کی سفارش کر کے انہیں جنت میں لے جانے کا سبب بنے گا۔ (ابن ماجہ)

حضرت زینبؓ کا بچہ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا چھوٹا بچہ ایک دن اتنا سخت بیمار ہوا کہ اس کے بچنے کی امید نہ رہی تو انہوں نے گھبرا کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا بھیجا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیغام لانے والے کو واپس بھیجتے ہوئے فرمایا کہ زینب کو میرا سلام کہنا اور اسے میرا یہ پیغام بھی دینا اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَ لَہٗ مَا اَعْطٰی وَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ کہ اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے لے وہ بھی اسی کا ہے اور جو کچھ کسی کو دے رکھے وہ بھی اسی کا ہے اور ہر چیز کی اس کے ہاں ایک میعاد مقرر ہے۔ پس چاہیے کہ تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو (بخاری)۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا کچھ نہیں سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ ہر حال میں صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب لینا چاہیے۔

بیتُ الحَمد کی تعمیر:

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی شخص کا بیٹا فوت ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتوں سے سوال کرتے ہیں قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ کیا تم نے میرے بندے کے بچہ کی روح قبض کی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کرتے ہیں قَبَضْتُمْ ثَمَرَۃَ فُؤَادِہٖ؟ کیا تم نے اُس سے اُس کے دل کا پھل (ٹکڑا) لے لیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ میرے بندے نے اس پر کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں حَمِدَکَ وَ اسْتَرْجَعَ اے اللہ اس نے تیری حمد بیان کی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ

بَیْتُ الْحَمْدِ (زندی) میرے بندے کے لیے جنت میں ایک محل تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

آنسو آ جانا بے صبری نہیں:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے بالکل آخری سالوں میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ایک فرزند عطاء فرمایا۔ آپؐ کو اس بیٹے کی پیدائش پر بڑی خوشی ہوئی۔ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے نام پر اس کا نام ابراہیم رکھا۔ اس کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح کرائے۔ عوالی مدینہ میں رضاعت کے لیے ایک دائی کے سپرد فرمایا۔ آپؐ کبھی کبھی وہاں تشریف لے جاتے تو اپنے بیٹے سے بے حد پیار کرتے۔

خدا کی قدرت کہ پندرہ سولہ مہینے صحیح وسالم رہ کر یہ بچہ شدید بیمار ہو گیا۔ آپ کو پتہ چلا تو آپؐ فوراً چند صحابہ کرامؓ کی معیت میں وہاں پہنچے۔ اس وقت بچے پر نزع کا عالم طاری تھا۔ سانس رک رک کر آ رہا تھا۔ آپؐ نے فوراً اسے اپنی گود میں اٹھا لیا فَجَعَلَتْ عَیْنَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ آپؐ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر پوچھا وَاَنْتَ تَبْکِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ بھی رو رہے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ ہمیں آپ صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ پھر آپؐ کے یہ آنسو کیسے؟

آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا اِنَّھَا رَحْمَۃٌ کہ یہ تو رحمت کے آنسو ہیں۔ آنسوؤں کا آ جانا تو بے صبری کی دلیل نہیں ہے۔ رونے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے یہ تو فطری امر ہے۔ ہاں اگر ممانعت ہے تو واویلا اور نوحہ کرنے کی ہے۔ سینہ کوبی اور طمانچہ زنی کی ہے۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم! اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ

تیری جدائی میں میری آنکھیں روتی رہیں گی اور میرا دل غمگین رہے گا وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَایَرْضٰی بِہٖ رَبُّنَا لیکن ہماری زبان سے وہی بات نکلے گی جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اتنی بڑی مصیبت پر بھی ہم اس کی حمد کریں گے اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھیں گے۔ (بخاری)

جَنّتی عورت:

ایک دفعہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد عطاء بن ابی رباحؒ سے فرمایا اَلَا اُرِیْکَ اِمْرَءَ ۃً مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ کیا میں تجھے آج ایک جنتی عورت نہ دکھاؤں؟ وہ عرض کرنے لگے جی ضرور دکھائیں۔ تو فرمایا ھٰذِہِ الْمَرْءَ ۃُ السَّوْدَاءُ کہ یہ کالے رنگ کی جو عورت ہے یہ یقیناً جنتی ہے۔

یہ ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُصْرَعُ وَاِنِّیْ اَتَکَشَّفُ فَادْعُ اللّٰہَ تَعَالٰی لِیْ اے اللہ کے رسول مجھے مرگی کا دورہ ہوتا ہے اور اس دورہ میں بعض اوقات میری بے پردگی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعاء فرمائیں کہ وہ مجھے صحت کاملہ عطاء فرمائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواباً ارشاد فرمایا اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَکِ الْجَنَّۃُ اگر تو جنت چاہتی ہے تو اس تکلیف کو صبر و تحمل سے برداشت کر وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنْ یُّعَافِیَکِ اور اگر تو چاہتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیے دیتا ہوں کہ وہ تجھے اس بیماری سے خلاصی عطاء فرمائے۔ وہ عورت جواباً کہنے لگی اَصْبِرُ تو پھر میں صبر کر کے جنت ہی کماؤں گی۔ ہاں ایک دعاء تو کر دیں کہ دورہ کی حالت میں میری بے پردگی نہ ہو۔ تو آپؐ نے اس کے لیے یہ دعا فرما دی (بخاری)۔

گرامی قدر سامعین! دیکھیے کس طرح اس عورت نے صبر کر کے جنت حاصل کر لی۔

حقیقی صبر:

گرامی قدر سامعین! مصیبت آ جانے تو پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بالآخر صبر آ ہی جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ وہ صدمہ بھول ہی جاتا ہے۔ یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ابتدا ہی صبر سے کام لیا جائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مرتبہ قبرستان سے گزرے تو دیکھا کہ ایک عورت اپنے بیٹے کی قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ تو آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ اللہ سے ڈر اور صبر اختیار کر۔ اس عورت نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کون ہے۔ اور کہنے لگی اِلَیْکَ عَنِّیْ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِیْ اے شخص! جا تو اپنا کام کر تجھے میری مصیبت کا اندازہ نہیں ہے۔ پتہ تو اس کو ہوتا ہے جس پر مصیبت آتی ہے۔

بعد میں لوگوں نے اس عورت کو بتایا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور تو نے ان سے کس طرح بات کر دی؟ تو وہ عورت اس بے ادبی کی معذرت کرنے آپ کے گھر حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ ہیں۔ اب میں صبر کروں گی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی (مسلم) حقیقی صبر تو وہ ہے جو صدمہ کی ابتدائی گھڑیوں میں کیا جائے۔

مُؤمن کا لائحۂ عمل:

اس لیے ایک مومن کا لائحہ عمل یہ ہونا چاہیے کہ جب بھی اس پر کوئی تکلیف اور مصیبت آئے تو دو کام کرے (۱) صبر و ثبات۔ (۲) ادائیگی صلوۃ۔ یقینا

اس طرح اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (سورۃ البقرۃ) مومنو! صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کیا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ مزید فرمایا وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بشارت سنا دو۔ ان پر جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

صَبر کے ارکان:

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ صبر کے تین مفہوم یا ارکان ہیں۔

(الف) مصیبت میں صبر کرنا۔ (ب) گناہ سے صبر کرنا۔ (ج) نیکی پر صبر کرنا۔

اگر تینوں پر عمل کیا جائے تو تب وہ آدمی صابرین میں شمار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہوگا۔

صَابرین کا اَجر:

اور صابرین کا اجر یہ ہے وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِیْرًا مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا الخ (الدھر) کہ ان کو صبر کے بدلے بہشت کے باغات اور ریشم کے ملبوسات ملیں گے ان میں وہ تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھیں گے۔ وہاں نہ دھوپ کی حدت ہوگی اور نہ سردی کی شدت۔

ایک اور مقام پر فرمایا اُولٰئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلَامًا خَالِدِیْنَ فِیْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (فرقان) یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیے جائیں گے۔ اور وہاں فرشتے ان سے دعاء وسلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت عمدہ جگہ ہے۔

شکر

گرامی قدر سامعین! جس طرح صبر ایک صفت محمودہ ہے اسی طرح شکر بھی ایک خلق حسن ہے۔ شکر کا لغوی معنی ہے "تھوڑا سا چارہ ملنے پر بھی جانور میں تروتازگی قائم رہے اور دودھ زیادہ دے" اس طرح ہمارے محاورہ میں یہ معنی پیدا ہوا کہ کوئی کسی کا تھوڑا سا کام بھی کردے تو دوسرا اس کی پوری قدر شناسی کرے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ شکر کی نسبت جس طرح بندوں کی طرف کی جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرا ذرا سے نیک کاموں کی پوری قدر کرتا ہے اور انہیں پورا بدلہ عطاء فرماتا ہے۔

شُکر اور کُفر:

شکر کا متضاد کفر ہے جس کا معنی ہے "چھپانا" یعنی کسی کے احسان پر پردہ ڈالنا اور اپنے قول وفعل سے اس کا اظہار نہ کرنا۔ اس طرح ہمارے محاورہ میں اس کی جگہ کفران نعت کا لفظ مستعمل ہے۔

اسلام کے مقابلہ میں جو کفر کا لفظ بولا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات کو بھلا کر دل سے اس کا احسان مند نہ بننا۔

قول وفعل سے اطاعت وانقیاد ظاہر نہ کرنا۔

گرامی قدر سامعین! جس طرح اسلام کی نگاہ میں "کفر" بدترین خصلت ہے۔ اس کے بالمقابل "شکر" بہترین صفت ہے۔ قرآن حکیم میں ان دونوں صفات کوایک دوسرے کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (سورۃ دہر) کہ ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا۔ اب چاہے وہ شاکر (شکرگزار) بنے یا کافر (ناشکرا)۔

ایک اور مقام پر فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (سورۃ ابراہیم) اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر کفر (ناشکری) کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔

گرامی قدر سامعین! یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کے بدلے اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح بندوں کے حسن سلوک کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللهَ جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ ایک سچا اور مخلص مؤمن کبھی ناشکری اور کفران نعمت کا مرتکب نہیں ہوتا۔ نہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے اور نہ ہی لوگوں کی۔

شُكر ذريعهٔ زيادتئ نِعمت:

آپ سن چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں برملا اعلان فرمایا ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں عطاء فرماؤں گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے لینے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اس کی ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اگرچہ ہم کما حقہ اس کی نعمتوں کا شکر کبھی ادا نہیں کر سکتے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے شکر سے آدمی کس

طرح عہدہ برآ ہوسکتا ہے؟ جبکہ ہمارا ایک ایک سانس بھی اس کی نعمت ہے۔ بلکہ ایک سانس بھی کئی نعمتوں کا مجموعہ ہے۔ ہر نفسے کہ فرو مے رود ممد حیات است ۔ وچوں برمے آید مفرح ذات است۔ جو سانس ہم اندر کھینچتے ہیں اس کے اندر ہماری زندگی کا سامان (آکسیجن) ہوتا ہے اور جو سانس ہم باہر نکالتے ہیں اس میں فضلات (کاربن ڈائی آکسائیڈ) کا اخراج ہوتا ہے۔ اندر والا سانس اگر ممد حیات ہے تو باہر والا مفرح ذات ہے۔ پھر اگر آدمی ہر ہر نعمت کا شکر ادا کرنا چاہے تو کس طرح کرسکتا ہے؟

بے شمار نعمتیں:

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اگر ہم شمار کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا کہ اگر تم اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ہرگز نہیں کرسکتے۔

اگر ہم اپنے سامنے رکھے ہوئے کھانے کے ایک لقمہ کے اندر غور کریں تو اس میں بھی بے شمار نعمتیں پنہاں ہیں۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (سورۃ عبس) کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بے شک ہم ہی نے پانی برسایا۔ پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارا۔ یہ سب کچھ تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے بنایا۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ بھلا

دیکھو تو سہی! جو کچھ تم بوتے ہو تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔

مزید فرمایا أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ (سورۃ واقعہ) بھلا دیکھو تو سہی جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا، یا ہم نازل کرتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟

گرامی قدر سامعین! دیکھیے کس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرما کر ہمیں شکر کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہاں فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ کا جملہ انتہائی قابل غور ہے۔

قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں بیان فرما کر آگے علت بیان فرمائی لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ۔

آلِ داؤد کو حکم:

حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے خاندان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات و احسانات فرمائے تو ساتھ ہی حکم دے دیا اِعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا) اے آل داؤد! تم شکر کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تو تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

پھر دیکھیے! جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکہ بلقیس کا تخت پہنچ گیا تو آپ نے فرمایا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (سورۃ نمل) کہ یہ میرے اوپر میرے رب کا فضل و احسان ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پرواہ اور کرم کرنے والا ہے۔

ایک اور موقعہ پر جب کہ آپ نے چیونٹی کی آواز سنی تو اپنے رب کے سامنے یوں گویا ہوئے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ (سورۃ النمل) کہ اے اللہ! مجھے توفیق عطاء فرما کہ جو احسانات تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیے ہیں ان کا شکر ادا کروں۔ اور ایسے نیک اعمال کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔

شیطان کی کوشش:

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ شیطان کو جب اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں جنت سے نکال دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے لمبی زندگی کی درخواست کی (اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ) اللہ تعالیٰ نے جب اس کی درخواست کو قبول فرما کر مہلت دے دی تو وہ کہنے لگا لَاَ قْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ کہ میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان کو گمراہ کرنے کے لیے بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے یعنی ہر طرف سے ان کی راہ ماروں گا۔ وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ (اعراف) اور ان میں سے اکثر کو تو شکر گزار نہیں پائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کی ساری کوشش اور کاوش یہی ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کا ناشکر بنادے۔

اللہ کا اعلان:

اور اس کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ

شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ وَ کَانَ اللّٰہُ شَاکِرًا عَلِیْمًا (سورۃ نساء) کہ لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار اور اس پر ایمان لانے والے بن جاؤ تو وہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ تعالیٰ تو قدر شناس اور علم رکھنے والا ہے۔

مطلب صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہیں عذاب وعقاب دینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اگر تم شکر گزار بن جاؤ تو اسے تمہیں عذاب دینے کی کیا ضرورت ہے۔

پانچ سَو ساله عبادت گزار:

بعض روایات میں امم سابقہ کے ایک عبادت گزار کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کے اندر اتنا اخلاص تھا کہ اس نے ریاکاری سے بچنے کے لیے شہر کی آبادی کو چھوڑ کر ایک سمندری جزیرہ پر جا کر قیام کیا اور ہمہ وقت عبادت میں مصروف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے وہاں اس کے کھانے کے لیے ایک انار کا درخت اگا دیا جس سے وہ روزانہ ایک انار توڑ کر کھا لیتا تھا اور پینے کے لیے میٹھے پانی کا ایک چشمہ جاری فرما دیا جس سے وہ روزانہ ایک پیالہ پانی کا پی لیتا تھا۔ ماسوائے عبادت وریاضت کے اسے اور کوئی کام نہ تھا۔

اس طرح پانچ سو سال تک اس نے بے ریا عبادت کی۔ پھر جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے سر سجدہ میں رکھ کر دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے سجدہ کی ہی حالت میں موت دینا تا کہ میں قیامت تک اسی حالت میں پڑا رہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور سجدہ کی حالت میں اس کی موت آ گئی۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا سارا حساب وکتاب چیک کر کے فرمایا جا میرے بندے میں نے تجھے اپنے فضل سے بخش دیا۔

پھر یہ شخص جنت میں جا رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا کہ کام تو میرا بن گیا ہے

جنت تو مجھے مل گئی ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اتنے سو سال کی عبادت کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے میری عبادت کا ذکر ہی نہیں فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں نے تجھے اپنے فضل و رحمت سے بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے بندے کو جنت کی بجائے جہنم کے علاقے میں لے جاؤ اور خبردار جہنم کے قریب نہ لے جانا' پانچ سو سال کی مسافت سے گزارنا۔ چنانچہ جب یہ وہاں سے گزرا تو شدید گرمی کی وجہ سے اس کا سارا وجود خشک ہو گیا' زبان تالو سے لگ گئی حلق خشک ہو گیا اور بے اختیار کہنے لگا اَلْعَطَشُ اَلْعَطَشُ ہائے پانی' ہائے پانی۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتہ پانی کا ایک پیالہ لے کر حاضر ہوا۔ یہ فوراً پانی کی طرف لپکا تو اس نے پیالہ پیچھے کر لیا اور کہا کہ یہ مفت میں نہیں ملتا اس کی قیمت لگتی ہے۔ یہ کہنے لگا وَمَا ثَمَنُهٗ کیا قیمت ہے؟ فرشتہ بولا اس کی قیمت پانچ سو سال کی بے ریا عبادت ہے۔ یہ فوراً بولا وہ تو میرے پاس ہے۔ میری عبادت تم لے لو اور جلدی سے پانی مجھے دو۔ میں تو پیاس سے مر رہا ہوں۔ اس طرح اس نے فرشتہ کے ساتھ سودا کر کے پانی پی لیا تو اس کے جسم میں کچھ جان آئی۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب میرے بندے کو دوبارہ میرے حضور پیش کیا جائے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے سوال کیا میرے بندے! اب تو تو نے خود اپنی عبادت کا سودا کر کے پانی پی لیا۔ اب وہ معاملہ تو برابر سرابر ہو گیا۔ نہ کچھ لینا اور نہ کچھ دینا۔ اب مجھے ان ہزاروں پیالوں کا حساب دے جو تو نے جزیرے کے اوپر پیے تھے۔ ان کے بدلے میں تو نے میرا کتنا شکر ادا کیا؟ ان اناروں کا حساب دے جو تو نے کھائے تھے ان کا کیا شکر ادا کیا؟ پھر مجھے اپنی زندگی' صحت' اعضاء جوارح کا حساب دے کہ میری ان نعمتوں کا تو نے

کیا شکر ادا کیا؟ جزیرہ کی ٹھنڈی ہواؤں اور خوشگوار موسموں کا حساب دے۔

اب یہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تہہ تک پہنچ گیا اور زاری کرتے ہوئے عرض کرنے لگا مولا! میں مان گیا مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ میں تیرے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ مولا! میرے اوپر رحمت فرما! اپنا فضل فرما! مجھے میری عبادت کے بدلے نہیں بلکہ اپنے فضل و رحمت سے جنت عطا فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر رحمت فرما کر جنت میں بھیج دیا۔

حقیقی شُکر:

گرامی قدر سامعین! اللہ تعالیٰ کا حقیقی شکر یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے۔ الہ اور معبود صرف اور صرف اسی کو مانا جائے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کیا جائے۔ شکر اور شرک کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ شرک آ گیا تو شکر ختم، شکر آ گیا تو شرک ختم۔

حضرت لقمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے جو بصیرت اور دانائی بخشی تھی اس کا ماحصل بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ (سورۃ لقمان) کہ ہم نے حضرت لقمان کو دانائی بخشی کہ خدا کا شکر ادا کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے شکر کرتا ہے۔ پھر حضرت لقمان اسی نکتہ کی بنیاد پر اپنے بیٹے کو شکر کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اے بیٹے خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی ناشکری ارتکاب شرک ہے اور سب سے بڑا شکر اعتراف توحید ہے۔

انسان کی ناشکری:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکری کا حال چھ اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ جب اس کے گھر اولاد نہیں ہوتی تو زاری سے خدا تعالیٰ سے اولاد مانگتا ہے فَلَمَّا اَثْقَلَتْ دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا پھر جب بچہ امید میں ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے یوں دعاء مانگتے ہیں لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ کہ اگر تو ہمیں صحیح و سالم بیٹا عطاء فرما دے تو ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پھر جب ان کی آس پوری ہو جاتی ہے تو شکر کرنے کی بجائے شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاءَ فِيْمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (سورۃ اعراف) پھر جب وہ ان کو صحیح و سالم بچہ عطاء فرما دیتا ہے تو اس میں شرک کرنے لگ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کا حال:

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کی یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ جب وہ سمندری سفر کرتے ہیں اور ان کی کشتی گرداب کا شکار ہو جاتی ہے تو اس وقت شکر کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ جَاءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ پھر ناگہاں جب زناٹے کی ہوا چلتی ہے اور ہر طرف سے لہریں ان پر جوش مارتی ہوئی آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اب تو گھر گئے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو پھر اس وقت خالص اللہ تعالیٰ

ہی کو پکارنا شروع کر دیتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم تیرے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر جب میں ان کو نجات دے دیتا ہوں تو پھر بغاوت اور شرک شروع کر دیتے ہیں فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سورۃ یونس) یعنی جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے تو زمین پر ناحق بغاوت شروع کر دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَاهُمْ يُشْرِكُوْنَ (سورۃ عنکبوت) پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! ان آیات کا مفہوم واضح ہے کہ شکر اور شرک کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

شُکر کے ارکان:

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ شکر کے تین ارکان ہیں۔

ا) اَلشُّكْرُ بِالْجَنَانِ یعنی دل سے شکر یہ ادا کرنا۔ منعم کی عظمت و قدر اپنے دل میں جاننا۔ اس کے لیے نیک جذبات' نیک خیالات دل میں رکھنا۔ اس کے بارے میں اپنے دل میں صحیح عقیدہ اور نظریہ رکھنا۔ یہ دل کا شکر ہے۔

ب) اَلشُّكْرُ بِاللِّسَانِ یعنی زبان سے شکر ادا کرنا۔ منعم کی تعریف و توصیف اپنی زبان سے کرنا۔ اس کی ثناء اور حمد بیان کرنا۔ زبان سے وہی کلمات نکالنا جس سے اس کی عظمت و شان ظاہر ہو۔

ج) اَلشُّکْرُ بِالْاَرْکَانِ یعنی اعضاء و جوارح سے شکر ادا کرنا۔ یعنی اعمال کے ذریعے منعم کی اطاعت و فرماں برداری کرنا۔ اس کی دی ہوئی نعمت کا استعمال صحیح کرنا۔ اور اس کے احکامات کو بجالانا۔

گرامی قدر سامعین! جب تک ہم شکر کے یہ تینوں ارکان پورے نہیں کریں گے ہم اس کے شکرگزار بندے کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا عقیدہ ہو زبان پر اس کی حمد و ثنا، ہو ہاتھ پاؤں سے اسکی اطاعت کا ظہور ہو۔ پھر ہم شاکرین میں شمار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا شکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۱۸:- حفاظتِ زُبان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (سورۃ قٓ) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! انسان کے اعضاء میں سے زبان اللہ تعالیٰ کا ایک بہترین عطیہ ہے۔ دوسرے اعضاء کی نسبت اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک لحاظ سے سب سے اچھی چیز بھی ہے اور ایک لحاظ سے بری چیز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام اسی سے لیا جاتا ہے۔ کلمہ اسی سے پڑھا جاتا ہے۔ قرآن کی تلاوت اسی سے ہوتی ہے۔ دوسرے اعضاء سے جو نیکیاں ہوتی ہیں ان میں عموماً کسی نہ کسی طرح زبان کی شرکت بھی ہوتی ہے۔ عبادت کی تینوں اقسام میں سے افضلیت اور برتری جس عبادت کو حاصل ہے وہ زبانی عبادت ہی ہے۔

اس کے برعکس زبان ہی سے شرکیہ کلمات صادر ہوتے ہیں۔ اسی سے جھوٹ بولا جاتا ہے۔ گالی دی جاتی ہے۔ چغلی اور غیبت کی جاتی ہے۔ جھوٹی قسم جھوٹی گواہی کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ اس لیے زبان کی حفاظت انتہائی ضروری ہے یہ آدمی کو جنت میں بھی لے جاسکتی ہے اور جہنم میں بھی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے کامیاب و کامران بندوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں وہاں انکی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (سورۃ المؤمنون) کہ وہ لوگ بے ہودہ باتوں سے دور و نفور

رہتے ہیں۔
زبان ایک ایسا عضو ہے کہ اس کا ہر ایک بول لکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (سورۃ ق) کہ کوئی بات انسان کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دائیں بائیں ہمہ وقت ہر کلمہ اور ہر بول لکھنے کے لیے فرشتے بالکل تیار بیٹھے ہیں اور انسان کے تمام اچھے برے کلمات کو دھڑادھڑ لکھ رہے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ (ابن ماجہ) کہ آدمی کے اسلام کی خوبی اور حسن یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو چھوڑ دے۔ اس حدیث پاک میں جس طرح بے مقصد باتوں کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح بے مقصد کاموں کو چھوڑنے کا بھی حکم موجود ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو سب سے زیادہ دوزخ میں داخل کرانے والی کونسی چیز ہے؟ پھر آپؐ نے خود ہی جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا سب سے زیادہ دوزخ میں داخل کرانے والی چیز منہ اور شرم گاہ ہے (مشکوٰۃ)۔

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَايُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ (بخاری) کہ بندہ بعض اوقات اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ گزرتا ہے کہ اس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں گرتا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب صبح ہوتی ہے تو جسم کے سارے اعضاء عاجزی کے ساتھ زبان سے یہ اپیل کرتے ہیں اِتَّقِ اللّٰہَ فِیْنَا فَاِنَّمَا نَحْنُ بِکَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا (ترمذی) کہ ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ کیونکہ ہماری خیر و عافیت تجھ سے متعلق ہے۔ اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر تیرے اندر کجی آگئی تو ہم میں بھی کجی آ جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلِیَصْمُتْ (بخاری و مسلم) کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ خیر کی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔ مطلب یہ ہے کہ بری بات کرنے کی نسبت بات نہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

نطق آدمی بہتر ست از دواب　　　　دواب از تو بہ گرنگوئی صواب

اس لیے آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا مَنْ صَمَتَ نَجَا (بخاری) کہ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

بہترین اور بدترین عُضو

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت لقمان رحمہ اللہ کی دانائی اور حکمت کا ذکر فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَۃَ کہ ہم نے حضرت لقمان کو دانائی اور بصیرت عطا فرمائی تھی۔ بعض کتب تفسیر میں ان کی دانائی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ آپ نے تعمیل حکم کرتے ہوئے بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش

کر دی۔

کچھ عرصہ کے بعد پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت کا بدترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ حضرت لقمانؑ نے بکری ذبح کی اور دوسری دفعہ بھی دل اور زبان خدمت میں پیش کر دیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے سوال کیا کہ جب میں نے جسم کا بہترین حصہ مانگا تب بھی تم یہی دونوں چیزیں لائے اور جب میں نے بدترین حصہ مانگا تو تب بھی یہی چیزیں لائے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

آپ نے عرض کیا حضرت! اگر انسان کا دل اور زبان درست ہے تو اس سے پاکیزہ اور بہترین شئے اور کوئی نہیں اور اگر دونوں خراب ہو جائیں تو پھر ان سے بری چیز بھی کوئی نہیں ہے۔

یعنی قلب میں اگر نور ایمان ہے توحید اور نیکی کی باتیں ہیں اور زبان سے بھی اچھی باتیں صادر ہو رہی ہیں تو پھر ان دونوں اعضاء سے بڑھ کر اور کیا چیز اچھی ہو سکتی ہے؟ اور اگر دل میں کفر و نفاق ہے زبان پر فحش کلامی اور جھوٹ و غیبت ہے تو ان دونوں اعضاء سے بڑھ کر بری چیز کوئی نہیں ہے۔

زباں رہے اپنی حد میں تو ہے یہ زُباں ‏ ‏ ‏ بڑھے گر ایک نقطہ بھی تو بن جاتی ہے زیاں

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔ اسی طرح زبان سے بھی کسی کو تکلیف دینا حرام ہے۔ آپؐ سے پوچھا گیا اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ اَفْضَلُ کہ سب سے بہترین مسلمان کون ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ (متفق علیہ) بہترین مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی وہ ان کو نہ ہاتھ سے ایذاء دے اور نہ زبان سے۔

جہنم کا سبب:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیایَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ وَ یُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ اے اللہ کے رسولؐ! مجھے ایسا عمل بتایئے جو میرے لیے جہنم سے بچنے اور جنت کے داخلے کا سبب بنے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ عَظِیْمٍ وَاِنَّہٗ لَیَسِیْرٌ عَلٰی مَنْ یَسَّرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ کہ تو نے ایک بہت اہم بات پوچھی ہے۔ یہ بات اس کے لیے آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان فرما دے۔ پھر آپؐ نے مجھے توحید پر ثابت قدمی' شرک سے بچاؤ' نماز کی پابندی' زکوٰۃ کی ادائیگی' رمضان کے روزے' حج بیت اللہ' صدقہ اور جہاد وغیرہ کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

پھر فرمایا اَلَا اُخْبِرُکَ بِمِلَاکِ ذٰلِکَ کُلِّہٖ کیا میں تجھے ان سب کا مدار نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ضرور بتایئے فَاَخَذَ بِلِسَانِہٖ قَالَ کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا پھر آپؐ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا اس کو قابو میں رکھنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا ہم سے ہماری بات چیت کا بھی مواخذہ ہوگا؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ وَھَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ تیری ماں تجھے گم پائے لوگوں کو ان کی زبان کی کھیتیاں ہی تو جہنم میں پہنچائیں گی (ترمذی)۔

جنّت کی ضمانت:

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ یَضْمَنْ لِیْ مَابَیْنَ لَحْیَیْہِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنْ لَہُ الْجَنَّۃَ (متفق علیہ) جو آدمی مجھے اپنی زبان اور اپنی شرم گاہ

کی حفاظت کی ضمانت دے دے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرم گاہ کے گناہ انتہائی خطرناک اور مہلک ہیں اسی طرح زبان کے گناہ بھی انتہائی خطرناک ہیں۔ اس لیے اس کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔

بوڑھی اَمّاں کا خوفِ خُدا:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ سفر پر جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا اکیلی پیدل چل رہی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بیچاری اپنے قافلے سے بچھڑ گئی ہے۔ میں نے اس کی مدد کے ارادے سے قریب جا کر السلام علیکم کہا۔ اس نے معروف جواب دینے کی بجائے قرآن مجید کی آیت پڑھ کر جواب دیا سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَّحِیْمٍ۔ میں نے پوچھا اماں جان آپ یہاں جنگل میں کیا کر رہی ہیں؟ وہ بولی مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ میں سمجھ گیا کہ بڑھیا راستہ بھول چکی ہے۔

میں نے سوال کیا اماں جی آپ کون ہیں؟ وہ بولی وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مَرْیَمَ میں سمجھ گیا کہ اس کا نام مریم ہے۔ میں نے پوچھا کیا آپ قافلہ سے بچھڑ گئی ہیں؟ اس نے جواب دیا مَآ اَصَابَکُمْ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ مجھے پتہ چل گیا کہ یہ مصیبت زدہ ہے۔ پھر میں نے پوچھا آپ کتنے دنوں سے بھٹک رہی ہیں؟ وہ بولی ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا مجھے پتہ چل گیا کہ تین راتوں سے بیچاری بھٹک رہی ہے۔ پھر میں نے پوچھا اماں جی آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟ کہاں جانا ہے؟ وہ بولی مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی مجھے پتہ چل گیا کہ مکہ سے شام جا رہی ہے۔

میں نے عرض کیا میرے پاس کھانا ہے پیش کروں؟ وہ بولی اَتِمُّوا

الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ میں سمجھ گیا روزہ سے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا اماں جی! آپ تھک چکی ہوں گی آپ کو اپنی سواری پر سوار نہ کرلوں؟ وہ بولی اِنَّ رَحْمَةَ اللهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ میں نے سواری کا اونٹ بٹھا دیا اور وہ سوار ہوگئی۔ اونٹنی چل پڑی تو اس نے کہا سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. میں نے راستے میں چلتے چلتے پوچھا کیا آپ کی اولاد وغیرہ ہے؟ وہ بولی اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا میں سمجھ گیا کہ اولاد ہے۔ میں نے ان کے بیٹوں کے نام پوچھے تو وہ کہنے لگی وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ. وَوَهَبْنَالَهٗ اِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ' وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا میں اس کے بیٹوں کے نام سمجھ گیا۔ پھر میں نے پوچھا آپ کا شوہر زندہ ہے؟ وہ بولی لَاتَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ میں سمجھ گیا کہ یہ اس کی دکھتی رگ ہے۔ خاوند فوت ہو چکا ہے۔

راستہ میں اونٹنی ذرا تیز چلی تو وہ کہنے لگی وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ دوران سفر میں کچھ اشعار پڑھنے لگا تو وہ کہنے لگی فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کہ ہو سکے تو قرآن پڑھ۔ حتی کہ جب میں اسے لے کر بیت المقدس پہنچ گیا اور اس کے بیٹوں سے اس کی ملاقات ہوگئی تو وہ کہنے لگی۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ الَّذِيْ اَحَلَّنَا دَارَالْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ.

بیٹوں سے کہنے لگی فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا میں سمجھ گیا کہ کھانا منگوانا چاہتی ہے۔ جب کھانا آ گیا تو وہ مجھے کہنے لگی كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ میں سمجھ گیا کہ مجھے کھانے کی دعوت دے رہی ہے۔

کھانا کھانے کے بعد میں نے اس کے بیٹوں سے سوال کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ یہ بوڑھی ہر بات کے جواب میں قرآن پڑھتی ہے؟وہ کہنے لگے آپ نے تو آج سنا ہے ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے چالیس سال گزر گئے ہماری ماں نے قرآن کے سوا کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا۔

میں نے حیران ہو کر بوڑھی کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگی ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ بالآخر میں نے اس بڑھیا سے دست بستہ آخری سوال کیا کہ اماں جان آپ اتنا اہتمام کیوں کرتی ہیں کہ قرآن کے سوا اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالنا بھی گوارہ نہیں کرتیں؟ آخر بتائیے تو سہی اس کی کیا وجہ ہے؟

بڑھیا نے ٹھنڈا سانس لیا اور کہنے لگی مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّالَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ کہ کوئی لفظ بھی اگر منہ سے نکالا جائے تو سامنے لکھنے والا فرشتہ تیار بیٹھا ہے جو فوراً اس کو قلم بند کر لیتا ہے۔ گویا اس پر خوف خدا کا اتنا غلبہ تھا کہ اس نے قرآن ہی کو ذریعہ تکلم بنا لیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں زندگی بھر کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا اس بڑھیا سے ہوا۔

آفاتِ زُبان:

گرامی قدر سامعین! زبان کی بہت سی آفات ہیں۔ ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ بعض دفعہ ہمیں بہت زیادہ بولنے کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر بولتے بولتے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عربی کا محاورہ ہے مَنْ كَثُرَ كَلَامُهٗ كَثُرَ خَطَاءُهٗ کہ جو بہت زیادہ باتیں کرتا ہے بہت زیادہ غلطیاں بھی وہی کرتا ہے۔ اس لیے اول تو خاموش رہنا چاہیے اور اگر بولنا پڑے تو سوچ سمجھ کر بولیں تا کہ بعد میں پچھتاوا نہ ہو۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

اب میں آپ کے سامنے زبان کی چند آفات کا ذکر کروں گا۔

جھوٹ:

جھوٹ ایک بہت بڑی آفت ہے اس کا اتنا بڑا نقصان ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اس سے دور بھاگ جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَکُ مِیْلًامِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهٖ (ترمذی) کہ بندے کے جھوٹ بولنے سے ایسی بدبو پیدا ہوتی ہے کہ اللہ کے فرشتے ایک میل تک دور چلے جاتے ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے اِنَّ الصِّدْقَ یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ کہ تم سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچائی نیکی کا راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَصْدُقُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَاللهِ صِدِّیْقًا اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ''صدیق'' لکھا جاتا ہے۔ وَاِنَّ الْکِذْبَ یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ اور جھوٹ گناہوں کا راستہ دکھاتا ہے اور گناہ جہنم کا راستہ دکھاتے ہیں۔ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَکْذِبُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَاللهِ کَذَّابًا (متفق علیہ) اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں ''جھوٹا'' لکھ دیا جاتا ہے۔

ہماری عام عادت ہوتی ہے کہ بعض اوقات ہم بچوں کو بہلانے کے لیے ہنسی مذاق میں جھوٹ بول دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بچپن میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے میری والدہ نے مجھے بلایا هَا تَعَالْ اُعْطِیْکَ ادھر آ یہ لے لے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً میری والدہ سے پوچھا کہ تو نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا

ہے؟ وہ کہنے لگی کہ میں نے اس کو کھجوریں دینے کی نیت کی ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَمَا اِنَّکِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ (ابوداؤد) کہ اگر تو اس کو کچھ بھی نہ دیتی تو تیرے اوپر ایک جھوٹ کا گناہ لکھ دیا جاتا۔

بعض اوقات ہماری عادت ہوتی ہے کہ ہم خواہ مخواہ کسی کو خوش کرنے کے لیے یا جلانے کے لیے جھوٹ بول دیتے ہیں کہ میرے پاس اتنا کچھ ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے آدمی کے بارے میں ارشاد فرمایا اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ (بخاری) کہ جس کو کوئی چیز نہیں ملی اور اس کے باوجود جھوٹ بولتا ہے وہ ایسے ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن لیے ہوں۔ یعنی ایسا آدمی سر سے پاؤں تک جھوٹ میں لپٹا ہوا ہے۔ یعنی اس کی صرف زبان جھوٹی نہیں بلکہ پورے کا پورا وجود جھوٹا ہے۔

بعض دفعہ ہم محض سنی سنائی باتیں بلا تحقیق کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے آدمی کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ (مقدمہ مسلم) کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کرتا پھرے۔

گرامی قدر سامعین! یہاں سے اندازہ لگالیں کہ جھوٹی قسم کھانا یا جھوٹی گواہی دینا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقع پر کبیرہ گناہوں کا ذکر فرمایا۔ آپؐ نے جہاں ان میں شرک اور قتل ناحق وغیرہ کا ذکر فرمایا وہاں جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی کا بھی خصوصیت سے ذکر فرمایا (بخاری)۔

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز پڑھ کر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر قرار دی گئی

ہے عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِ شْرَاكِ بِاللهِ۔ یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا اور پھر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ (ابوداؤد) پس بچو تم بتوں کی پلیدی سے اور بچو جھوٹی بات سے۔ صرف ایک خدا کے ہو کر رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ (زمر) کہ اللہ تعالیٰ اس کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا ہے۔ احسان نہیں مانتا۔ بلکہ یہاں تک فرمایا گیا لَعْنَتُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔

چغل خوری:

زبان کی ایک آفت چغل خوری بھی ہے۔ وہ یہ کہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی باتیں کر کے ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا اور لڑانا اور اپنا رسوخ جتانا۔ قرآن مجید میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ کہ ہر عیب لگانے والے اور چغلی کھانے والے کے لیے بربادی ہے۔ چغل خور چونکہ چل پھر کر ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی ادھر پہنچاتا ہے اس لیے فرمایا مَشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ کہ چغلی کھاتا پھرتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں ایک اصول بیان فرمایا گیا ہے اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوْا (الحجرات) کہ اگر کوئی بد اعتماد آدمی تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

حدیث پاک میں ہے خِيَارُ عِبَادِاللهِ اِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللهُ کہ اللہ کے اچھے بندے وہ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ یاد آ جائے۔ وَشِرَارُ عِبَادِاللهِ الْمَشَّاءُ وْنَ بِالنَّمِيْمَةِ اَلْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ الخ (مشکوٰۃ) اور اللہ کے برے بندے وہ ہیں جو چغلی لے کر چلتے پھرتے ہیں اور چغلی کی وجہ سے محبت

کرنے والوں کے درمیان جدائی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ (مسلم) کہ چغلی کھانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ چغلی کھانیوالا چونکہ دورخے پن کا مظاہرہ کرتا ہے اس لیے اس کو ذُوالْوَجْھَیْنِ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایاتَجِدُونَ شِرَارِ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ذَالْوَجْھَیْنِ الَّذِیْ یَأْتِیْ ھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ وَھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ (بخاری)۔ کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بدترین آدمی اس کو پاؤ گے جو دنیا میں دو چہروں والا ہے۔ ایک کے پاس ایک چہرہ لے کر آتا ہے دوسرے کے پاس دوسرا چہرہ لے کر جاتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ایک واقعہ ہے کہ آپؐ ایک دفعہ قبرستان میں تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ پر منکشف فرمادیا کہ ان دو قبر والوں کو عذاب ہورہا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو مطلع فرمایا اور ارشاد فرمایاوَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ بَلْ اِنَّہٗ کَبِیْرٌ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ لَا یَسْتَبْرِئُ مِنْ بَوْلِہٖ (بخاری) کہ ان کو تمہارے خیال کے مطابق کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہورہا۔ حالانکہ حقیقت میں وہ بڑا گناہ ہے ان میں سے ایک چغلی کھانے والا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کی فکر نہ کرتا تھا۔

لَعنت و تَبّرا:

زبان کی ایک آفت کسی پر لعنت کرنا اور گالی گلوچ دینا بھی ہے۔ لعنت و تبرا اور گالی گلوچ کا تعلق فحش کلامی سے ہے جس کی قرآن مجید میں سخت ممانعت فرمائی گئی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (سورۃ نور) کہ جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ اہل ایمان میں فاحشی پھیلے

ان کو دنیا و آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اِنَّ اَکْبَرَ الْکَبَائِرِ اَنْ یَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ کہ تمام بڑے گناہوں میں سے بڑا گناہ یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو لعنت کرے اور گالی دے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یا رسول اللہؐ! اپنے والدین کو کس طرح کوئی گالی دے سکتا ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یَسُبُّ الرَّجُلُ اَبَا الرَّجُلِ وَیَسُبُّ اَبَاهُ وَ یَسُبُّ اُمَّهٗ فَیَسُبُّ اُمَّهٗ (بخاری) کہ آدمی کسی کے باپ کو گالی دے یا کسی کی ماں کو گالی دے تو وہ اس کے جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے۔

یہودیوں کی عام عادت تھی کہ وہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذاء دینے کے لئے مختلف بکواسات کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں آتے تو بجائے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے کے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے۔ جس کا معنی ہے کہ ''آپ پر موت آئے'' حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ یہ بات سنی تو رہ نہ سکیں فوراً غصے میں آ کر ان یہود سے مخاطب ہو کر فرمایا بَلْ عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ تمہارے اوپر موت ہو اور لعنت ہو۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہ سے فرمایا اِنَّ اللہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ یا عائشہ! اللہ تعالیٰ رحیم ہے اور ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہؓ عرض کرنے لگیں آپ نے سنا نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا تو نے سنا نہیں میں ان کو کیا کہہ رہا تھا۔ میں نے بھی تو یہی کہا ہے وَعَلَیْکُمْ کہ تم پر بھی اسی طرح ہو (بخاری)۔

ایک دفعہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا یَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَهْلِ النَّارِ اے عورتو! صدقہ دیا کرو۔ مجھے دوزخ میں زیادہ تعداد تم عورتوں کی ہی دکھائی گئی ہے۔ عورتوں

نے سوال کیا کیوں یا رسول اللہ! ہماری تعداد کیوں زیادہ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَ تَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ کہ تم زبان درازی اور لعنت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری بھی کرتی ہو۔ (بخاری)

ایک حدیث میں ہے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان کسی پر لعنت کرتا ہے اور وہ شخص اس کا مستحق نہیں ہوتا تو وہ لعنت پھر پھرا کر اسی پر آ کر پڑ جاتی ہے (ابوداؤد) ایک اور حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ (بخاری) مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھے۔

غیبت:

زبان کی آفات میں سے ایک انتہائی خطرناک آفت غیبت بھی ہے جس میں ہم بہت زیادہ مبتلا ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہوتی ہے؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ کہ تو اپنے بھائی کو اس طریقہ سے یاد کرے جو اسے برا لگے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ اگرچہ وہ بات اس بھائی کے اندر موجود ہی ہو؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کر دیا جو اس میں ہے تب تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر تو نے اس کے بارے میں وہ بات کہی جو اس میں نہیں ہے تو پھر تو نے اس پر بہتان لگایا (ابوداؤد)۔

گرامی قدر سامعین! اس حدیث پاک سے واضح ہو رہا ہے کہ کسی مسلمان کا حقیقی اور واقعی عیب اس طرح بیان کرنا کہ وہ اگر سنے تو اسے برا لگے تو یہی غیبت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (سورۃ حجرات) تم ایک

دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اسے ناگوار سمجھتے ہو۔

قرآن مجید کی اس آیت سے واضح ہو رہا ہے کہ مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسے ہی گناہ اور ناپسندیدہ ہے جیسے اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ناپسندیدہ ہے۔

حدیث شریف میں حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ ان سے زنا سرزد ہو گیا۔ ارتکاب معصیت کے بعد انہیں فوراً تنبہ ہوا اور قیامت کے دن کے عذاب سے ڈر گئے۔ فوراً پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْہُ عَلَیَّ اے اللہ کے رسولؐ! میرے اوپر حد واجب ہو چکی ہے۔ اسے لاگو فرمایئے۔ آپؐ نے ان کے متعدد دفعہ اقرار کے بعد حقیقت حال جان کر صحابہ کرامؓ کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

رجم کی سزا کے بعد جب ان کی وفات ہو گئی تو آپ نے سنا کہ دو شخص ان کی غیبت کرتے چلے آ رہے ہیں کہ ماعز کیسی گندی موت مرا ہے۔ اس نے کتنی ذلت اٹھائی ہے۔ قُتِلَ کَمَا یُقْتَلُ الْکَلْبُ یہ الفاظ سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انتہائی دکھ ہوا لیکن آپؐ خاموش رہے۔

تھوڑی دور جا کر آپؐ نے دیکھا کہ ایک مرا ہوا گدھا پڑا ہے جس کی ٹانگیں اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں اور اس سے تعفن اور بدبو اٹھ رہی ہے۔ آپؐ نے ان دونوں کو بلایا اور فرمایا کُلَا مِنْ ھٰذَا کہ دونوں اس مردہ گدھے کا گوشت کھاؤ۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ ہمیں یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ اور عرض کرنے لگے اَمِنْ جِیْفَۃِ حِمَارٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہ ہم اس مردہ گدھے کا گوشت کس طرح کھا سکتے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی جو تم نے ایک مسلمان کا گلہ کیا ہے وہ اس

ہے بھی گندی شئے تم نے کھائی ہے۔ یعنی اتنا گندہ کام مردہ گدھے کا گوشت کھانا نہیں ہے جتنا ایک مسلمان کا گلہ کرنا ہے۔ (ابوداؤد)

ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا کہ غیبت زنا سے بھی سخت گناہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ الْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا اے اللہ کے رسول! غیبت زناء سے بدتر کس طرح ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا زانی توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک وہ شخص خود اس کو معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ (مشکوٰۃ)

گرامی قدر سامعین! یہ بات یاد رکھیں جس طرح غیبت کرنا گناہ ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی گناہ ہے۔ لہٰذا اگر کسی موقعہ پر کسی مسلمان کی غیبت ہونے لگے تو حاضرین کو چاہیے کہ اس کو روکیں۔ اگر تردید کرنے کی قدرت نہ ہو تو اسے دل سے برا سمجھتے ہوئے وہاں سے اٹھ جائیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بھائی کے گوشت کی طرف سے دفاع کیا جو غیبت کے ذریعہ کھایا جا رہا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا کہ اسے دوزخ سے آزاد فرما دے۔ مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْہِ رَدَّ اللّٰہُ مِنْ وَجْہِہِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (مشکوٰۃ)۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب میرے اللہ نے مجھے معراج کرائی تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ یَخْمِشُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَصُدُوْرَھُمْ جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریل امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا ھٰؤُلَاءِ یَأْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَیَقَعُوْنَ فِیْ اَعْرَاضِھِمْ (مشکوٰۃ) کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں

یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں اور لوگوں کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔

گرامی قدر سامعین! یقیناً آپ سوال کریں گے کہ آج تک ہم جو غیبت کر چکے ہیں یا سن چکے ہیں اس کا حل کیا ہے؟ حدیث کی رو سے علماء کرام نے اس کا یہ حل بیان فرمایا ہے کہ اگر ان لوگوں کو ہماری غیبت کا پتہ چل گیا ہے تو ہمیں ان سے معافی مانگنی چاہیے۔ اور اگر انہیں اس کا پتہ نہیں چلا تو ان کے لیے دعاء مغفرت کرنی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اِنَّ مِنْ کَفَّارَۃِ الْغِیْبَۃِ اَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمَنِ اغْتَبْتَہٗ تَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلَہٗ (مشکوۃ)۔

بُہتان:

زبان کی ایک آفت کسی پر بہتان لگانا ہے کہ جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ یا برائی منسوب کی جائے۔ بہتان کا دوسرا نام افک بھی ہے۔ قرآن مجید میں عورتوں کو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ (ممتحنہ) یہ کہ وہ بہتان نہ باندھیں گی اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے بیچ میں۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُھْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا (احزاب) اور جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو بن کیے الزام لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر باندھا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے بہتان لگایا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرما کر ان کی تہدید فرمائی اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (سورۃ نور) جو لوگ پاکدامن اور بے

غیر مؤمن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں ان پر دنیا میں بھی لعنت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

شریعت اسلامیہ میں ایک شریف مرد یا عورت پر بدکاری کی تہمت لگانا بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر تہمت لگانے والا چار گواہ نہ لا سکے تو اس کے لیے اسّی کوڑے سزا مقرر کی گئی ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانے والوں کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی اسّی کوڑے لگوائے تھے۔

استہزاء و تمسخر:

زبان کی ایک آفت استہزاء و تمسخر بھی ہے۔ یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ حکم دیا گیا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ (سورۃ الحجرات) اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہوں۔

اسی طرح عورتوں کو بھی خصوصیت سے حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک دوسری کا مذاق نہ اڑائیں۔ آگے فرمایا لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ کہ آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو۔ ایمان لانے کے بعد بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے۔

ایک دفعہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہہ دیا حَسْبُکَ مِنْ صَفِیَّةَ کَذَا وَ کَذَا تَعْنِیْ قَصِیْرَۃً کہ صفیہ بس اتنی سی ہے یعنی پستہ قد ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لَقَدْ قُلْتِ کَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ (ابوداؤد) کہ عائشہ! تو نے اتنا زہریلا کلمہ کہا ہے کہ

اگر یہ سمندر میں بھی ملا دیا جائے تو اس کو بھی بگاڑ کر رکھ دے۔

جھگڑا اور بَدکلامی:

زبان کی ایک آفت جھگڑا اور فحش کلامی بھی ہے۔ حسن خلق مسلمان کا زیور ہے۔ کامل ایمان والا وہی انسان ہے جس کا اخلاق اچھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی لڑ رہا تھا اور انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ تحمل اور بردباری سے کام لے کر خاموش رہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے فَجَعَلَ النَّبِيُّ يُعْجِبُ وَيَتَبَسَّمُ آپ مسکراتے رہے اور خوش ہوتے رہے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ کو بھی غصہ آیا تو انہوں نے بھی اس آدمی کو سخت جواب دیا تو آپؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا فَغَضِبَ النَّبِيُّ وَقَامَ آپ غضب ناک ہو کر وہاں سے چل پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ پریشان ہو کر پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا آپ مسکراتے رہے اور جب میں نے اسے جواب دیا تو آپ غضب ناک ہو گئے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ابوبکر جب تک تو نے جواب نہیں دیا تھا تیری طرف سے اللہ کا ایک فرشتہ کھڑا جواب دے رہا تھا اور جب تو نے جواب دیا تو فرشتہ چلا گیا اور شیطان بیچ میں آ گیا۔ فَلَمْ اَكُنْ لِاَقْعُدَ مَعَ الشَّيْطَانِ بھلا شیطان کی آمد کے بعد میں کس طرح وہاں بیٹھ سکتا تھا (مسند احمد)۔

گانا گانا:

زبان کی ایک آفت گانا گانا بھی ہے۔ آج ہم نے اسے وقت گزاری کے لیے ایک بہترین مشغلہ بنا رکھا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

میرے رب نے مجھے گاجے باجے کے سب آلات توڑنے اور مٹانے کا حکم دیا ہے۔ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ شعروں سے بھر جائے (بخاری) یعنی شعر اور گانے وغیرہ یاد کرنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اُگاتا ہے (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ ہمیں زبان کی تمام آفتوں اور بلیات سے محفوظ فرمائے۔آمین



۱۹:- اطاعتِ والدین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِيَاءِ الَّذِيْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَيْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (سورۃ بنی اسرائیل) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ.

گرامی قدر سامعین! آپ جانتے ہیں کہ انسان کے دنیا میں آنے کا ظاہری سبب والدین ہی ہیں۔ اور پھر والدین کس طرح کمال شفقت اور رحمت سے بچے کی پرورش کرتے ہیں اور اس کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔

والدین کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں اپنا حق بیان فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی والدین کا حق بھی بیان فرمایا ہے۔ یعنی حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں سے پہلا حق والدین کا ہی ہے۔

زیرِ نظر آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے معاً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا کہ تیرے رب نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اِمَّا يَبْلُغَنَّ

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا' اور نہ ہی انہیں جھڑکنا' اور ان سے نہایت ادب کے ساتھ بات کرنا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور عجز و نیاز سے ان کے سامنے کندھا جھکائے رکھنا اور ان کے حق میں دعاء کرتے رہنا کہ اے میرے رب جیسا انہوں نے بچپن میں مجھے شفقت سے پرورش کیا ہے تو بھی ان کے حال پر رحمت فرما۔

گرامی قدر سامعین! اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے حق میں چھ باتیں بیان فرمائی ہیں۔

۱) ان کے ساتھ احسان کیا جائے۔ یعنی ان سے اعلیٰ درجے کا حسن سلوک کیا جائے۔ کھانے پینے' علاج معالجے اور رہن سہن میں جو چیزیں اپنے اور بیوی بچوں کے لیے پسند کرتے ہو وہی چیزیں بلکہ ان سے بہتر ان کے لیے پسند کرو۔

۲) اگر ان کو تیری زندگی میں بڑھاپا آ جائے' کمزوری آ جائے' طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہو جائے اور قوت برداشت ختم ہو جائے تو انہیں اف تک نہ کہو۔ یعنی ادنیٰ درجے کی بھی بے مروتی نہ کرو۔

۳) ان کے مزاج' بیماری اور رویے سے تنگ آ کر انہیں مت جھڑکو۔

۴) ان سے گفتگو کرتے وقت ان کا ادب و احترام ملحوظ رکھنا ان سے ناشائستہ گفتگو اور بدتمیزی نہ کرنا۔

۵) رأفت و رحمت اور عجز و نیاز سے ان کے سامنے کندھا جھکائے رکھنا یعنی ان کا نہیں کسی معاملہ میں نافرمانی نہیں کرنی۔ سر تسلیم خم کر کے رہنا ہے۔

۶) ان کے حق میں ہمہ وقت دعاء گو رہنا چاہیے۔ زندہ ہیں تو بھی دعاء کرو

فوت ہو گئے ہیں تو بھی انکے حق میں دعاء کرو۔ کہ اے اللہ ان پر اسی طرح رحمت فرما جس طرح بچپن میں وہ مجھ پر فرمایا کرتے تھے۔

☆ اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا (احقاف) کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دے دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کرے۔ اس کی ماں نے انتہائی تکلیف سے اسے پیٹ میں اٹھایا اور تکلیف کر کے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوڑنا ڈھائی برس میں ہوتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بچہ کے لیے ماں کے مصائب اٹھانے کے تین مرحلے بیان فرمائے ہیں۔

الف) حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا کہ اس کی ماں اسے نہایت ہی تکلیف سے نو (۹) ماہ تک پیٹ میں اٹھاتی ہے۔

ب) وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا پھر انتہائی تکلیف سے اسے جنم دیتی ہے۔

ج) وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا اس طرح تیس ماہ تک اسے اٹھایا اور دودھ پلاتی رہی۔

☆ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (سورۃ لقمان) ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دے دیا ہے۔ اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر اسے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے اور آخر کار دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے۔ اور اسے تاکید کر دی ہے کہ میرا بھی شکر ادا کرے اور والدین کا بھی شکر گزار بنے اور میری ہی طرف لوٹ کر

آتا ہے۔

گرامی قدر سامعین! دیکھیے کس طرح اللہ تعالیٰ بار بار ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دے رہے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں حضرت لقمان علیہ السلام نے جب اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے آگاہ فرمایا تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ماں باپ کے حقوق سے آگاہ فرمادیا۔

☆ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (سورۃ النساء) کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بیان کے معاً بعد والدین کے حقوق بیان فرمائے ہیں۔

اِحسان اور عَدل:

گرامی قدر سامعین! آپ سن رہے ہیں کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ عدل کرنے کی بجائے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ عدل تو یہ ہے کہ جتنا کسی نے سلوک کیا ہے اس کے ساتھ اسی کے برابر سلوک کیا جائے۔ اور احسان یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اس کے ساتھ اچھائی اور حسن سلوک کیا جائے۔ یا اس طرح کہہ لیجئے کہ عدل یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرے اور احسان یہ ہے کہ ایثار کر کے وہ شئے دوسروں کو دے دے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں والدین کے ساتھ عدل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ کہ جیسا سلوک انہوں نے تیرے ساتھ کیا ہے اس سے بڑھ کر ان سے سلوک کرو۔

بہترین سُلوک کا حق دار کون؟

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ السلام کی خدمت میں ایک دفعہ ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ اے اللہ کے رسولؐ! تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرے لیے کون اس لائق ہے کہ میں اس سے بہترین سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا "اُمُّکَ" کہ تیری ماں۔ اس نے سوال کیا "ثُمَّ مَنْ" اس کے بعد پھر کون؟ آپؐ نے پھر فرمایا "تیری ماں" اس نے تیسری مرتبہ سوال کیا کہ پھر کون؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "تیری ماں" اس نے پھر چوتھی مرتبہ یہی سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا "اَبُوْکَ" کہ تیرا باپ (بخاری)۔ مطلب یہ ہے کہ باپ کی نسبت ماں کا حق تین گنا زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ تین تکالیف اٹھاتی ہے۔

(الف) حمل کی۔ (ب) جننے کی۔ (ج) دودھ پلانے کی۔

پسندیدہ عمل:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ کہ سب اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ میں نے سوال کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ کو محبوب ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا بِرُّ الْوَالِدَیْنِ کہ ماں باپ سے حسن سلوک کرنا میں۔ نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا (بخاری) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز کے بعد باقی سب اعمال سے پسندیدہ عمل ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک ہے۔

وسیلۂ نجات:

حدیث پاک میں تین آدمیوں کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تینوں بارش سے بچنے کے لیے ایک غار میں چھپے تو ایک بڑا پتھر غار کے منہ پر آ گیا اور وہ اس میں بند ہو کر رہ گئے۔ پھر ان تینوں نے مشورہ کیا کہ اپنی زندگی کا کوئی بہترین عمل اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر کے اس سے گڑگڑا کر دعا کی جائے۔ اُدْعُوا اللّٰہَ بِاَفْضَلِ عَمَلٍ عَمِلْتُمُوْہُ. چنانچہ وہ تینوں باری باری اس طرح دعا مانگتے رہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے آہستہ آہستہ غار کے منہ سے پتھر ہٹاتا رہا یہاں تک کہ غار کا منہ اس حد تک کھل گیا کہ وہ باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

ان میں سے ایک شخص نے خدمت والدین کو اپنی زندگی کا بہترین عمل قرار دیتے ہوئے اس طرح دعا کی تھی۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے۔ میں سارا دن بکریاں چرا کر جب گھر واپس آتا تو سب سے پہلے ان کی خدمت میں لگ جاتا۔ بکریوں کا دودھ دوہ کر پہلے ان کی خدمت میں پیش کرتا اور بعد میں اپنے بیوی بچوں کو پلاتا۔

ایک دن مجھے کسی وجہ سے دیر ہو گئی تو میرے والدین سو چکے تھے۔ میں دودھ کا پیالہ بھر کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا کہ جونہی ان کی آنکھ کھلے گی تو پیش کر دوں گا۔ اور میں نے ادب و احترام کی وجہ سے ان کو جگانا مناسب نہ سمجھا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ رِجْلَيَّ اور میرے بچے میرے قدموں میں بھوک سے بلبلاتے رہے مگر میں نے ان کی پرواہ نہ کی۔ فَلَمْ يَزَلْ ذَالِكَ دَأْبِيْ وَدَأْبَهُمَا حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ چنانچہ اسی حالت میں ان کی خدمت میں کھڑے کھڑے سورج طلوع ہو گیا۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ فَعَلْتُ ذَالِكَ اِبْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً یا اللہ! اگر میرا یہ عمل تیری رضا کے لیے تھا اور تجھے پسند ہے تو

غار کا منہ کھول دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ دعاء قبول کرتے ہوئے نجات کی صورت پیدا فرمادی اور غار کا منہ کھل گیا اور تینوں باہر آ گئے۔ (بخاری)

جَنّت اور جَهنّم:

گرامی قدر سامعین! غار سے نکلنا تو معمولی بات ہے۔ والدین کی خدمت سے تو اللہ تعالیٰ جہنم سے بھی نجات عطاء فرما دیتا ہے۔ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَاحَقُّ الْوَالِدَیْنِ عَلٰی وَلَدِ ھِمَا اے اللہ کے رسولؐ! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ تو آپؐ نے جواباً کوئی لمبی چوڑی بات کرنے کی بجائے ایک ہی جملہ ارشاد فرمایا ھُمَا جَنَّتُکَ وَ نَارُکَ (ابن ماجہ) کہ وہ تیری جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرماں برداری اور خدمت کرو گے اور ان کو راضی رکھو گے تو جہنم سے خلاصی پاتے ہوئے جنت حاصل کرو گے۔ اور اگر اس کے برعکس معاملہ ہوا تو جنت سے محروم ہو کر دوزخ کو اپنا ٹھکانا بناؤ گے۔

زیادتیٔ عُمر:

گرامی قدر سامعین! خدمت والدین سے محض جنت ہی نہیں ملتی بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کے ثمرات وفوائد سے بہرہ مند فرما دیتے ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَزِیْدُ فِیْ عُمْرِ الرَّجُلِ بِبِرِّہٖ وَالِدَیْهِ (کامل ابن عدی) کہ اللہ تعالیٰ ماں باپ کی فرماں برداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھا دیتا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تقدیر بدل جاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت کرے گا۔ اس لحاظ سے اس کی عمر زیادہ مقرر فرمادی گئی۔

گناہ کی مُعافی:

شریعت اسلامیہ کا ایک اصول یہ ہے کہ نیکیاں کرنے سے بعض گناہ معاف ہو جاتے ہیں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (القرآن) چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا فَهَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ اے اللہ کے رسولؐ! مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے اور مجھے معافی مل سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ کیا تیری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا کہ وہ تو فوت ہو چکی ہے۔ آپؐ نے پھر سوال فرمایا هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں میری خالہ تو زندہ ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا فَبِرَّهَا تو پھر اس کی خدمت کر اور اس سے اچھا سلوک کر (ترمذی) یعنی اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تیری توبہ قبول فرمالے گا اور تمہیں معاف کر دے گا۔

ہجرت اور جہاد سے افضل:

گرامی قدر سامعین! ماں باپ کی خدمت اتنی عظیم نیکی ہے کہ بعض حالات میں یہ ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا اُبَایِعُكَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ اَبْتَغِی الْاَجْرَ مِنَ اللهِ تَعَالٰی کہ میں آپ کے ہاتھ پر ہجرت اور جہاد کی بیعت کر کے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب لینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا فَهَلْ مِنْ وَالِدَيْكَ اَحَدٌ حَیٌّ؟ کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ

ہے؟ وہ کہنے لگا جی ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ تو آپؐ نے پھر پوچھا کیا تو واقعی اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کا خواہش مند ہے؟ اس نے کہا'' جی ہاں'' تو آپؐ نے اسے ارشاد فرمایا فَارْجِعْ اِلَى وَالِدَيْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا پھر تو اپنے والدین کے پاس لوٹ جا اور ان کی خدمت کر اور ان سے حسن سلوک کر (بخاری)۔

☆ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس سے پوچھا هَلْ لَكَ اَحَدٌ بِالْيَمَنِ ؟ کہ یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ وہ کہنے لگا میرے والدین وہاں ہیں۔ آپؐ نے پوچھا اَذِنَالَكَ؟ کیا انہوں نے تجھے اجازت دی ہے۔ یعنی تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟ اس نے عرض کیا ایسا تو نہیں ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اِرْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاسْتَاْذِنْهُمَا فَاِنْ اَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ وَاِلَّا فَبِرَّهُمَا کہ پھر تو ماں باپ کے پاس واپس جا اور یہاں آنے کی اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی ان سے اجازت مانگو۔ پھر اگر وہ تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ۔ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو (ابوداؤد)۔

مطلب یہ ہے کہ جب ماں باپ خدمت کے سخت محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خبر گیری کرنے والا نہ ہو اور وہ اجازت بھی نہ دیں تو پھر ان کی خدمت جہاد سے مقدم ہوگی۔

☆ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں تو آپؐ نے اس سے پوچھا اَلَكَ اَبَوَانِ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں زندہ ہیں۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ کہ پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدوجہد کرو۔ یہی

تمہارا جہاد ہے (ابوداؤد)۔

☆ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جاہمہ نامی ایک شخص پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِیْرُکَ کہ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا هَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ہے۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا فَالْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا کہ پھر اس کے پاس اس کی خدمت کے لیے رہو۔ اس کے قدموں میں تیری جنت ہے (مسند احمد)۔

سات حج کرانے والا:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بوڑھی اور معذور ماں کو اپنے کندھے پر اٹھا کر حج کرایا۔ اگلے سال جب وہ دوبارہ حج پر جانے لگا تو اس کی ماں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔ اس نے اسی طرح دوبارہ اسے حج کرایا۔ اس کی ماں اس حد تک معذور تھی کہ اس نے تمام مناسک حج اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر ادا کرائے۔ تیسرے سال پھر اس کی ماں نے اس کے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کر دی۔ چنانچہ وہ پھر اسے لے گیا۔ اس طرح اس نے اپنی ماں کو کندھوں پر اٹھا کر سات حج کرائے۔ اور اس کی بے حد خدمت کی۔

ساتویں حج کی ادائیگی کے بعد بیت اللہ شریف کے سامنے بیٹھے بیٹھے اسے خیال آیا کہ میں نے اپنی ماں کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ جتنی خدمت میں نے کی ہے شاید میری ماں نے بھی میری اتنی خدمت نہیں کی ہوگی۔ میری ماں نے تو میری دو تین سال ہی اس طرح خدمت کی ہوگی اور میں تو سالہا سال سے اس کی خدمت میں مصروف ہوں۔

انہی خیالات میں گم تھا کہ اسے نیند آ گئی اور خواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کے ذریعے اسے بتایا کہ تیرے بچپن کے دور میں سردیوں کی ایک رات تو اپنی ماں کے پاس سویا ہوا تھا کہ تو نے پیشاب کر کے بستر کو آلودہ کر دیا۔ شدید سردی میں تیری ماں نے اٹھ کر بستر کو دھویا اور پھر گیلے بستر پر خود لیٹ گئی اور تجھے بستر پر لٹانے کی بجائے ساری رات اپنے سینے پر لٹائے رکھا کہ کہیں تجھے سردی کی تکلیف نہ پہنچے۔ فرشتے نے تنبیہ کرتے ہوئے بتایا کہ ابھی تک تو تُو اُس ایک رات کا حق بھی ادا نہیں کر سکا۔

اُسوہ رسولؐ:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک دفعہ سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں تو آپؐ نے اپنی چادر مبارک اتار کر ان کے قدموں تلے بچھا دی۔ اور ان کے ادب و احترام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ صحابہ کرامؓ حیران ہوئے کہ یہ کون خاتون ہے جس کے پاؤں کے نیچے نبوت نے اپنی چادر بچھا دی؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حلیمہ سعدیہ میری رضاعی ماں ہے جس نے بچپن میں مجھے دودھ پلایا تھا۔

گرامی قدر سامعین! اندازہ لگائیں جب رضاعی ماں کا اتنا احترام ہے تو حقیقی ماں کا کتنا مقام ہوگا؟

حضرت موسیٰؑ کا ساتھی:

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ یا اللہ مجھے دنیا میں میرا جنت کا ساتھی دکھا دے تاکہ میں اپنے رفیق جنت کی ملاقات کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں شہر فلاں

محلے اور فلاں گلی میں ایک قصائی ہے جو جنت میں آپ کا ساتھی ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی ملاقات کے اشتیاق میں نکلے اور کافی تگ و دو کے بعد اسے ڈھونڈھ لیا۔ دیکھا کہ وہ گلی کے موڑ پر بیٹھا گوشت فروخت کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سارا دن اس کے اعمال کا بغور مشاہدہ کرتے رہے کہ آخر اس کا کون سا ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے یہ جنت میں میرا ساتھی بنایا گیا ہے۔

سوچا کہ شاید یہ تولنے میں رعایت دیتا ہو مگر ایسی کوئی بات نہ تھی۔ پھر سوچا شاید یہ دن بھر روزہ رکھتا ہو مگر پتہ چلا کہ اس نے دوپہر کا کھانا کھایا ہے۔ پھر سوچا شاید یہ نوافل کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہو۔ مگر نماز بھی اس نے معمول کے مطابق ہی پڑھی۔ اب آپ نے سوچا کہ شاید یہ گھر جا کر کوئی انوکھا عمل کرتا ہو۔ چنانچہ شام کو جب وہ قصائی گھر جانے لگا تو تھوڑا سا گوشت کپڑے میں باندھا اور چل پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سامنے آ گئے اور فرمایا کہ میں ایک پردیسی ہوں ایک رات یہاں گزارنی ہے اگر مہربانی کر کے مجھے آج رات اپنا مہمان بنا لے تو میں تیرا ممنون ہوں گا۔ وہ کہنے لگا بسر و چشم۔ آیئے اور تشریف لایئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ساتھ چل پڑے جب اس کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ ایک کونے میں ایک انتہائی بوڑھی اور مفلوج عورت چارپائی پر پڑی ہے نہ اٹھنے کے قابل ہے اور نہ بیٹھنے کے۔ نہ اس کی نظر ٹھیک نہ قوت سماعت۔ اس قصائی نے سب سے پہلے اسے طہارت وغیرہ کرائی پھر اس کے لیے کھانا تیار کیا۔ گوشت کی یخنی بنا کر ایک رکابی میں ڈالی اور چمچ لے کر دھیرے دھیرے اس کے منہ میں ڈالنا شروع کی۔ جب وہ سیر ہو گئی تو اس نے اشارہ سے کہا کہ اب میں سیر ہو گئی ہوں۔ بعد ازاں اس قصائی نے اپنے اور مہمان کے کھانے کا انتظام کرنا

شروع کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بوڑھی انتہائی نحیف اور کمزور آواز میں کچھ کہہ رہی ہے۔ قریب ہو کر کان لگایا تو وہ اپنے بیٹے کو دعاء دے رہی تھی کہ یا اللہ میرے اس بیٹے کو جنت میں موسیٰ پیغمبر کی رفاقت نصیب کرنا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام ساری بات سمجھ گئے کہ یہ رتبہ اسے ماں کی خدمت اور دعاء سے ملا ہے۔ پھر آپ نے اس شخص کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری خدمت قبول فرمالی ہے اور تیری ماں کی دعاء تیرے حق میں قبول فرما کر تجھے جنت میں میرا ساتھی بنایا ہے۔

باپ کا حق:

گرامی قدر سامعین! جس طرح ماں کی خدمت اور اطاعت ضروری ہے اسی طرح باپ کی اطاعت بھی لازمی ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخُطُ الرَّبِّ فِیْ سَخطِ الْوَالِدِ (ترمذی) کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے خالق و مالک کو راضی کرنا چاہے تو وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے۔ اور جو کوئی اپنے والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی سے محروم رہے گا۔

☆ حدیث شریف میں ایک عبرت ناک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آکر اپنے باپ کی شکایت کی کہ اس نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لے آؤ۔ اس کے والد کی آمد سے پہلے ہی حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ آپ اس کے والد سے وہ کلمات ضرور پوچھنا جو ابھی اس نے اپنے دل میں کہے ہیں

اور خود اس کے کانوں نے بھی نہیں سنے۔ جب وہ والد آیا تو آپؐ نے اس سے یہی سوال کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جو تو نے اپنے دل میں کہے ہیں؟ اس شخص نے آپ کو چند اشعار سنائے جن میں اس نے اپنے بیٹے کی پرورش کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ہر قسم کی قربانی اور ایثار کا تذکرہ کیا تھا اور پھر جوان ہونے کے بعد بیٹے کی نافرمانی اور تندخوئی کا بڑے درد بھرے انداز میں تذکرہ کیا تھا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس کے یہ درد بھرے اشعار سنے تو آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور آپ نے ارشاد فرمایا مَامِنْ حَجَرٍ وَّلَا مَدَرٍ یَّسْمَعُ هٰذَا اِلَّا بَکٰی کہ یہ اشعار اگر پتھروں کو بھی سنائے جائیں تو وہ بھی رونے لگیں گے۔ پھر آپؐ نے اس کے بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا اَنْتَ وَ مَالُکَ لِاَبِیْکَ اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ (قرطبی) کہ جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب تیرے باپ کا ہے۔

تین دعائیں:

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا ثَلٰثُ دَعْوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٍ لَا شَکَّ فِیْهِنَّ کہ تین دعائیں ایسی ہیں جو لازماً قبول ہوتی ہیں اور ان کی قبولیت میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ دَعْوَۃُ الْوَالِدِ وَ دَعْوَۃُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَۃُ الْمَظْلُوْمِ (الف) والد کی دعاء اپنی اولاد کے حق میں (ب) مسافر کی دعاء (ج) مظلوم کی دعاء (ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ والد کی خدمت کر کے دعاء بھی لی جا سکتی ہے اور نافرمانی کر کے بد دعاء بھی۔ مسافر کی خدمت کر کے دعاء بھی لی جا سکتی ہے اور ایذاء دے کر بد دعاء بھی، اسی طرح مظلوم کی داد رسی کر کے دعاء بھی لی جا سکتی ہے اور اس پر ظلم کر کے بد دعاء بھی لی جا سکتی ہے۔ لہٰذا ان تینوں کی بد دعاء سے بچنا

چاہیے اور دعاء کا طالب رہنا چاہیے۔

مقبول حج کا ثواب:

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَامِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلَى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً کہ جب ایک فرماں بردار اور نیک بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اتنا خوش ہوتا ہے کہ محض اس ایک بار کے دیکھنے کی وجہ سے اس کے نامہ اعمال میں ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے جب یہ بات سنی تو حیران ہو کر سوال کیا وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ کہ اگر ایک دن میں وہ سو مرتبہ دیکھے تو بھی ہر نظر پر اتنا ہی ثواب ملے گا؟ آپؐ نے جواباً فرمایا اَللهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ (مشکوۃ) ہاں ہاں ضرور ثواب ملے گا اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کیا کمی ہے؟ وہ تو بہت بڑا ہے اور ہر کمزوری سے پاک ہے۔

☆ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کسی موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا کہ پانچ چیزوں کو محض دیکھنا بھی سعادت اور عبادت ہے اور موجب اجر وثواب ہے۔ (۱) قرآن مجید (۲) خانہ کعبہ۔ (۳) عالم دین۔ (۴) اپنا مرشد۔ (۵) ماں باپ کا چہرہ۔

والدین کو گالی دینا:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر سوال کیا یَا رَسُوْلَ اللهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ کہ

اے اللہ کے رسولؐ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالیاں دے سکتا ہے؟ تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاهُ وَیَسُبُّ اُمَّهُ فَیَسُبُّ اُمَّهُ (بخاری) کہ ہاں دے سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ یہ کسی کے باپ کو گالی دے اور وہ جواباً اس کے باپ کو گالی دے اور یہ کسی کی ماں کو گالی دے اور وہ جواباً اس کی ماں کو گالی دے۔

مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کے احترام میں اتنا مبالغہ اور احتیاط کرنی چاہیے کہ کسی دوسرے کے ماں باپ کو بھی برا بھلا نہ کہنا چاہیے ورنہ اگر وہ جواباً اس کے ماں باپ کو برا بھلا کہے گا تو گویا اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالی دی ہے۔

رَسولُ اللّٰہ کی بددُعاء:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ کو منبر کے قریب حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب صحابہ کرامؓ جمع ہو گئے تو آپؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ نے منبر کے پہلے درجے پر قدم رکھا تو آمین کہی پھر دوسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر آمین کہی پھر تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر آمین کہی۔ پھر جب آپؐ منبر سے نیچے اترے تو صحابہ کرامؓ نے اس عجیب صورت حال کی بارے میں سوال کرتے ہوئے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہِ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْکَ الْیَوْمَ شَیْئًا مَا کُنَّا نَسْمَعُهٗ کہ اے اللہ کے رسولؐ! ہم نے آج آپؐ سے منبر پر چڑھتے ہوئی ایسی بات سنی جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بددعائیں کی تھیں اور میں نے انکی بددعاؤں پر آمین کہی تھی۔ پہلی بددعاء یہ تھی کہ جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا پھر بھی اپنی مغفرت کا سامان نہ کیا وہ ہلاک او ربرباد ہو جائے۔ دوسری بددعاء یہ تھی کہ جس نے میرا نام سن کر درود پاک نہ پڑھا وہ بھی

ہلاک اور برباد ہو جائے۔ تیسری بد دعا، یہ تھی بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهٗ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت نہ کما سکا وہ بھی ہلاک اور برباد ہو جائے۔ (حاکم)

گرامی قدر سامعین! غور فرمائیں حضرت جبریل علیہ السلام جیسے مقرب فرشتے کی بد دعاء ہو اور اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین ہو۔ کیا اس سے سخت بد دعاء کوئی اور ہو سکتی ہے؟ کیا پھر اس کی قبولیت میں کوئی تردد باقی رہ سکتا ہے؟

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ وہ آدمی ذلیل اور خوار ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کون یا رسول اللہؐ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَوْ اَحَدَ هُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ (مسلم) کہ وہ بدنصیب جو ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر ان کی خدمت کر کے اور ان کو خوش کر کے جنت حاصل نہ کر سکے۔

کبیرہ گناہ:

ایک حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک موقعہ پر صحابہ کرامؓ نے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اَلْاِ شْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَ قَتْلُ النَّفْسِ وَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ (بخاری) یعنی خدا کے ساتھ شرک کرنا۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا' کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

گرامی قدر سامعین! اندازہ لگائیں شرک کے بعد آپ نے جس گناہ کا ذکر کیا ہے وہ والدین کی نافرمانی ہے۔

دنیا میں سزا ملنا:

ویسے تو اللہ تعالیٰ کا اصول ہے کہ گناہوں کا پورا پورا بدلہ آخرت میں دے گا۔ مگر والدین کی نافرمانی ایک ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عبرت کے لیے اس کی سزا دنیا ہی سے شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُاللّٰہُ تَعَالٰی مِنْھَا مَاشَاءَ اِلَّا عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یُعَجِّلُ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیَاۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ (مشکوٰۃ) کہ گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ تعالیٰ چاہے معاف کر دیتا ہے۔ لیکن ماں باپ کی نافرمانی کی سزا مرنے سے پہلے پہلے زندگی میں ہی اس کو دے دیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اِذَا تَرَکَ الْعَبْدُ الدُّعَاءَ لِلْوَالِدَیْنِ فَاِنَّہٗ یَنْقَطِعُ عَنْہُ الرِّزْقَ (   ) کہ جب آدمی اپنے والدین کے لیے دعا کرنا ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا رزق منقطع کر دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے رزق میں کمی کر دی جاتی ہے یا برکت اٹھا لی جاتی ہے یا اس کی عمر میں کمی کر دی جاتی ہے۔

جُریج کا واقعہ:

حدیث شریف میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جریج ایک صالح اور پاکیزہ نوجوان تھا۔ ہر وقت اپنے عبادت خانہ میں مصروف عبادت رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس کی ماں کسی کے کام کے لیے آئی تو وہ عبادت میں مصروف تھا۔ اس نے باہر ہی کھڑی ہو کر اسے آواز دی یَا جُرَیْجُ یَا جُرَیْجُ. اس نے دل میں سوچا یَا رَبِّ اُمِّیْ وَصَلَاتِیْ اے اللہ ایک طرف ماں ہے اور دوسری طرف تیری عبادت ہے کیا کروں؟ پس وہ نماز میں ہی مصروف رہا اور ماں کی بات کا جواب نہ

دیا اور وہ واپس چلی گئی۔

اسی طرح پھر دوسرے دن اس کی ماں آئی اس نے پھر آواز دی تو وہ نماز کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے سکا اور وہ پھر واپس چلی گئی۔ پھر تیسرے دن بھی اسی طرح ہوا تو اس کی ماں نے غضب ناک ہو کر بددعا دے دی اَللّٰھُمَّ لَا تُمِتْهُ حَتّٰی یَنْظُرَ اِلٰی وُجُوْہِ الْمُوْمِسَاتِ اے اللہ! اسے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہ بدکار عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے۔

گرامی قدر سامعین! اگرچہ اس بات میں جریج کا کوئی خاص قصور نظر نہیں آتا۔ لیکن پھر بھی اتنا بڑا عبادت گزار ماں کی بددعاء سے نہ بچ سکا۔ بالآخر جب جریج کی عبادت اور زہد کے تذکرے آسمان سے باتیں کرنے لگے تو بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت جو حسن میں اپنی مثال آپ تھی نے پروگرام بنایا کہ میں اس کو آزمائش میں ڈالتی ہوں اور اس کے زہد و تقویٰ کا امتحان لیتی ہوں۔ چنانچہ وہ عورت خوب بن سنور کر اس کے پاس آنے لگی تا کہ اسے فتنہ میں مبتلا کرے۔ لیکن جریج کی استقامت کے کیا کہنے! اس نے اس کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ کی۔

بالآخر وہ عورت جذبہ انتقام سے سرشار ہو کر ایک چرواہے کی طرف متوجہ ہوئی اور اس سے بدکاری کرا کے حاملہ ہوگئی۔ اور لوگوں میں مشہور کر دیا کہ دیکھو یہ جریج واقعی غلط آدمی ہے۔ پھر جب اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس نے صاف اعلان کر دیا کہ یہ بچہ اسی عبادت گزار جریج کا ہے۔ لوگ یہ سن کر مشتعل ہو گئے اور جریج کو خوب مارا پیٹا اور بے عزت کیا حتی کہ اس کا عبادت خانہ بھی گرا دیا۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ تو نے اس عورت کے ساتھ زناء کیا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس عورت کے ہاں بچہ بھی پیدا ہو چکا ہے۔

اب وہ یہ ساری بات سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ ماں کی بددعا کی وجہ سے ہوا ہے۔ چنانچہ اس نے اس بچے کو منگوایا اور پھر دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے انتہائی زاری کے ساتھ دعا مانگی اور ماں کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد کیا۔ پھر ماں سے بھی معافی مانگی اور پھر اس بچے کے پیٹ میں چوکا لگا کر اس سے اس کے باپ کا نام پوچھا۔

خدا کی قدرت کہ وہ بچہ بول پڑا اور اس نے بتایا کہ میرا باپ تو فلاں چرواہا ہے۔ اب سب لوگ اپنے کیے پر نادم ہونے اور جریجؒ سے معافی مانگی اور اس کا عبادت خانہ دوبارہ تعمیر کر دیا۔ اور وہ حسب سابق عبادت الٰہی میں مصروف ہو گیا (بخاری)۔

گرامی قدر سامعین! اتنا بڑا نیک آدمی بھی ماں کی ادنیٰ نافرمانی کی وجہ سے کس طرح اس کی بددعا کا شکار ہو گیا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ماں باپ کی بددعا سے ہر ممکن بچنے کی کوشش کریں۔

صحابیٔ رسولؐ کا عبرت ناک واقعہ:

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی تھے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی یہ سخت بیمار ہوئے اور موت کا وقت قریب آ گیا۔ پاس والوں نے کلمہ شہادت کی تلقین کی مگر ان کی زبان پر کلمہ جاری نہ ہو سکا۔ دوسری سب باتیں تو کر لیتے تھے مگر کلمہ نہ پڑھ سکتے تھے۔ ان کے خویش واقارب اس صورت حال سے سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر سارا ماجرا عرض کر دیا۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس صورت حال سے سخت پریشان ہوئے اور فوراً وہاں تشریف لے آئے ان کو کلمہ پڑھایا مگر پھر بھی ان کی زبان پر کلمہ جاری نہ

ہوا۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے ان کے حالات وغیرہ پوچھے لوگوں نے بتایا کہ ایسی تو کوئی بات نہیں انتہائی نیک اور صالح نوجوان ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھاھَلْ لَهٗ مِنْ اَبَوَانٍ کیا اس کے والدین زندہ ہیں؟ بتایا گیا کہ والد تو فوت ہو چکے ہیں البتہ ان کی ماں زندہ ہے جو معذور ہے اور چلنے پھرنے سے عاجز ہے اور فلاں محلے میں رہتی ہے۔

آپؐ نے فوراً اس بڑھیا کو بلوایا وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ علقمہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ وہ کہنے لگی اِنَّهٗ بِخَیْرٍ یُصَلِّیْ وَ یَصُوْمُ وَ یُصَدِّقُ کہ اچھا آدمی ہے نماز روزہ اور صدقہ وغیرہ کا پابند ہے۔ پھر آپؐ نے پوچھا کَیْفَ حَالُكِ وَ حَالُهٗ کہ تیرا اور اس کا معاملہ کیسا ہے؟ وہ کہنے لگی میں تو اس پر سخت ناراض ہوں۔ آپؐ نے وجہ پوچھی تو وہ بولی لِاَنَّهٗ یُؤْثِرُ اِمْرَاَتَهٗ عَلَیَّ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو میرے اوپر ترجیح دیتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر ممکن کوشش کی کہ بڑھیا کسی طرح اپنے بیٹے پر راضی ہو جائے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ مگر بڑھیا ضد کی پکی تھی نہ مانی۔ بالآخر آپؐ نے ایک حکمت عملی سے اس کی ماتا کو بیدار کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ جلد از جلد لکڑیاں لے آؤ اور خوب آگ جلاؤ۔ وہ بوڑھی حیران ہو کر پوچھنے لگی یا رسول اللہ آپ آگ کس لیے جلانا چاہتے ہیں؟ آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا لِأُحْرِقَ عَلْقَمَةَ فِي الدُّنْيَا تاکہ اس علقمہ کو اسی دنیا میں آگ میں جلا دیا جائے۔

صحابہ کرامؓ آگ جلانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اس عورت کا دل نرم ہو گیا اور عرض کرنے لگی۔ وَلَدِیْ وَ فِلْذَةُ کَبِدِیْ اَتَحْرِقُهٗ اَمَامَ عَیْنَیَّ کہ میرے بیٹے اور میرے جگر کے ٹکڑے کو آپ میری آنکھوں کے سامنے آگ میں جلائیں

ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اس پر راضی نہ ہوگی تو لازمی بات ہے وہ جہنم میں جلے گا اور جہنم کی آگ اس آگ سے ستر گنا زیادہ سخت ہے۔ اگر تو اپنے بیٹے کے لیے دنیا کی آگ برداشت نہیں کرسکتی تو آخرت کی آگ کس طرح برداشت کررہی ہے؟

اب اس عورت کا دل پسیج گیا اور کہنے لگی اے اللہ! تو بھی گواہ ہو جا' اے اللہ کے رسولؐ! آپ بھی گواہ ہو جائیں' سب صحابہ کرامؓ بھی گواہ ہو جائیں بِاَنِّیْ رَضِیْتُ عَنْ عَلْقَمَۃَ کہ میں علقمہ پر راضی ہوگئی ہوں۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ جاؤ بھلا اب اسے کلمہ پڑھاؤ۔ صحابہ کرامؓ گئے تو علقمہ کی زبان پر کلمہ جاری تھا اور وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بعد ازاں آپؐ نے اس کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ اس کا جنازہ پڑھایا پھر اس کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر سب صحابہ کرامؓ کے سامنے ایک خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا یَآ اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ آثَرَ اِمْرَ أَتَهٗ عَلٰی وَالِدَتِهٖ أَوْ أَغْضَبَهَا فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ لوگو! یہ بات غور سے سن لو۔ جس شخص نے اپنی والدہ پر اپنی بیوی کو ترجیح دی اور اپنی ماں کا دل دکھایا اور اسے ناراض کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی ابدی لعنت ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہی سے محروم رہے گا (قصص)

گرامی قدر سامعین! اسی ایک واقعہ سے ماں کی عظمت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وفات کے بعد بھی حُسنِ سُلوک:

گرامی قدر سامعین! ماں باپ کی زندگی میں ہی ان کی فرماں برداری اور ان سے حسن سلوک کیا جاسکتا ہے ان کی وفات کے بعد تو یہ ناممکن نظر آتا ہے۔ مگر

شریعت اسلامیہ پر قربان جائیے کہ اس نے ان کی وفات کے بعد بھی حسن سلوک کی ایک صورت بیان فرمادی ہے۔ تاکہ اگر کسی شخص کو ماں باپ کی وفات کے بعد اپنے کیے پر ندامت ہو جائے تو وہ بھی اس سعادت عظمیٰ سے محروم نہ رہے۔ اور سعادت مند بیٹے کی نیکی کا یہ تسلسل جاری رہے۔

ایک دفعہ بنی سلمہ کا ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ! هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ اَبَوَيَّ شَيْءٌ اَبِرُّهُمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا کیا میں اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد بھی ان سے حسن سلوک کر سکتا ہوں؟ ان کے کچھ حق ہیں جو مجھے ادا کرنے چاہئیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا بالکل یہ ممکن ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان کے لیے خیر و رحمت کی دعاء کرتے رہنا۔ ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے رہنا۔ ان کا اگر کوئی معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا۔ ان کے تعلق کی وجہ سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا۔ اور ان کے دوستوں کا ہر ممکن اکرام و احترام کرنا۔ (ابوداؤد)

☆ ایک حدیث میں ہے مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصِلَ اَبَاهُ فِيْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ اِخْوَانَ اَبِيْهِ بَعْدَهٗ (ابن حبان) کہ جو کوئی یہ چاہے کہ باپ کے قبر میں پہنچنے کے بعد بھی اس سے حسن سلوک کرے تو اسے چاہیے کہ باپ کے بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے۔

☆ ایک حدیث میں ہے اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّيَ (مسلم) کہ باپ کی خدمت اور اس سے حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ اس کے انتقال کے بعد اس کے دوستوں سے اکرام و احترام کا تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔

☆ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اِنَّ

اَلْعَبْدَلَیَمُوْتُ وَالِدَاہُ اَوْ اَحَدُ ھُمَا وَاِنَّہٗ لَھُمَا عَاقٌّ کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک انتقال کر جاتا ہے اور یہ آدمی زندگی میں ان کا نافرمان اوران کی رضا مندی سے محروم رہتا ہے فَلَا یَزَالُ یَدْعُوْ لَھُمَا وَ یَسْتَغْفِرُلَھُمَا حَتّٰی یَکْتُبَہُ اللّٰہُ بَارًّا (بیہقی) پھر یہ شخص ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعاء اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس نافرمان بیٹے کو فرماں برداروں کی فہرست میں شامل کر دیتا ہے۔ اور اسے نافرمانی کے وبال سے بچالیتا ہے۔

قرآن مجید میں اولاد کو خاص طور پر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ماں باپ کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعاء مانگا کرو۔ رَبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۔

☆ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ. اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح سے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

۲۰:- حُقوقُ العباد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِیَاءِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الْاَتْقِیَاءِ الَّذِیْنَ هُمْ خُلَاصَةُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَ خَیْرُ الْخَلَائِقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا الخ (سورۃ الحجرات) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ.

گرامی قدر سامعین! انسان پر جو ذمہ داریاں اور حقوق عائد ہوتے ہیں بنیادی طور پر ان کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) حقوق اللہ۔ (ب) حقوق العباد۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق بندوں کے حقوق کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حق دار جتنا بڑا اور قابل احترام ہوتا ہے اس کی حق تلفی بھی اتنا ہی بڑا جرم ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایک اور انداز سے غور کیا جائے تو حقوق العباد کا معاملہ بڑا سخت نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ اپنے بندوں پر بے حد مہربان اور ان سے بے پناہ محبت کرنے والا ہے۔ اگر اس کے حقوق میں کوئی کمی کوتاہی ہوگئی تو وہ یقیناً معافی مانگنے سے معاف فرمادے گا۔ کیونکہ وہ معاف کرنے کو بے حد پسند کرتا ہے۔ آدمی جہاں اور جس حال میں ہے وہ اپنے رب سے معافی مانگ سکتا ہے' معافی نہ بھی مانگے تو اس کا اصول ہے کہ وہ نیکیوں کی وجہ سے گناہوں پر قلم عفو پھیر دیتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (القرآن)

اس کے برعکس بندوں کے حقوق اسی وقت معاف ہو سکتے ہیں کہ جب اس بندے کوادائیگی کی جائے یا اس سے معافی مانگی جائے اور وہ معاف کر دے۔ یعنی آدمی جتنی بھی نیکیاں کر لے اعمال صالحہ کا انبار لگا لے بندوں کے حقوق معاف نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ وہ صاحب حق خود معاف نہ کر دے۔ اس لیے یہ معاملہ حقوق اللہ کی نسبت زیادہ پرخطر ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ کہ کیا تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا "جی ہاں ضرور بتایئے" تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ کہ آپس کے معاملات کو درست نہ رکھنا اور فساد ڈالنا۔ یہ تو حالقہ یعنی مونڈنے والی ہے (مشکوٰۃ)۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال نہ رکھا جائے تو کیا پتہ یہ نماز روزہ اور صدقہ کو بھی لے ڈوبے۔ تو کسی کی حق تلفی کرنا گویا ایک ایسا استرہ ہے جو بالوں کو نہیں بلکہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عام عادت تھی کہ جب کسی مسلمان کا جنازہ پڑھنے کھڑے ہوتے تو سوال فرماتے کہ کیا اس میت کے ذمے کسی بندے کا حق تو نہیں ہے؟ یعنی اس نے کسی کا قرضہ تو نہیں دینا؟ اگر پتہ چل جاتا کہ اس کے ذمے کسی مسلمان کا حق ہے تو آپؐ جنازہ پڑھانے سے انکار فرما دیتے اور صحابہ کرامؓ کو فرماتے کہ تم اس کا جنازہ پڑھو، میں تو نہیں پڑھوں گا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے اندر ایثار و محبت کا جذبہ اس حد تک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ کسی مسلمان بھائی کو آپؐ کی دعاء مغفرت سے محروم نہ ہونے دیتے اور عرض کرتے یا رسول اللہ اس کا قرضہ میرے ذمہ رہا، آپ جنازہ پڑھائیں۔

مطلب یہ ہے کہ حقوق العباد کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا اتنا خیال رکھتے تھے۔

☆ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک موقعہ پر جہاد کی فضیلت بیان فرمائی تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر سوال کیا اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ تُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ کہ اے اللہ کے رسولؐ! اگر میں جہاد میں شریک ہو کر اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے سب گناہ معاف ہو جائیں گے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "نَعَمْ" کہ ہاں سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ وہ شخص جانے لگا تو آپؐ نے اس کو واپس بلایا اور فرمایا اِلَّا الدَّیْنُ فَاِنَّ جِبْرِئِیْلَ قَالَ لِیْ ذَالِکَ کہ بندوں کے حقوق معاف نہ ہوں گے یہ بات جبریلؑ نے ابھی آ کر مجھے بتائی ہے (مسلم)۔ یعنی اگر چہ شہادت کا مرتبہ ملنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام گناہوں کی معافی کا اعلان کیا ہے۔ مگر لوگوں کا لین دین پھر بھی معاف نہ ہوگا۔

☆ حجۃ الوداع کے موقعہ پر خطبہ دیتے ہوئے آپؐ نے حقوق العباد کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا وَ فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزت ایک دوسرے کے لیے اسی طرح حرام اور قابل احترام ہے جیسے آج کا دن (یوم عرفہ) قابل عزت و احترام ہے جیسے یہ مہینہ (ذوالحجہ) قابل احترام ہے اور جیسے یہ شہر (مکہ مکرمہ) قابل احترام ہے۔

سالہا سال سے جو لوگ سود کی چکی میں پس رہے تھے اور ظلم پر ظلم سہہ رہے تھے آپؐ نے ان کو اس ظلم سے نجات دلا دی اور فرمایا اِنَّ کُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ وَلٰکِنْ لَکُمْ رُؤُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ کہ جاہلیت کا سارا

سود آج ختم کر دیا گیا ہے۔ تمہارے لیے صرف تمہارا راس المال ہی ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے اوپر کوئی ظلم کرے۔ اس خطبہ میں آپؐ نے غلاموں اور عورتوں کے حقوق بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے۔ نیز وراثت کے مسائل بھی بیان فرمائے تاکہ کوئی کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرے۔

☆ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے لَاتَاْ كُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ کسی شخص نے اگر کسی کا ایک درہم بھی ناجائز طریقے سے لے لیا تو قیامت کے دن اس کے بدلے میں پکڑا جائے گا۔

☆ ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ (بخاری) کہ جس نے ناجائز طریقے سے کسی دوسرے شخص کی ایک بالشت بھر زمین بھی لے لی تو قیامت کے دن اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔

☆ حقوق العباد کی بابت آپؐ نے ارشاد فرمایا لَا تَحَسَّسُوْا وَلَاتَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَهَاجَرُوْا كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا كَمَا اَمَرَكُمْ کہ ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ لگو۔ اور جاسوسی نہ کرو۔ آپس میں حسد مت کرو۔ ایک دوسرے سے بغض مت رکھو۔ ایک دوسرے کے ساتھ مقاطعہ مت کرو۔ ایک دوسرے کو پیٹھ مت دکھاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کو چھوڑو۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو رسوا کرتا ہے اور نہ اس کو حقیر گردانتا ہے۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ پھر آپؐ

نے اپنے ہاتھ سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے' تقویٰ یہاں ہوتا۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ آدمی کے شر کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے۔ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَ عِرْضُہٗ وَمَا لُہٗ (ریاض الصالحین) ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون عزت اور مال حرام ہے۔

مُفلس کون ہے؟

گرامی قدر سامعین! حقوق العباد کا معاملہ اتنا سخت ہے کہ ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ سے سوال فرمایا اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْھَمَ لَہٗ وَلَا مَتَاعَ کہ ہم تو مفلس اور غریب اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس مال و دولت نہ ہو۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ تو دنیا کی بات ہے میں تمہیں قیامت کے دن اپنی امت کے مفلس کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَ صِیَامٍ وَ زَکٰوۃٍ کہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں' بہت سے روزے اور بہت سی زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ آج اتنے ڈھیر سارے اعمال کی وجہ سے میں یقیناً کامیاب ہوں۔

پھر دوسری طرف سے کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کی اس نے حق تلفی کی ہوگی وَیَاْتِیْ وَقَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَ اَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَ ضَرَبَ ھٰذَا کسی کو اس نے گالی دی ہوگی' کسی پر بہتان لگایا ہوگا' کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا اور وہ سب بدلے کے طالب ہوں گے۔ فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ تو ہر ایک کو اس

کی نیکیاں اٹھا کر دے دی جائیں گی حتیٰ کہ اس طرح اس کی سب نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ لیکن بدلہ مانگنے والے ابھی کھڑے ہونگے۔ پھر بدلہ کی یہ صورت بنائی جائے گی اُخِذَ مِنْ خَطَايَا هُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ کہ ان لوگوں کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس طرح نیکیوں کے ڈھیر سے خوش ہونے والا میرا امتی آنا فاناً ان تمام نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا بلکہ نیکیوں کے ڈھیر کی بجائے اب اس کے سامنے گناہوں کا پلندہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ پھر بالآخر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

پیغمبرؐ کا خوفِ آخرت:

بعض روایات میں ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی مرض الوفات میں ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے۔ اور صحابہ کرامؓ کو ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں آپؐ نے اپنے آپ کو بدلہ کے لیے پیش کرتے ہوئے فرمایا مَنْ كُنْتُ شَتَمْتُ لَهُ عِرْضًا فَهٰذَا عِرْضِي کہ میں نے جس کسی کی توہین کی ہو برا بھلا کہا ہو آج میں حاضر ہوں وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ وَ مَنْ اَخَذْتُ لَهُ مَالًا فَهٰذَا مَالِيْ میں نے اگر کسی کا مال لیا ہے تو آج میرا مال حاضر ہے وہ بدلہ لے سکتا ہے۔ وَمَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ لَهُ ظَهْرًا فَهٰذَا ظَهْرِيْ فَلْيَسْتَقِدْ مِنِّيْ میں نے اگر کسی کی پیٹھ پر کوڑا وغیرہ مارا ہو تو آج میری پیٹھ بدلہ کے لیے حاضر ہے۔ قیامت کا دن بڑا سخت ہے۔ حقوق العباد کا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ میں آج بدلہ کے لیے حاضر ہوں۔ آج بدلہ لے لو قیامت کے دن مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ (قسمات)

گرامی قدر سامعین! زیرِ نظر آیت میں اللہ تعالیٰ نے حقوق العباد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہاں تک ارشاد فرمایا يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ

بَعْضًا الخ (سورۃ الحجرات) کہ اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو۔ بے شک بعض گمان تو گناہ ہیں۔ اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

. مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی مسلمان کی اتنی حق تلفی بھی گوارا نہیں کہ اس کے بارے میں دل میں کوئی برا گمان ہی کیا جائے۔ یا اس کے ذاتی اور نجی حالات کی ٹوہ لگائی جائے یا اس کے اندر پایا جانے والا عیب اس کی پیٹھ کے پیچھے بیان کیا جائے۔ تو پھر بڑی بڑی حق تلفیاں اللہ تعالیٰ کس طرح گوارہ کرے گا؟

گرامی قدر سامعین! اب میں آپ کے سامنے بعض بندوں کے حقوق فرداً فرداً بیان کروں گا۔

۱) وَالدین کے حُقوق:

والدین کی اطاعت اور ان کے حقوق کے بارے میں اسی کتاب میں ایک مستقل عنوان قائم کر کے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۲) اَولاد کے حُقوق:

گرامی قدر سامعین! جس طرح اولاد کے ذمے والدین کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح والدین کے ذمہ اولاد کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ اولاد کا سب سے پہلا اور بنیادی حق یہ ہے کہ والدین ان کا نقش زندگی مٹانے کا سبب نہ بنیں بلکہ ان کی حیات کی تکمیل کے تمام ذرائع ہر ممکن مہیا کریں۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ قتل اولاد سے منع کیا گیا ہے وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ کہ اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے خوف سے مار نہ ڈالو۔ اس میں وہ تمام ذرائع شامل ہیں جو کسی نومولود کی زندگی میں رکاوٹ بنیں۔

اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ ان کی پیدائش کے بعد اگر استطاعت ہو تو عقیقہ کیا جائے کیونکہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهٖ کہ ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے۔(ابوداؤد)

ایک اور حق یہ ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھا جائے کیونکہ آپؐ نے ارشاد فرمایا حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُّحْسِنَ اِسْمَهٗ (بیہقی) کہ باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ ایک حدیث میں ہے اَوَّلُ مَايَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ اِسْمُهٗ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام ہی کا دیتا ہے۔اس لیے چاہیے کہ اس کا نام اچھا رکھے (ابوالشیخ)۔

بچے کا ایک حق رضاعت و حضانت بھی ہے۔یعنی اس کو دودھ پلانے اور پرورش و کفالت کا پورا پورا حق ادا کیا جائے۔وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَاَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِلَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ) کہ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔ یہ مدت اس کے لیے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے۔ اور بچے کے باپ پر ان دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق واجب ہے۔

اسی طرح بچے کا ایک حق اس کی تعلیم و تربیت بھی ہے۔یعنی ظاہری تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت بھی ماں باپ کے ذمہ ہے۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا آدَابَهُمْ کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو اور اچھی تربیت کے ذریعہ ان کو حسن ادب سے آراستہ کرو(ابن ماجہ) جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا کہ اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے

بچاؤ۔

ایک موقع پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِسِنِیْنَ وَ فَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ کہ تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو۔ اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو (ابوداؤد)۔

گرامی قدر سامعین! بعض طبقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھ کر اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکیوں کے حقوق کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا مَنْ وُلِدَتْ لَهٗ اِبْنَةٌ فَلَمْ یُؤْذِھَا وَلَمْ یُھِنْھَا وَلَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَیْھَا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِھَا الْجَنَّةَ کہ جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے نہ تو اسے کوئی ایذاء پہنچائی نہ اس کی توہین اور ناقدری کی اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ اس حسن سلوک کے صلے میں اسے جنت عطا فرمائے گا (مسند احمد)۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے دو لڑکیوں کا بار اٹھایا۔ ان کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَنَا وَھُوَ ھٰکَذَا وَ ضَمَّ اَصَابِعَهٗ تو میں اور وہ شخص قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے جس طرح ہاتھ کی یہ انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں (مسلم)۔

ایک حدیث میں تو آپؐ نے یہاں تک ارشاد فرمایا مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنْ اِسْمَهٗ وَاَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْهُ کہ اللہ تعالیٰ جسے اولاد دے تو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اس کی اچھی تربیت کرے اور سلیقہ سکھائے پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے۔ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ

یُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰی اَبِیْهِ اور اگر اس نے شادی کی عمر کے پہنچ جانے پر بھی غفلت اور بے پروائی سے ان کی شادی نہیں کی اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گئے تو ان کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔ (بیہقی)

عبرت انگیز واقعہ:

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص نے اپنے بیٹے کی نافرمانی کی شکایت کی تو آپ نے اس کے بیٹے کو بلوا بھیجا اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تو اپنے والد کی حقوق تلفی کیوں کرتا ہے؟ بیٹے نے جواب دیا یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَمَا لِلْوَلَدِ حَقٌّ عَلٰی وَالِدِہٖ اے امیر المؤمنین کیا بیٹے کا اپنے والد پر کچھ حق نہیں ہے؟ آپؓ نے فرمایا کیوں نہیں! بیٹے کا حق ہے کہ اس کی ماں بنانے کے لیے اچھی عورت کا انتخاب کیا جائے۔ پھر بچے کا اچھا نام رکھا جائے۔ اسے اچھی تعلیم دی جائے۔ بیٹا کہنے لگا امیر المؤمنین! میری ماں ایک زرخرید گھٹیا قسم کی لونڈی ہے اور میرے والد نے میرا اچھا نام رکھنے کی بجائے جُعْل (بدصورت، جھگڑالو) نام رکھا اور تعلیم کے سلسلہ میں مجھے کتاب اللہ کی ایک آیت بھی نہیں سکھائی۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر باپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تو کہتا ہے کہ میرا بیٹا میری حق تلفی کرتا ہے؟ عَقَقْتَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّعُقَّكَ حالانکہ اس سے پہلے تو نے خود اس کی حق تلفی کی ہے۔

(۳) خاوند کے حقوق:

شریعت اسلامیہ نے میاں بیوی دونوں کے حقوق بھی متعین فرمائے ہیں وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہ جس طرح مردوں کے حقوق ہیں اسی

طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْءَةِ زَوْجُهَا وَ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ اُمُّهٗ (حاکم) کہ عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔ عورت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خاوند کی پوری پوری اطاعت کرے۔ آپؐ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ کہ دنیا ساری کی ساری ایک متاع اور سامان ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ اِذَا اَمَرَهَا بَعْلُهَا اَطَاعَتْ وَاِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْ اور نیک بیوی کی علامت یہ ہے کہ جب اس کا خاوند اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے۔ اور جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے اور جب اس کا خاوند کہیں چلا جائے تو وہ اس کے مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرے۔ (مشکوٰۃ)

خاوند کا حق بیان فرماتے ہوئے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا کہ اگر میں کسی کو کسی مخلوق کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (ترمذی)۔

حدیث شریف کی کتب میں حضرت قیس بن سعدؓ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے حیرہ کے لوگوں کا وطیرہ دیکھ کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعظیمی سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے سختی سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اگر سجدہ تعظیمی کسی کے لیے روا ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ اس عظیم حق کی بناء پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کے

شوہروں کا ان پر مقرر فرمایا ہے (ابوداؤد)۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءَۃُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْ خُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ (حلیہ ابونعیم) کہ مسلمان عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم گاہ و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرماں بردار رہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیں گے۔ جس دروازے سے اس کا جی چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اَيُّمَا امْرَءَةٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ کہ جو عورت اس حالت میں دنیا سے مر جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ سیدھی جنت میں جائے گی (ترمذی)۔

٤) بیوی کے حقوق:

بیوی کے حقوق میں سے بنیادی حق یہ ہے کہ خاوند اس کے نان ونفقہ اور رہائش کا ذمہ دار ہے۔ کہ جیسا خود کھائے اسے بھی کھلائے۔ جیسا خود پہنے اسے بھی پہنائے۔ جیسی رہائش اپنے لیے پسند کرے اسے بھی مہیا کرے (ابن ماجہ) چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہ بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقے سے گزران کرو (النساء)۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجۃ الوداع جیسے اہم موقعہ پر بیویوں کے حقوق بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اِتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللهِ وَ اسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ کہ لوگو اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے اور اسی

اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس شخص کا گھر میں آنا اور تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو وہاں آکر بیٹھنے کا موقع نہ دیں۔ اگر وہ ایسی غلطی کریں تو تم انہیں سزا دے سکتے ہو۔ مگر سزا بھی ایسی غیر مبرح جو زیادہ سخت نہ ہو۔ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور تمہارے ذمے ہے کہ ان کے کھانے کپڑے وغیرہ ضروریات کا معقول طریقہ سے بندوبست کرو۔ (مسلم)

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ کہ تم میں سے زیادہ اچھا اور بھلا آدمی وہی ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ اور میں اپنی بیویوں کے لیے بہت اچھا ہوں (ترمذی)۔

یعنی اپنی مثال بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری مثال تمہارے سامنے ہے کہ میں اللہ کا نبی ہو کر بھی کس طرح بیویوں کا خیال رکھتا ہوں۔ بلکہ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهٖ (ترمذی) کہ مسلمانوں میں سے ایمان کے اعتبار سے کامل ایمان والا ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ اچھا ہو اور خاص کر بیوی کے ساتھ جس کا رویہ اور سلوک درست ہو۔

۵) رشتہ داروں کے حقوق:

قرآن مجید میں بار بار اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا گیا ہے فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (روم) وَ آتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل) کہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرو۔

☆ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى (نحل) کہ اللہ

تعالیٰ عدل، احسان اور اہل قرابت کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے۔ وَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى (نساء) کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرو۔

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللهُ تَعَالٰى مَنْ وَّصَلَكَ وَ صَلْتُهٗ وَ مَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهٗ (بخاری) کہ رحم کا لفظ رحمٰن سے مشتق ہے (یعنی حق قرابت خداوند رحمان کی رحمت کی ایک شاخ ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔

مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے نام ''رحمٰن'' سے اور اس کی صفت رحمت سے خاص مناسبت ہے۔ اور جو اس قرابت کا حق ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرماتا ہے اور جو یہ حق ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَ يُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (بخاری) کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ کہ رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (بخاری)۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں اس کا داخلہ اس وقت تک رکا رہے گا جب تک اس کا یہ گناہ معاف نہ ہو جائے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيْ وَلٰكِنَّ

الْوَاصِلُ الَّذِيْ إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا (بخاری) صلہ رحمی کا حق وہ شخص ادا نہیں کرتا جو اپنے اقرباء کے ساتھ ان کی صلہ رحمی کے بدلے کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے کہ اس کے ساتھ اس کے رشتہ دار بدسلوکی کریں اور وہ پھر بھی ان کا حق ادا کرے۔

٦) اُستاد اور عُلماء کے حقوق:

گرامی قدر سامعین! استاد کا حق کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ والدین بچے کو آسمان سے زمین پر لانے کا سبب ہیں اور استاد زمین سے آسمان کی بلندیوں تک پہنچانے کا سبب ہوتا ہے۔ استاد ہی ایک انسان کو تعلیم و تربیت کے ذریعے صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے أَنَا عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِيْ حَرْفًا إِنْ شَاءَ بَاعَ وَإِنْ شَاءَ أَعْتَقَ کہ جس شخص سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے میں اس کا غلام ہوں۔ چاہے تو وہ مجھے بیچ دے چاہے تو آزاد کر دے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک دفعہ ایک دیہاتی آیا تو آپ نے اس کا بے حد ادب و احترام کیا۔ بعد میں شاگردوں کے پوچھنے پر فرمایا کہ یہ میرا استاد تھا۔ ایک فقہی مسئلہ کے حل کے لیے ایک دفعہ مجھے یہ جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کتا کب بالغ ہوتا ہے۔ تو میں نے اس شخص سے جا کر یہ بات پوچھی تھی۔

اسی طرح علماء کرام کا ادب و احترام انتہائی ضروری ہے۔ ان کی زیارت کے لیے جانا ان کے علمی فیض سے بہرہ مند ہونا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا لَيْسَ مِنْ أُمَّتِيْ مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيْرَنَا وَ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يَعْرِفْ عَالِمَنَا (ترغیب) کہ جو شخص ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کی قدر نہ کرے وہ ہماری امت میں

سے نہیں ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی عزت نہ کرنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے ایک بوڑھا مسلمان' دوسرا عالم' تیسرا منصف حاکم (ترغیب)۔

مولانا احتشام الحق کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ علماء دین کی عزت وعظمت میں کوتاہی نہ کرے۔ جس طرح ہم پر قرآن وحدیث کی عزت وعظمت' ادب و احترام واجب اور ضروری ہے۔ اسی طرح ان مقدس ہستیوں کی عزت وعظمت' ادب واحترام بھی ضروری ہے' جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ علماء حق کی توہین دین کی توہین کے مترادف ہے۔ جو خدا کے غیظ وغضب کا موجب ہے (فضائل اعمال)۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے لکھا ہے کہ جس قسم کے الفاظ اس زمانہ میں علماء اور علوم دینیہ کے متعلق اکثر استعمال کیے جاتے ہیں فتاویٰ عالمگیری میں ان میں سے اکثر الفاظ کو الفاظ کفریہ میں شمار کیا ہے۔ مگر لوگ اپنی ناواقفیت سے اس حکم سے غافل ہیں (فضائل اعمال)

۷) غُلاموں کے حُقوق:

اسلام کی آمد سے قبل غلاموں اور کمزور طبقہ کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا اسے پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کو بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی آمدنی کا ۱/۸ حصہ ان کی آزادی کے لیے وقف کیا گیا ہے۔ مختلف فروگزاشتوں کا کفارہ ان کی آزادی قرار دی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رشتہ داری قائم کر کے ان کا سر فخر سے بلند کر دیا۔

ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ

اَیْدِیْکُمْ کہ یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہاری ملکیت میں دے دیا ہے فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَ لَا یُکَلِّفْہُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُہٗ تمہیں چاہیے کہ اپنے ان بھائیوں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور ان سے ایسا کام نہ لو جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اِنْ کَلَّفْہُ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ کہ اگر ایسا کام کرنا پڑ جائے تو تمہیں چاہیے کہ خود بھی ان کی معاونت کرو۔ (بخاری)

ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر سوال کیا کَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ کہ میں اپنے غلام کی کتنی غلطیاں معاف کروں؟ آپؐ خاموش رہے تو اس نے دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ یہی سوال دہرایا تو آپؐ نے فرمایا اُعْفُوْا عَنْہُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً کہ ہر روز ستر دفعہ اپنے غلام کی غلطی سے درگزر کیا کرو (ابوداؤد)۔

ایک دفعہ حضرت ابومسعود انصاریؓ اپنے ایک غلام کو مارتے جاتے تھے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منظر برداشت نہ ہو سکا۔ آپؐ نے پیچھے سے آ کر ان کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰہُ اَقْدَرُ عَلَیْکَ مِنْکَ عَلَیْہِ اے ابومسعود! تجھے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور طاقت حاصل ہے۔ حضرت ابومسعودؓ پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً عرض کیا یا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھُوَ حُرٌّ لِوَجْہِ اللّٰہِ اے اللہ کے رسولؐ! اب یہ میری طرف سے اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْکَ النَّارُ کہ اگر تم اب اسے آزاد نہ کرتے تو جہنم کی آگ تجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتی (مسلم)۔

اسی طرح ایک شخص نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آ کر سوال

کیا کہ میرے کچھ غلام ہیں جو بعض اوقات میری نافرمانی اور حکم عدولی کرتے ہیں' کبھی جھوٹ بولتے ہیں' کبھی خیانت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے میں ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور مارتا ہوں فَكَيْفَ أَنَا مَعَهُمْ کیا اس پر مجھے کچھ مواخذہ تو نہ ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی نافرمانی اور تیری سزا کا حساب کرے گا۔ اگر تیری سزا جرم کے برابر نکلی تو معاملہ صاف ہو جائے گا۔ اگر تیری سزا ان کے جرم سے زیادہ بنی تو تجھے بدلہ دینا ہوگا۔

آپ کی اس وضاحت سے اس شخص پر اتنا خوف خدا اور خوف آخرت طاری ہوا کہ فوراً کہنے لگا اُشْهِدُكَ أَنَّهُمْ كُلَّهُمْ أَحْرَارٌ میں آپ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرے یہ سب غلام اللہ کی رضاء کے لیے آزاد ہیں (ترمذی)۔

گرامی قدر سامعین! غلاموں کے حقوق کا اسی بات سے اندازہ لگائیں کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ان کے حقوق بیان فرمائے۔ حتیٰ کہ آپؐ نے اپنی مرض وفات میں ان کے حقوق کی تلقین فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ وَاتَّقُوا اللهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت آپ نے آخری بات یہی ارشاد فرمائی کہ نماز کی پابندی کرو اور اپنے غلاموں کے بارے میں خدا سے ڈرو (ابوداؤد)

۸) پڑوسیوں کے حقوق:

انسانی معاشرہ باہمی تعاون اور موالات سے ہی قائم ہے' ہر انسان دوسرے انسان کی مدد کا محتاج ہے۔ اور جو جتنا قریب ہوتا ہے وہی دوسرے کے دکھ اور مصیبت کو جان سکتا ہے اور بروقت اس کی مدد کر سکتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دکھ اور تکلیف پہنچنے کا اندیشہ بھی

اسی سے زیادہ ہوتا ہے جو زیادہ قریب ہوتا ہے۔ انہی حقائق کو سامنے رکھ کر اسلام نے ہمسائیگی کے حقوق متعین فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمسایہ قریب اور ہمسایہ بیگانہ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے (سورۃ نساء) مطلب یہ ہے کہ رشتہ دار ہمسایہ ہو یا بیگانہ یا وقتی طور پر کوئی رفیق ہو سب کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے (بخاری)

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے بار بار ارشاد فرمایا وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں' اللہ کی قسم وہ مومن نہیں' اللہ کی قسم وہ مومن نہیں۔ صحابہ کرام نے حیران ہو کر سوال کیا مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اے اللہ کے رسولؐ! کون مومن نہیں ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اَلَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ کہ جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بدسلوکیوں سے محفوظ نہ ہوں (بخاری)

ایک موقعہ پر فرمایا مَا آمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَ جَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ وَ ھُوَ یَعْلَمُ بِہٖ کہ وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا کہ جو خود تو اپنا پیٹ بھر کے بےفکری سے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے اور اس کو اس کا علم ہو (مسند بزاز)

پڑوسی کے حقوق بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو' اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ اگر وہ قرض مانگے تو اس کو دے دو' اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو' اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اسے مبارکباد دو' اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو

اور اپنا مکان اس کے مکان سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔ اور اپنے مرغوب کھانے کی خوشبو سے بھی اسے اذیت نہ دو۔ یعنی یا تو یہ کوشش کرو کہ اپنی ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے یا پھر کچھ کھانا اس کے گھر بھی بھیج دو (معجم کبیر)۔

بعض روایات میں ہے کہ اگر کوئی مرغوب پھل خرید کر لاؤ تو پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو۔ یا پھر اس طرح چھپا کر لاؤ کہ ان کو خبر نہ ہو تا کہ ان کے بچوں کا دل نہ للچائے۔ اور اپنے بچے کو پھل دے کر باہر نہ بھیجو کہ اس کے بچوں کا دل نہ جلے۔ یہاں تک فرمایا کہ اس پھل کے چھلکے بھی اس طرح نہ پھینکو کہ انہیں دیکھ کر ان کے دل میں حسرت پیدا ہو (کنزالعمال)

ایک موقعہ پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ (بخاری) کہ جبریل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حد تک تاکید کرتے رہے کہ میں خیال کرنے لگا کہ شاید عنقریب اس کو وارث قرار دے دیا جائے گا۔ پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کے اظہار کی لیے آپ کا یہ ایک نہایت موثر اور بلیغ ترین انداز بیان ہے۔

ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ غیر مسلم پڑوسی کا ایک حق ہے۔ مسلمان پڑوسی کے دو حق ہیں۔ اور رشتہ دار پڑوسی کے تین حق ہیں۔

۹) حیوانات کے حُقوق:

شریعت اسلامیہ نے جہاں انسانوں کے حقوق بیان فرمائے ہیں وہاں حیوانات کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔ بلاضرورت کسی جانور کو قتل کرنا۔ یا اپنی عیش پسندی کے لیے شکار کھیلنا یا جانوروں کو باہم لڑانا یا کسی جانور کو کند چھری سے

ذبح کرنا سب ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کا برملا اظہار فرمایا کہ جس طرح انسانوں کی ایذا رسانی ایک شرعی جرم ہے اسی طرح جانوروں کی ایذاء رسانی بھی ایک مذہبی گناہ ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا اِتَّقُوا اللہَ فِی ھٰذِہِ الْبَھَائِمِ الْمُعْجَمَۃِ کہ ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرتے رہو انہیں کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ دو (ابوداؤد)

حدیث شریف میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کا ذکر فرمایا جس نے ایک بلی کو بھوکا پیاسا رکھ کر ایذا دی تو اللہ تعالیٰ نے اس بلی کی وجہ سے اس عورت کو عذاب میں گرفتار کر دیا (بخاری)۔

اسی طرح آپؐ نے ایک بدکار عورت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے ایک کتے پر ترس کھا کر اس کو پانی پلایا اور اس کی پیاس بجھائی فَغَفَرَلَھَا بِذٰلِکَ تو اللہ تعالیٰ نے محض اس وجہ سے اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا۔ صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر سوال کیا اِنَّ لَنَا فِی الْبَھَائِمِ اَجْرًا کہ کیا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی ہمیں اجر ملے گا؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ کہ ہر جان والی چیز کے ساتھ حسن سلوک کا اجر و ثواب ملتا ہے (بخاری)۔

۱۰) کافروں کے حُقوق:

انسانی برادری کا فرد ہونے کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے کفار کے حقوق بھی متعین فرمائے ہیں اور ہمیں ان سے ہر معاملہ میں عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کا یہ عام فیصلہ ہے کہ صدقات واجبہ کے علاوہ دوسرے عام صدقے غیر مسلموں کو دیے جا سکتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کافر قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اس بات کی

نمازی کرتا ہے کہ اسلام کتنا رحم دل مذہب ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے ان کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا حکم دیا۔

خلفاء راشدین کے دور میں غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ایک اعلیٰ روایت قائم کی گئی۔ جس کی مثالیں کتب تاریخ میں موجود ہیں۔

ایک دفعہ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے کافر بھکاری کو دیکھا جو اندھا بھی تھا۔ تو آپؓ نے اس سے بھیک مانگنے کا سبب پوچھا۔ وہ کہنے لگا کہ میں ضعیف اور ناتواں آدمی ہوں۔ معذور بھی ہوں۔ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے نیز جزیہ ادا کرنے کے لیے بھیک مانگ رہا ہوں۔ آپؓ کو اس کی حالت پر اتنا ترس آیا کہ اسے اپنے گھر لائے اور جو کچھ میسر آیا اسے دیا اور پھر اسے خازن بیت المال کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ اس کی اور اس جیسے دیگر لوگوں کی بیت المال سے مدد کرو۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم ان کی جوانی کی کمائی کھائیں اور بوڑھا ہونے پر ان کی مدد چھوڑ دیں۔ (کتاب الخراج)

گرامی قدر سامعین! انسان تو انسان رہے شریعت اسلامیہ نے تو جنات جیسی غیر مرئی مخلوق کے حقوق بھی واضح کر دیے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی سے استنجاء کرنے کی ممانعت اسی لیے فرمائی ہے کہ اس سے جنات کو خوراک ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ہر صاحب حق کا حق ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مِصباحُ الخُطباء

(جلد چہارم)

آپ کی دُعاؤں سے مَنظرِ عام پر آ چکی ھے۔

عُنوانات

نمبر شمار	عنوانات	نمبر شمار	عنوانات
۱	آیاتِ کائنات	۱۱	سورۃ فاتحہ
۲	صراطِ مستقیم	۱۲	سورۃ الکوثر
۳	شرائطِ ثلاثہ	۱۳	سورۃ العصر
۴	ادلۂ اربعہ	۱۴	معوذتین
۵	حُجیت حدیث	۱۵	وعظِ یوسفی
۶	تحقیق من دون اللہ	۱۶	ادعیہ موسیٰ
۷	خطبہ حجۃ الوداع	۱۷	قرآنی تقاریر
۸	فتح مکہ	۱۸	اِنفاق فی سبیل اللہ
۹	غزوہ بدر	۱۹	اسلام اور عورت
۱۰	غزوہ اُحد	۲۰	ریاکاری

مکتبۃ البشیر جامعہ عربیہ مصباح العلوم

خوشاب

علامہ حکیم عبد الخالق صاحب مدظلہ

کی دیگر قابل قدر کتب



مکتبۃ البشریٰ

جامعہ عربیہ مصباح العلوم